برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

جولائی ۲۰۲۵ء | محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ علیہ

’القدس لوگوں کے چہروں پر
پڑے نقاب کو ہٹا دے گا!‘

امیر المؤمنین حضرت **ابو بکر صدیق** رضی اللہ عنہ کی
حضرت **عمرو بن عاص** رضی اللہ عنہ کو نصیحتیں

خداوند تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرتے رہنا، خلوت میں اللہ سے شرم کرنا کیونکہ وہ تمہارے اعمال ہمیشہ سے دیکھتے رہتے ہیں۔ تم یہ خود جانتے ہو کہ میں نے تمہیں تم سے بہتر اور بزرگ و باعزت لوگوں پر حاکم مقرر کیا ہے۔ آخرت کے لیے کام کرو، اپنے اعمال سے اپنے مولا یعنی باری تعالیٰ کو خوش رکھو۔ جب کسی کو کوئی سزا دو تو زیادہ سختی نہ کرنا۔ اتنی مہلت اور ڈھیل بھی نہ دینا کہ خود تم پر ہی دلیر اور شیر ہو جائیں۔ جب تک ممکن ہو کسی کو درے نہ لگانا کیونکہ خوف ہے کہ وہ بھاگ کر دشمن سے جا ملے اور تمہارے مقابلے پر اس کو کمک پہنچا دے۔ ساتھیوں کو اس بات کی تاکید کرنا کہ وہ کسی کام میں غلو اور زیادتی نہ کریں اور اگر کریں تو انہیں اس کی سزا دینا، جس وقت اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا۔ اپنے نفس کی اصلاح کرنا تاکہ تمہاری رعایا کی اصلاح رہے۔ جس وقت دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرنا، استقلال رکھنا، پیچھے نہ ہٹنا تاکہ تمہاری بزدلی اور ضعف و عاجزی نہ ظاہر ہو۔ قرآن شریف کے پڑھنے کی ساتھیوں کو تاکید رکھنا کہ بالالتزام پڑھیں۔ دنیا کی زیب و زینت سے اعراض کرنا حتیٰ کہ تم ان لوگوں سے جو تم سے پہلے حالتِ فقر میں انتقال کر چکے ہیں، جا ملو۔ جن کی مدح و تعریف قرآن شریف میں موجود ہے ایسے لوگوں میں اپنے آپ کو شریک کرنا۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اور ان سب کو ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے وحی کے ذریعے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی تھی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔“

بس اب خداوند تعالیٰ کی برکت اور مدد کے ساتھ رخصت ہو جاؤ، میں تمہیں خداوند تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کافروں سے لڑو، جو شخص خداوند تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اس کی باری تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں۔

(فتوح الشام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۵

جولائی ۲۰۲۵ء | محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مُسلسل اِشاعت کا اٹھارہواں سال!

رسولِ محبوب ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ کے راستے میں جو شخص زخمی ہوا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔‘‘

(صحیح مسلم)

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.site

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

contactNGH.01

اس شمارے میں

اداریہ

اور قافلہ سالارِ حسینؓ ابن علیؓ ہیں! 5

تزکیہ و احسان

اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 8

اسوۂ حسنہ

سیرتِ رسول ﷺ کے سائے میں 13

آخرت

موت و ما بعد الموت 16

سانحۂ لال مسجد......تفریقِ حق و باطل کا نشان!

اسلام آباد کے دروازوں پر ’اسلام‘ کی دستک 19

وانا آپریشن پر پاکستانی علماء کا متفقہ فتویٰ 21

اسرائیل ایران جنگ

ایران اسرائیل تعلقات پر شیخ اسامہؒ کی تحریر 25

صہیونیوں اور ایران کے مابین جنگ پر بیان 33

اسرائیل ایران جنگ پر رابطہ علماء المسلمین کا بیان 36

فکر و منہج

القاعدہ کیوں؟ 38

مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 41

فوز المبین 46

جمہوریت......ایک دجل، ایک فریب!

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر! 49

صحبتِ با اہلِ دل!

مع الاستاذ فاروق 54

گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام

احکامِ الٰہی 57

عالمی منظر نامہ

خیالات کا ماہنامچہ 58

اخباری کالموں کا جائزہ 62

اسرائیل و امریکہ میں شیطان پرستی و بچوں کا قتل 69

طوفان الاقصیٰ

وحرض المؤمنین 76

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان 83

دلِ مردہ کو زندہ، تنِ مردہ کو بیدار کر 91

غزہ کی امدادی شکارگاہیں 93

افغان باقی کہسار باقی......الحکم للہ والملک للہ

عمرِ ثالث 95

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

سوات سانحے کا ذمہ دار کون؟ 99

حاجی شریعت اللہؒ کی سرزمینِ بنگال سے

بنگلہ دیش کے موجودہ منظر نامے کا جائزہ 101

کشمیر......غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!

کشمیر کا شاندار اسلامی ورثہ: خطرات و حل 105

......ہند ہے سارا میرا!

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی 108

علیکم بالشام

شام میں جہاد کا مستقبل 110

حلقۂ مجاہد

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 117

سورۃ الانفال 119

الدراسات العسکریۃ

امنیت (سیکیورٹی) 123

اوپن سورس جہاد

ٹیلی گرام: پرائیویسی کا فریب 127

ناول و افسانے

الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 131

وغیرہ وغیرہ

اِک نظر ادھر بھی 140

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس / سٹیٹس / ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’**غزوۂ ہند**‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

اور قافلہ سالار حسینؓ ابنِ علیؓ ہے!

غزہ کی جنگ ایک ایسی کسوٹی ہے جس نے ایمان و نفاق کے خیموں کو جدا کر دیا۔ قریباً سات سو روز سے جاری اس معرکۂ ایمان و مادیت کے بعد، ہم اب 'الكفر ملة واحدة' کا فلسفہ یہاں سمجھانا ایک عبث کام سمجھتے ہیں۔ ہمارا موضوع وہ ہے جس کے متعلق ایک قول معروف ہے کہ 'القدس لوگوں کے چہروں پر پڑے نقاب کو ہٹا دے گا'۔ یہ تاریخ میں پہلی بار نہیں ہو رہا کہ منافقوں کے چہروں پر پڑا نقاب الٹا گیا ہو، کئی واقعات ایسے رونما ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی منافق چہرے کو پہچاننے کے لیے صرف اس کے چہرے پر پڑے نقاب کو الٹنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ آنکھیں درکار ہوتی ہیں جو حُسن و قُبح میں تفریق کر سکیں اور وہ دل چاہیے ہوتا ہے جو اس ایمان و نفاق کا فرق سمجھ سکے۔ یہی دیدۂ بینا اور یہی قلبِ شُنوا اگر ہو تو ہم اس نفاق کے بارے میں بات کرتے ہیں، جس کے چہرے پر سے نقاب الٹ چکا ہے۔

القدس مسلمانوں کا بنیادی ایمانی مسئلہ ہے۔ جو کوئی قدس کے بارے میں ذرا سی لیت و لعل سے کام لے یا اس الجھن کا شکار ہو کہ قدس مسلمانوں کا مسئلہ ہے یا نہیں تو اس کے ایمان و اسلام پر مسلمانوں میں سے کوئی کم سِن بچہ بھی شک کرے گا، جی ہاں! قدس ہمارے ایمانوں میں اس قدر راسخ اور پختہ امر ہے! مسلمانوں نے کسی چپہ برابر زمین پر ایک دم کے لیے بھی اگر حکومت کی ہو تو اس چپہ بھر زمین کو دوبارہ حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، تو قدس کے بارے میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ قدس جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے اسراء و معراج ہے، جہاں حبیبِ دو جہاںؐ نے کم و بیش سوا لاکھ انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی، جو انبیائے کرامؑ کا مسکن و وطن رہا، ہمارا قبلۂ اول، حشر و نشر کی سرزمین، حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی امانت۔

اس قدس، اس شہرِ سلامتی، اس یروشلم کو تقسیم کرنا اور صہیونی سازش کے تحت نتیجتاً مسجدِ اقصیٰ کا انہدام، ایسے کسی بھی منصوبے کا حصہ بننا اسلام کے ساتھ کھلی غداری و خیانت ہے۔ اس خیانت کی تاریخ خلافتِ عثمانیہ سے دغے کے ساتھ شروع ہوئی، وہاں بھی کچھ آلِ رسولؐ سے ہونے کے دعوے دار 'سیّد' تھے۔ پھر یہ دغا دینے والے اردن کا 'ہاشمی شاہی خاندان' بن گئے۔ وقت کے ساتھ اسرائیل کے گرد موجود 'اسلامی' ممالک سب کے سب اسرائیل کے ساتھ نارملائزیشن کی طرف بڑھ گئے۔ ترکی، مصر، سوڈان، مراکش، عرب امارات، عمان، کویت، بحرین وغیرہ۔ نوے کی دہائی میں دولتِ قطر کو جب اندیشہ ہوا کہ وہ بھی بحرین کی طرح سعودی عرب کے باج گزار بن جائیں گے، تو انہوں نے امریکہ کی مدد سے اپنے آپ کو خود مختار بنانا چاہا اور اس کے لیے 'امریکہ جن' جس کی جان 'اسرائیل طوطے' میں تھی کے چرنوں میں یا پنجوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ اسرائیل کے ساتھ خفیہ ساز باز کے نتیجے میں امریکہ 'بہادر' کی خوشنودی حاصل ہوئی، بدلے میں انہوں نے اپنی سرزمین امریکی فوجی اڈوں کے لیے پیش کی۔ سعودی عرب میں چند برس قبل ایسے ڈرامے نشر ہونا شروع ہوئے جہاں اسرائیل کے ساتھ 'بزنس' کی باتیں چلیں۔ ابنِ سلمان نے سعودی عرب میں نیتن یاہو کی دعوت کی۔ ابراہم اکارڈز یا براہیمی معاہدے کی طرف ایک اہم قدم بڑھایا گیا۔ چند برس قبل اس نارملائزیشن کے لیے عرب امارات اپنے ساتھ بحرین و سوڈان کو اسرائیل کی غلامی میں لایا تھا۔ تو قریباً دو سال قبل ابنِ سلمان اس منصوبے کے ساتھ اسرائیل کے پاس گیا کہ وہ بھی نارملائزیشن، قدس کی تقسیم، نام نہاد دو ریاستی حل کے ڈھونگ کو ماننے کو تیار ہے اور وہ اکیلا نہیں آئے گا، اس کی نجد کے صحرا میں ایک مضبوط 'اسلامی' ملک کی اہم شخصیت سے ملاقات ہو چکی ہے، اور یہ اہم اسلامی ملک بھی ساتھ ہی اس براہیمی معاہدے کا حصہ بنے گا۔

ابنِ سلمان سے صحرائے نجد میں دو سال قبل عاصم منیر کی ملاقات ہوئی تھی، اس ’سیّد‘ کو بھی شریفِ مکہ ’سیّد‘ حسین جیسا آلِ رسولؐ سے ہونے کا دعویٰ ہے اور اس کا آج کا عمل بھی کل کے شریفِ مکہ جیسا ہی ہے۔ یہ سب اقدامات مثبت جانب بڑھ رہے تھے کہ القدس کے محافظ قسامی مجاہدین نے تاریخ کا دھارا موڑ تا معرکہ، طوفان الاقصیٰ، سات اکتوبر ۲۰۲۳ء کی ایک بابرکت صبح کو ساعاتِ فجر میں برپا کر دیا۔

طوفان الاقصیٰ نے کفر، خصوصاً صہیون کے منصوبوں اور مفادات کو جوناکوں چنے چبوائے سو چبوائے، ہوا میں پیراشوٹوں سے لٹک لٹک کر صہیون کے بیٹوں اور بیٹیوں کے کلیجوں میں جو نبیٔ برحقؐ کی امت کا نبوی رعب ڈالا سو ڈالا، ایک عظیم کارنامہ یہ مجاہدینِ حق یہ بھی سرانجام دے گئے کہ براہیمی معاہدے کے سبھی منصوبوں کو سالوں پیچھے دھکیل گئے۔ براہیمی معاہدے کے چیتھڑے جب فضا میں یہودِ نامسعود کی لاشوں کے ساتھ بکھرے تو عرب و عجم کے منافقوں کی چیخیں سننے کے قابل تھیں۔ اسرائیل کا پشت پناہ امریکہ جس قدر بھی مضبوط ہو جائے اس قدر قدرت و دلیری نہیں رکھتا کہ وہ نارملائزیشن کے ان چند اقدامات سے پہلے قدس پر مکمل قبضہ اور پھر گریٹر اسرائیل کو قائم کر دے۔ قرطبہ تا مرشد آباد و سرنگاپٹم، کافروں کو ایسے منافق کرداروں کی ضرورت ہوتی ہے جو اندر سے مسلمانوں کی صفوں کو کھوکھلا کریں۔

دوسری طرف دجّال و پیروکارانِ دجّال قدس پر جلد از جلد قبضے کے خواہاں ہیں۔ ایک طرف طوفان الاقصیٰ کا عالمی معرکہ برپا ہے جو صرف غزہ و جوارِ قدس میں نہیں فلپین تا فلسطین لڑا جا رہا ہے، ترکستان تا صحرائے اعظم۔

یہی منظر نامہ ہے جس میں عاصم منیر کو امریکہ میں ٹرمپ اپنی میز پر کھانے کے لیے مدعو کرتا ہے۔ دورانِ لنچ کیا گفتگو ہوئی، اصل احوال تو اس میز پر کھانا کھانے والے امریکی اور امریکیوں کے فرنٹ لائن اتحادی ہی جانتے ہیں، لیکن باہر بیٹھے لوگ اس لنچ کے بعد ہونے والے واقعات سے بخوبی واقف ہیں کہ کیا سمت وہاں متعین ہوئی تھی۔ خواجہ آصف سے رانا ثناء اللّٰہ تک جیسے لوگوں کے منہ سے نکلتے جھاگ اور بیانات عکاس ہیں کہ عاصم منیر (جس کے روحانی اجداد جرنیل کشمیر کا سودا کرنے والے تھے) نے قدس کا سودا براہیمی معاہدے میں حصہ ڈالنے کے لیے منظور کر لیا ہے۔ عالمِ اسلام کا کوئی اہم ملک اب نہیں بچا کہ جو اس براہیمی معاہدے کا حصہ خفیہ یا اعلانیہ طور پر نہ ہو۔

یوں تو ویسے بھی اسرائیل امریکہ اور امریکہ اسرائیل کا ہم معنیٰ نام و عنوان و طاقت ہے۔ غزہ میں ہزاروں ٹن آہن و بارود برسانے والے امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی ہونا ایک سادے سے مساویے (equation) کے تحت اسرائیل کا حامی و فرنٹ لائن اتحادی ہونا ہے، لیکن براہِ راست اسرائیل سے سازباز، یہ تو اسفل درجے کا عمل ہے۔ امریکی ڈیپ سٹیٹ کی خدمت سے پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی نمک خواری تک کرنے والے کچھ لوگوں کا ٹی وی پر آ کر یہ ماحول بنانا کہ فلسطین تو مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے، کوئی سادہ بات نہیں ہے۔ یہ کٹھ پتلیاں ہیں جو آقا کے حکم کے مطابق خفیہ پالیسیوں کے لیے ماحول سازی کی خدمت سرانجام دیا کرتی ہیں۔

یہاں اسی دھرتی پر پرویز مشرف جیسا ایسا جرنیل گزرا ہے جس نے ”Need to know basis“ کے فلسفے پر گوادر کی بندرگار، شمسی و جیکب آباد کے ہوائی اڈے امریکیوں کو رہن رکھوا دیے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی[1]۔ جنرل عاصم منیر، پرویز مشرف سے زیادہ مکار اور کایاں شخص ہے، جو سودا ٹرمپ کے ’حلال مینیو والے لنچ ٹیبل‘ پر یہ مُکا کر آیا ہے، اس کا ایک چہرہ تو وہ ہے جو خواجہ آصف و رانا ثناء اللّٰہ کی زبانوں اور ٹرمپ کے لیے امن کے نوبل انعام کی تجویز کی صورت میں ظاہر ہے اور جو ڈیل یہ پسِ پردہ کر کے آیا ہے وہ ’قدس شریف‘ کا سودا ہے، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی جائے معراج کا سودا ہے۔ یہی وہ سودا ہے جس کے نتیجے میں ’مینوں نوٹ وِکھا‘ اور ’میری خدمات ویکھ‘ اور پھر وزیرستان کے مسلمانوں کے

---

[1] بحوالہ شہید مجاہد فی سبیل اللّٰہ جنرل شاہد عزیز رحمہ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً (یہ خاموشی کہاں تک ؟)

خلاف ایک نیا آپریشن آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ہو گا۔ برِّ صغیر میں لشکرِ مہدی علیہ الرضوان کو منظم کرنے کی کوششوں کے خلاف کام ہو گا اور یہ یقینی بنایا جائے گا کہ کوئی پاکستانی کلمہ گو نصرتِ قدس کے لیے ہجرت و جہاد تو دور کی بات ہے سوشل میڈیا پر چند حروف بھی نہ لکھ پائے۔ آرویلین (Orwellian) 'پولیس سٹیٹ' میں یہ 'پیکا' قانون، اجتماعی نگرانی (Mass Surveillance) کے ذریعے نوجوانوں کو اٹھائے گا، عفیفات کے گھروں میں گھسے گا۔ لیکن یہ دعوت و جہاد کا کاروان تو نہ رکنے پائے گا، لوحِ ازل میں یہی درج ہے!

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پچھلے سو سال کے مسلمان حکمرانوں کے افعال و اعمال، ان کے غدر و خیانت، دھوکے اور دغابازیوں کی داستان اور ان کے نفاق پر سے نقاب تو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سرک رہا ہے۔ سوال بس راقم و قاری کے لیے وہی رہ جاتا ہے کہ ہم اور آپ اس جنگ میں کہاں کھڑے ہیں؟

غزہ کی نصرت میں حائل خائنوں سے نمٹنے کی پکار ہے، ایک طرف غزہ کے مظلومین ہیں تو دوسری طرف وقت کے عظیم ترین خائن، عاصم منیر، ابنِ سلمان، ابنِ زاید، تمیم، شاہ عبد اللہ، اردگان، سیسی اور ان کی قبیل ہے۔ چودہ صدیوں پہلے کے کربلا میں بھی بھوک اور پیاس کے ساتھ خانوادۂ رسول (علیہ وعلی آلہ وصحبہ ألف صلاۃ وسلام) کا قتلِ عام تھا اور آج کے کربلا، غزہ میں بھوک اور پیاس کے ساتھ امتِ رسول (علیہ وعلی امتہ ألف صلاۃ وسلام) کا قتلِ عام جاری ہے۔

جنگ میں ترجیحات بہت ضروری و اہم ہیں۔ سب سے بڑے دشمن اسرائیل اور اس کے پشت پناہ امریکہ کو جہاں جہاں ضرب لگائی جا سکے تو للکار و تلوار سے لگائی جائے، یہی ہدفِ اولین ہے پھر جہاں جہاں اسرائیل و امریکہ سے براہیمی معاہدہ کرنے والے، اہالیانِ غزہ کی نصرت سے ہمیں روکیں تو ان کے سامنے بھی مثلِ حسین ابنِ علی و مثلِ عبد اللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہم ڈٹنے کی ضرورت ہے۔ وہی پکار ہے، وہی معرکہ ہے، وہی دشت و بلا ہے، ویسی ہی اخروی کامیابیوں اور ناکامیوں کے دفتر کھولے صفحاتِ تاریخ ہمارے اور آپ کے منتظر ہیں۔ ایک طرف شریفِ مکہ حسین ابنِ علی کی 'سنت' ہے، خلافت و تحریکِ خلافت ریشمی رومال سے دغا ہے، دھوکہ ہے، خیانت ہے، طاغوت سے دوستی و ولاء ہے، تو دوسری طرف ایسے خائنوں کے مقابل حسینؓ ابنِ علیؓ کی سنت ہے اور ہم نواسۂ رسولؐ ہی کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں، چاہے قافلہ لٹ جائے، آل و اولاد قتل ہو جائے اور پاک دامن بیبیاں بے ردا ہو جائیں، لیکن سنت و شریعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آئے!

ہم راہ روِ دشتِ بلا روزِ ازل سے
اور قافلہ سالار حسینؓ ابنِ علیؓ ہے!

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

♦♦♦♦♦

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں، اور نہ ٹوہ میں رہو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں کسی کو اچھا لگے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم گھن کروگے ہی، اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرماتا ہے، رحم فرماتا ہے۔“

سماج کی تین بیماریاں

مریض سماج کی فکر

سماج کے سدھار کے لیے آج جگہ جگہ پروگرام ترتیب دیے جارہے ہیں، کارنر میٹنگوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہ ایک قابل ستائش اقدام ہے، اصلاح معاشرہ کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے، ان کے پاس اس کا پورا لائحۂ عمل موجود ہے، ان کی اس سلسلہ کی تمام کوششیں ضروری ہیں اور قابل تعریف ہیں، لیکن ان کوششوں کے جو مثبت نتائج سامنے آنے چاہئیں، بڑی حد تک وہ نتائج سامنے نہیں آتے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اندر سے جو روگ سماج کو لگ گئے ہیں ان کے علاج کی فکر کم سے کم کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ کوششیں نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں۔

معاشرہ افراد سے وجود میں آتا ہے، اس کی اصلاح افراد کے صلاح سے وابستہ ہے، لوگوں میں اگر کوئی متعدی مرض پیدا ہو جائے تو وہ پورے معاشرہ کو متعفن کر دیتا ہے، بعض مرتبہ ایک فرد کی بیماری پورے معاشرہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے، اس لیے اصلاح معاشرہ کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ معاشرہ کا ایک ایک فرد اپنا جائزہ لے اور کم سے کم وہ بیماریاں جن کے اثرات دوسرں پر بھی پڑتے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، ان میں تین بنیادی امراض ہیں جن سے پورا معاشرہ کرپٹ ہو رہا ہے، سورۃ الحجرات کی بارہویں آیت میں بطور خاص ان تینوں کو بیان کیا گیا ہے۔

گیارہویں آیت میں ان تین بیماریوں کا ذکر تھا جن کی تشخیص آسان تھی، ان کو آسانی سے گرفت میں لایا جاسکتا تھا، اور اس آیت میں جن تین بیماریوں کا ذکر ہے وہ اندر کی بیماریاں ہیں، بعض مرتبہ ان کا احساس بھی مشکل ہوتا ہے اور ان کے علاج میں بھی دشواری پیش آتی ہے، اس لیے ان کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے تاکہ یہ روگ جو معاشرہ کو لگ چکا ہے وہ زیادہ بڑھنے نہ پائے اور کسی ایسے خطرناک مرض کی شکل نہ اختیار کرلے جو لا علاج ہو جائے۔

بدگمانی

ان تین مہلک بیماریوں میں پہلا مرض ”بدگمانی“ ہے، ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

”اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔“

یہ بات انسان کی نفسیات میں داخل ہے کہ وہ عام طور پر جلدی بدگمان ہو جاتا ہے، برے خیالات اس کو گھیر لیتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا اس کے لیے قدرے مشکل ہوتا ہے، آیت شریفہ میں اسی لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اکثر گمان سے بچو پھر اس کی وجہ بیان فرمادی کہ بعض گمان گناہ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا آدمی کے لیے عام طور پر نقصان دہ نہیں ہوتا لیکن بدگمانی کے اثرات بعض مرتبہ بہت ہی سخت ہوتے ہیں اسی لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں معلومات پوری طرح نہ ہوں تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھے، کسی برے شخص کے بارے میں اگر اچھا گمان ہے تو قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تو نے برے کو اچھا کیوں سمجھا لیکن اگر کسی اچھے شخص کے بارے میں برا گمان ہے تو قیامت میں اس کی گرفت ہوگی، تاہم اچھا گمان رکھنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس سے معاملات شروع کردے۔

تحقیق کی ضرورت

اگر اچھے گمان کے نتیجہ میں اس سے معاملہ کیا اور وہ فی نفسہٖ اچھا انسان نہ ہو تو معاملہ کرنے والا دھوکہ کھا سکتا ہے، دھوکہ دینا تو بدترین گناہ ہے ہی، دھوکہ کھانا بھی فراستِ ایمانی کے منافی ہے، حدیث میں آتا ہے:

لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين[1]

[1] صحيح بخارى، باب لا يلدغ المؤمن من جحر، مسلم، باب لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين

”مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔“

اگر ایک مرتبہ دھوکہ ہو بھی جائے تو دوسری مرتبہ وہ دھوکہ نہیں کھاتا، اسی طرح اگر کسی سے دینی مسائل میں استفادہ کرنا ہے تو بھی بہتر یہی ہے کہ اس کے بارے میں اچھی طرح سے معلومات حاصل کر لی جائیں اور اچھی طرح پرکھ لیا جائے، قرونِ اولیٰ میں یہ مقولہ لوگوں کی زبان پر تھا:

إن ہذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم۔[2]

”یہ علم دین ہے تو اچھی طرح دیکھ لو کہ تم دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔“

کسی سے اگر معاملہ کرنا ہو، وہ معاملہ دنیوی ہو یا دینی اس سے فوراً خوش اعتقاد ہو جانا اور بغیر تحقیق کے اچھا گمان کر کے معاملہ کر لینا بھی دینی مزاج کے خلاف ہے اور بعض مرتبہ اس کے بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، اس لیے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے لیکن اگر کسی قسم کا لین دین کرنا ہو یا دین حاصل کرنا ہو تو جب تک اچھی طرح تحقیق نہ کر لی جائے اس وقت تک معاملہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی دوسرے کے سامنے اس کی گواہی دی جائے تاکہ کوئی دوسرا بھی دھوکہ میں نہ پڑے، کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے کسی کی تعریف کی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تم یہ بات یقینی طور پر کیسے کہہ رہے ہو، کیا تمہیں اس سے کسی لین دین کا سابقہ پڑا ہے یا تم نے اس کے ساتھ طویل عرصہ گزارا ہے؟[3] بغیر اس کے تم کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہو!

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ دو باتیں الگ الگ ہیں، اچھا گمان کرنا الگ بات ہے لیکن اس کی بنا پر معاملہ کر لینا الگ بات ہے، جب تک برائی کا علم یقینی طور پر نہ ہو جائے اس وقت تک اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے، لیکن بغیر تحقیق کے معاملہ کر لینے میں نقصان کے خطرات ہیں۔ امام ابوداودؒ، حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسن الظن من حسن العبادة۔[4]

”اچھا گمان کرنا اچھی عبادت میں سے ہے۔“

بدگمانی کے نقصانات

اگر ناحق بدگمانی کی ہے تو یہ اس کے حق میں وبال ہے، اور اس کے بارے میں سخت سے سخت روایات وارد ہیں، اس کے نقصانات دنیا میں بھی بہت ہیں، بعض مرتبہ بدگمانی کی بنا پر انسان بہت کچھ خیر سے محروم رہتا ہے، عالم کو جاہل سمجھ رہا ہے تو اس کے علم سے محروم ہو گا، کوئی ایسا شخص جو اس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اس کو صحیح راستہ بتا سکتا ہے اس کو وہ گمراہ سمجھ رہا ہے اور بغیر تحقیق کے اس سے بدگمانی کا شکار ہے تو وہ اس کی رہنمائی سے محروم رہے گا، کوئی بھی اس کو نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا خیر خواہ ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بدگمان ہے تو اس کے ہر طرح کے فائدے سے دور رہے گا۔

بدگمانی کی مذکورہ بالا شکلیں تو وہ ہیں کہ جن کا نقصان انفرادی طور پر خود بدگمانی کرنے والے کو ہو رہا ہے، لیکن عام طور پر بدگمانی کرنے والا اقدام اور انتقام پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس کے نتائج پورے معاشرہ کو بھگتنے پڑتے ہیں، بدگمانی کی جو بھی نوعیت ہو اس کے اعتبار سے بدگمانی کرنے والا آگے بڑھتا ہے، اور بات قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے، اس میں عام طور پر غلط فہمیوں کو دخل ہوتا ہے، آدمی کسی کے بارے میں کوئی بات سن کر یا کچھ دیکھ کر ایک رائے قائم کر لیتا ہے، اس کے بعد بات بڑھتے بڑھتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اس مرض کے نقصانات محدود نہیں رہتے عام طور پر متعدی ہوتے ہیں، اسی لیے اس کی سخت نکیر کی گئی ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں میں خیر کا پہلو تلاش کیا جائے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر تمہارا مومن بھائی کوئی بات کہتا ہے اور اس کو خیر پر محمول کیا جا سکتا ہے تو تم برا خیال مت لاؤ اور اس کو خیر ہی پر محمول کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دسیوں حدیثیں منقول ہیں جن میں بدگمانی سے روکا گیا ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث[5]

”بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔“

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو خطاب کر کے فرمایا:

”تو کیا خوب ہے اور تیری خوشبو بھی کیسی پاکیزہ تر ہے، تو کیسا عظیم ہے اور تیری حرمت کیسی عظیم تر ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی

[2] صحیح مسلم، باب فی أن الاسناد من الدین

[3] سبل السلام، باب شہادة البدوی، جامع الاحادیث للسیوطی، کنز العمال

[4] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الظن، مسند احمد

[5] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب لا یخطب علی خطبة أخیه، صحیح مسلم، باب تحریم الظن

جان ہے، ایک مومن کی حرمت تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کا خون اور اس کا مال، اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا ہی گمان کیا جائے۔‘‘[6]

بدگمانی کا علاج

اگر کسی کے بارے میں برے خیالات پیدا ہوں اور بد گمانی کی صورت پیدا ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج بھی ایک حدیث میں تجویز فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

’’تین چیزیں میری امت کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتیں، فال، حسد اور بد گمانی۔‘‘ سوال کیا گیا کہ ان کے برے نتائج سے کیسے حفاظت ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر حسد پیدا ہو جائے تو اللہ سے استغفار کرو، اگر بد گمانی پیدا ہو تو عمل اس کے مطابق نہ کرو (اور اس کو ذہن سے نکال دو)، اگر فال ہو تو بھی فال بد کی وجہ سے عمل ترک مت کرو۔‘‘[7]

کسی کے بارے میں محض خیالات کا آجانا قابل مواخذہ نہیں ہے، ایک حدیث میں آتا ہے:

إن اللہ تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدورہا ما لم تعمل أو تکلم[8]

’’اللہ تعالیٰ نے میری امت کے وسوسوں کو معاف کر دیا جب تک وہ وسوسوں کی حد تک رہیں اور ان کو دور کیا جاتا رہے۔‘‘

اگر اس پر عمل شروع ہو گیا اور گفتگو کی جانے لگی اور ذہن میں وہ چیز بیٹھنے لگی تو اس پر مواخذہ ہوگا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ اگر برے گمان پیدا ہونے لگیں تو ان کو باقی نہ رکھا جائے۔

حسن ظن

یہ مرض عام طور پر ہم مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ دوسروں کے معائب پر نگاہ رہتی ہے اور ذرا سی بات بھی بہت بڑی نظر آتی ہے، یہ مثل پوری طرح ہم پر صادق آتی ہے کہ اپنی آنکھوں کے شہتیر نظر نہیں آتے لیکن دوسروں کی نگاہوں کے تنکے نظر آجاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ کسی کا ذکر آیا تو بعض لوگوں نے جو واقفیت رکھنے والے تھے ان کے بارے میں کہا کہ وہ بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے‘‘۔[9] بڑے گناہوں کے پائے جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ایک نیکی کا ذکر فرمایا اور یہ سبق دے دیا کہ مجلسوں میں اس طرح اگر کسی کا ذکر آئے تو ذکرِ خیر ہی بہتر ہے، بعض مرتبہ ایک نیکی اللہ کی بارگاہ میں ایسی قبول ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، بد گمانی کرنے والے کے اندر عام طور پر اپنی بڑائی کا احساس بھی پیدا ہونے لگتا ہے اور یہ چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، مسئلہ صرف بد گمانی ہی کا نہیں بلکہ اگر کسی کے اندر خرابی موجود ہے اور اس کی نکیر کرنی ہے تو بھی اگر ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس میں اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہو، تو اللہ کی ذات بہت غنی ہے معاملہ بالکل الٹ سکتا ہے۔ ایک حدیث میں دو دوستوں کا واقعہ بیان ہوا ہے، ان میں سے ایک متقی پرہیزگار تھا دوسرا برائیوں میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا، اس کا نیک دوست اس کو سمجھاتا رہتا تھا مگر اس سے برائیاں چھوٹتی نہ تھیں، ایک دن غصہ میں آکر اس کا نیک دوست کہنے لگا تو جنت میں کبھی نہیں جا سکتا، تیرا ٹھکانہ تو جہنم ہی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تو کون ہوتا ہے اس کو جنت سے روکنے والا، میں تجھے جہنم میں بھیج دوں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا۔[10]

یہ تو ایک واقعہ تھا مسئلہ صرف بد گمانی کا تھا، اس پر اتنی سخت پکڑ ہو گئی، اگر صرف بد گمانی کی بنا پر کسی کو ذلیل اور کمتر سمجھا گیا اور اپنے قول و فعل سے اس کا اظہار بھی کیا گیا تو کیسے سخت گناہ کی بات ہے، اور پھر جب اس کے بدترین نتائج معاشرہ کے سامنے آئیں گے تو معاشرہ کیسا کرپٹ ہوتا چلا جائے گا یہ ہر تجزیہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے۔

تین بیماریوں میں سے یہ وہ پہلی بدترین بیماری ہے جو ایک روگ کی طرح امت کو لگ گئی ہے، امت کی وحدت کو یہ گھن کی طرح چاٹتی چلی جا رہی ہے، آیت شریفہ میں اس کے بعد جن دو بیماریوں کا ذکر ہے وہ بھی اکثر و بیشتر اسی پہلی بیماری کے نتیجہ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تجسس

دوسری بیماری جس کا آیت شریفہ میں ذکر ہے وہ تجسس ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَّلَا تَجَسَّسُوْا

’’اور نہ ٹوہ میں رہو۔‘‘

آدمی جب کسی سے بد گمان ہوتا ہے تو اس کی ٹوہ میں پڑتا ہے، اس کی نقل و حرکت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس کے پیچھے وہ اپنے جاسوس لگا دیتا ہے، اور پھر اس کی اچھائیاں بھی اس کو برائیوں کی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں، جاسوس، تجسس ہی سے بنا ہے، بڑے پیمانہ پر جب یہ کام ہوتا ہے

---

[6] ابن ماجه، كتاب الفتن، باب حرمة دم المومن و ماله

[7] جامع الاحاديث للسيوطی، مصنف عبدالرزاق، بیہقی فی شعب الایمان

[8] صحيح بخاری، كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان، نسائی، باب من طلق فی نفسہٖ

[9] صحيح بخاری، كتاب الحدود، باب ما يكره من لعن شارب الخمر

[10] بیہقی، شعب الايمان، فصل فيما ورد من الاخبار فی التشديد على من اقترض

تو جاسوسی کا پورا نظام شروع ہو جاتا ہے، کسی ایمان والے فرد یا جماعت کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے ایمانی بھائیوں کے عیوب تلاش کرے، عیوب ہر ایک کے اندر ہوتے ہیں، کسی کے اندر معمولی اور کسی کے اندر زیادہ، اسلامی حکم یہ ہے کہ آدمی عیوب سے چشم پوشی کرے اور بھلائیوں سے فائدہ اٹھائے، ہاں ان لوگوں کے لیے جو خدا کے باغی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں، ان کے مکائد سے مطلع ہونے کے لیے جاسوسی کرنا یا کرانا جنگی حکمت عملی ہے تاکہ ان کی کمزوریوں سے واقف ہو کر ان پر قابو پایا جاسکے، اور دنیا کو ان کے شر سے بچایا جاسکے۔

ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، عبادت گزار اور شب بیدار ہو یا گناہ گار، وہ ایک دوسرے کی کرید میں نہیں پڑتے، ہر ایک کے لیے خیر خواہی کرنا ان کا مزاج ہوگا، یہ امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے، وہ کسی کو نیچا دکھانے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے، دوسروں کے لیے وہ وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں، وہ دوسروں کی برائیاں تلاش نہیں کرتے اور اگر کوئی برائی سامنے آجاتی ہے تو اس کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کسی کی تحقیر و تذلیل کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا، مشہور حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے افراد کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

إيا كم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخوانا۔[11]

”بدگمانی سے بچو، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، نہ تجسس میں پڑو، نہ ٹوہ میں لگو اور نہ (دنیا میں) منافست کرو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ بغض کرو اور نہ منھ موڑو اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إنک إن اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم۔[12]

”اگر تم لوگوں کے پوشیدہ معائب کے پیچھے پڑوگے تو ان کو بگاڑ ہی دوگے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دوگے۔“

ایک دوسری حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إن الأمير إذا ابتغى الريبة فى الناس أفسدهم۔[13]

”امیر جب لوگوں میں شبہ کی باتیں تلاش کرے گا تو ان کو بگاڑ کر چھوڑے گا۔“

حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو برائیاں کھلی ہوئی ہوں ان پر نکیر کی جائے اور کھل کر ان سے روکا جائے لیکن جن برائیوں کا لوگوں کو علم نہیں ان کو کرید کرید کر عام نہ کیا جائے، اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ برائیاں پھیلنے لگتی ہیں، سماج میں بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

كل أمتى معافى إلا المجاهرين۔[14]

”میری کل امت کو معاف کیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو گناہوں کا چرچا کرتے ہیں۔“

جب حدیث میں اپنے گناہوں کو چھپانے کا حکم ہے تو دوسروں کے معائب کو اچھالنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے، اسی لیے ہر ایک کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کی ٹوہ میں رہے اور نہ اس کے اندرونی حالات کے جاننے کا چکر چلائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر من قد أسلم بلسانه ولم يغض الإيمان فى قلوبه لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم ولا تتبعوا عوراتهم فإن من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو فى جوف رحله۔[15]

”اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لے آئے ہو لیکن دلوں میں اسلام نہیں اتر سکا، مسلمانوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ، ان کو عار مت دلاؤ، اور ان کے

[11] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس ونحو، صحيح بخاری، باب ما ينهىٰ عن التحاسد

[12] ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى النهى عن التجسس

[13] ابوداؤد، باب فى النهى عن التجسس، مسند احمد

[14] صحيح بخاری، كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه، صحيح مسلم، كتاب الزہد والرقاق، باب النہی عن ہتک الانسان ستر نفسہ

[15] ترمذی، كتاب البر والصلة،باب ماجاء فی تعظيم المومن، ابوداؤد،باب فی الغيبة

عیوب کے پیچھے نہ پڑو، جو بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے عیب کے پیچھے پڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اگر کسی کے عیب کے پیچھے لگ جائے تو اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا خواہ وہ کجاوے کے اندر ہی (چھپا) کیوں نہ ہو۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تلاش میں وہی لوگ پڑتے ہیں جو دل کے مریض ہوتے ہیں، ایمان کے حقیقی نور سے ان کے دل خالی ہوتے ہیں، اللہ کو اپنے مومن بندوں سے پیار ہے، اگر کوئی ان کو ایذاء پہنچاتا ہے بے ضرورت عار دلا کر، ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے لگ کر، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو نہیں چھوڑتے: "الجزاء من جنس العمل" (جیسی کرنی ویسی بھرنی)، جو دوسروں کو ذلیل کرنے کی مذموم کوشش کرے گا وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر کے چھوڑیں گے۔

ایک حدیث میں ناحق کسی مسلمان کی بے آبروئی کو بدترین سود قرار دیا گیا[16]، اس کے بالکل برخلاف اگر کوئی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، اول تو عیوب کی تلاش میں نہیں رہتا اور اگر کبھی کسی کی برائی پر نگاہ پڑ بھی جاتی ہے تو وہ اس کو اچھالتا نہیں اور اس کی عزت سے کھلواڑ نہیں کرتا، تو اس کے لیے بڑے اجر کی بات ہے۔ آج وہ اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کر رہا ہے، کل قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے:

من ستر مسلماً ستره الله في الدنيا والآخرة۔[17]

"جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ ستاری فرمائیں گے۔"

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

من رأى عورة فسترها كان كمن أحيا موؤدة۔[18]

"اگر کسی کی نگاہ کسی کے پوشیدہ عیب پر پڑ گئی اور اس نے اس کو چھپالیا، اس نے (گویا) زندہ درگور لڑکی کو زندگی بخشی۔"

حدیث میں بڑی حکیمانہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کسی کی برائی اچھال دی گئی تو اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ مرد یا عورت کسی قابل نہیں رہ جائے گی، گویا کہ اس کی جان ہی نکال لی گئی، دوسرا اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر ان کے اندر مزید برائیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ سوچتے ہیں کہ جب ایک تہمت لگ ہی گئی تو اب کس کا ڈر، عرف اور معاشرہ کا دباؤ بھی بڑی چیز ہے، جب یہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی آدمی برائیوں کا پیکر بن جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ایک ناسور وجود میں آ جاتا ہے، اب اگر کوئی ایسی برائی دیکھ کر اس پر پردہ ڈال رہا ہے تو گویا وہ اس برائی کرنے والے کو ایک نئی زندگی دے رہا ہے اور اس کو سنبھلنے کا دوبارہ موقع مل رہا ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ گویا اس نے زندہ درگور کو زندگی دی۔

ہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ برائیوں کو دیکھ کر ان کی پردہ پوشی کرنا اور لوگوں سے ان کو چھپانا الگ بات ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے، اور جو ہو رہا ہے اس کو ہونے دیا جائے، حدیث میں صاف آتا ہے:

من رأى منكم منكرا فلغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان۔[19]

"تم میں جو منکر دیکھے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر یہ بس میں نہ ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے، یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون على أن يغيروا عليه فلا يغيروا إلا أصابهم الله بعذاب من قبل أن يموتوا۔[20]

"ایک شخص بھی اگر کسی قوم میں رہ کر معصیتیں کرتا ہے اور لوگ اس کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہیں روکتے تو وہ سب مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔"

بخاری شریف کی ایک حدیث میں اس کی بہت واضح مثال پیش کی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ نمبر 74 پر)

[16] ابوداؤد، باب فی الغیبة، مسند احمد، بیہقی فی شعب الایمان، فصل فیما ورد من الاخبار فی التشدید علی من اقترض

[17] ابن ماجه، كتاب الحدود، باب الستر على المومن ودفع الحدود بالشبهات، مسند احمد

[18] ابوداؤد، كتاب الادب، باب فی الستر عن المسلم، مسند احمد

[19] صحیح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهی عن المنكر من الايمان، ابوداؤد، كتاب الملاحم، باب الامر والنهی، ترمذی، كتاب الفتن، باب ماجاء فی تغيير المنكر

[20] ابوداؤد، كتاب الملاحم، باب الامر والنهی، مسند احمد

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

زیر نظر تحریر شیخ منصور شامی (محمد آل زیدان) شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ عربی مقالات کا اردو ترجمہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محرم ۱۴۳۱ھ میں وزیرستان میں شہید ہوئے۔ یہ مقالات مجلہ 'طلائع خراسان' میں قسط وار چھپے اور بعد ازاں مذکورہ مجلّے کی جانب سے محرم ۱۴۳۲ھ میں کتابی شکل میں نشر ہوئے۔ ترجمے میں استفادہ اور ترجمانی کا ملا جلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مترجم کی طرف سے اضافہ کردہ باتوں کو چوکور قوسین [] میں بند کیا گیا ہے۔ (مترجم)

غزوۂ حمراء الاسد

تمہید

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۷۲-۱۷۵)

”وہ لوگ جنھوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرمان برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انھیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔“

ان آیات کا مصداق وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جنہیں اُحد کے جاں گُسل معرکے کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور معرکے کی طرف بلایا، اس حال میں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زخموں سے چُور تھے، حالیہ جنگ میں موت کے منہ سے بمشکل بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے، ابھی اس دھچکے کے اثرات سے بھی پوری طرح نہیں نکلے تھے، اپنے پیاروں کو اس جنگ میں کھونے کا غم بھی تازہ تھا، شہادتوں کی وجہ سے تعداد میں بھی کمی آئی تھی، بدن پر آنے والے زخم اس پر مستزاد تھے۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی حضرات کو سفرِ جنگ کا حکم دیا کہ صرف یہی شرکائے اُحد نکلیں، جو اس معرکے میں شریک نہ ہو سکے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت نہیں، حالانکہ دیگر حضرات کو ساتھ لے چلنے کا بھی ایک معقول سبب موجود تھا کہ شہادتوں کی کثرت کی وجہ سے تعداد میں نمایاں کمی آئی تھی، لیکن قربان جایئے حضرات صحابہ کرام کے شوقِ شہادت پر کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر فوراً لبیک کہا، کیونکہ یہ پکار تو درحقیقت اللہ کی پکار تھی، جیسا کہ قرآن کریم کی متذکرہ بالا آیات میں گزرا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سمجھتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار اللہ جل جلالہ کا مطالبہ ہے۔ لہٰذا وہ تکلیفوں، نقصانات اور زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔“[1]

[عشق میں اُن کے کوہِ غم سر پر لیا، جو ہو سو ہو
عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا، جو ہو سو ہو]

یہ آیاتِ کریمہ غزوۂ حمراء الاسد کے پس منظر میں نازل ہوئیں اور آج کی نشست میں ہم اسی پر بات کریں گے، ان شاء اللہ۔ یہ غزوہ بھی بلاشبہ دُروس و بصائر سے پُر غزوہ ہے، جس کی بڑی دلیل مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ ہیں۔

غزوے کے اسباب

غزوۂ اُحد میں آخری وقت میں مسلمانوں کو جو زک پہنچی تو اس کی وجہ سے مشرکین بھاگ جانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ یہ اچھا کام نہیں کیا کہ ان مسلمانوں پر اتنی کاری ضرب لگا کر ان کی قوت توڑنے کے بعد انہیں یونہی جانے دیا اور ان کا خاتمہ نہیں کیا،

[1] فی ظلال القرآن

حالانکہ مسلمانوں کے بڑے باقی ہیں اور وہ دوبارہ تمہارے خلاف لشکر جمع کر لیں گے، لہٰذا چل کر ان کا قلع قمع کر دیتے ہیں، ویسے بھی وہ زخموں سے چُور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تک مشرکین کی اس بات کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے عام اعلان کروا کے لوگوں کو دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”ہمارے ساتھ بس وہ شخص اس سفر میں ساتھ نکلے جس نے جنگ میں بھی شرکت کی ہو“، تمام تکالیف اور خطرات کے باوجود تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور سرِ تسلیم خم کیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ دشمن پر رُعب ڈالنے کی خاطر نکلے تھے، کہ ان کے تعاقب کرنے کی خبر جب دشمن تک پہنچے تو انہیں لگے ابھی مسلمانوں کے پاس قوت ہے اور اس زک نے انہیں اتنا کمزور نہیں کیا کہ وہ دشمن کا سامنا نہ کر سکیں۔“

اللہ و رسول ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں تکالیف کی پروا نہ کرنے والے

دیگر جنگوں کی طرح اس جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے آپ کی جنگی قائدانہ صلاحیتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو نکلنے کا کہا اور پہلے نکلنے والے آپ خود تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخموں سے چُور تھے، لیکن ان کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والاصفات ایک نمونہ تھی کہ آپ ﷺ بھی اس حال میں نکلے کہ روئے انور، پیشانی مبارک اور دندانِ اقدس مجروح تھے، نچلے ہونٹ پر بھی اندر کی جانب زخم آیا، ابن قمئہ بدبخت کے وار سے دایاں شانہ مبارک متاثر تھا، دونوں زانو شریف پر بھی گہری خراشیں آئیں تھی۔

ہر قائد کے لیے لازم ہے کہ ساتھیوں کو جس کام کا کہے خود بھی اس کو کر کے دِکھائے، تاکہ ساتھی آگے بڑھ کر وہ کام کریں اور سخت و مشکل حالات میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی گہرے گھاؤ اور بہتے لہو کے باوجود تعمیلِ فرمان کی زریں مثالیں رقم کر دیں۔

ایک صحابی فرماتے ہیں:

”میں اور میرا بھائی ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور زخمی ہو گئے، پھر جب معرکہ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے منادی نے دشمن کا پیچھا کرنے کے حکم کا اعلان کیا تو میں نے اپنے بھائی سے کہا (یا پھر اُس نے مجھ سے کہا): کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک اور غزوے میں شرکت کی سعادت سے محروم رہیں؟ اللہ کی قسم! ہمارے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں تھا اور ہمارے زخم ایسے تھے کہ پیدل چلنا ہمارے لیے مشکل تھا، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، میرے زخم نسبتاً ہلکے تھے، لہٰذا جب میرا بھائی چل کر نڈھال ہو جاتا تو میں اسے لاد کر لے چلتا۔ یہاں تک کہ ہم وہاں تک پہنچے جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔“

جب یہ اعلان ہوا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے، حالت یہ تھی کہ بنو عبد الاشہل کے اکثر بلکہ سارے لوگ زخمی تھے، آپ نے آکر رسول اللہ ﷺ کا حکم سنایا، آپ فرماتے ہیں کہ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر سات زخم لگے تھے اور وہ ان کی مرہم پٹی کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، لیکن حکم سنتے ہی مرہم پٹی کا سامان چھوڑ کر اٹھے اور 'اللہ و رسول کا حکم ہم نے سنا اور مانا' کہتے ہوئے اپنے ہتھیاروں کی طرف لپک کر انہیں اٹھا لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو ساعدہ کے پاس گئے اور انہیں نکلنے کا کہا، تو یہ بھی اسلحہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ خُربیٰ والوں کے پاس گئے، وہ بھی اپنے زخموں کی مرہم پٹی چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں لگ گئے، بنو سلمہ کے چالیس زخمی اس غزوے میں نکلے۔

دلوں کے زخم

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں پر آنے والی آزمائش صرف جسم کے زخموں تک محدود نہیں تھی، بلکہ فتح حاصل کرنے کے بعد ان پر جو آزمائش آئی تھی اس سے ان کے دل بھی چھلنی ہو گئے تھے، دل کے زخم جسم کے زخموں سے زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں، جسم کے زخم تو وقت گزرنے کے ساتھ بھر جاتے ہیں، لیکن دل کے زخموں کا بر وقت علاج نہ کیا جائے تو پھر یہ ہرے ہی رہتے ہیں۔

پھر جب دل زخمی ہونے کا معاملہ فرد کی سطح کا نہیں، بلکہ امت کی سطح کا ہو تو اس مسئلے کی حساسیت اور سنگینی بڑھ جاتی ہے، یہ زخم محض زخم نہیں رہتے، بلکہ موت کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں، دنیا میں بھی اصل زندگی تو دل کے زندہ ہونے سے ہے نہ کہ محض جسم کے زندہ رہنے سے، اصل موت بھی دل کی موت ہے نہ کہ جسم کا مرنا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے ان دلی زخموں پر مرہم رکھنے [اور حوصلوں کی بلندی کے لیے] فوراً اس غزوے میں نکلنے کا اعلان کیا۔

جو قوم بھی دوا کے درد اور علاج کی تکلیف کے خوف سے اپنے زخموں اور ٹوٹے حوصلوں کی شفایابی کا اہتمام نہیں کرتی وہ علاج کی تکلیف سے بدر جہا بڑی تکلیفیں سہنے پر مجبور ہوتی ہے، اس کے زخم اس کوتاہی کی وجہ سے ناقابلِ علاج ناسور بن جاتے ہیں، مجروح اعضاء بھی گل سڑ کر

جسم سے کٹ جاتے ہیں اور اس قوم میں شکست کے باوجود زندگی کی جو رمق باقی تھی، وہ بھی جاتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ نے بھی جب پے در پے ہزیمتوں (جن میں سے اکثر سازش کا نتیجہ تھیں) کے دھچکوں کا سدِباب اور علاج نہیں کیا تو اس پر [نبوی پیشین گوئی کے مطابق] ایسی ذلت وخواری چھاگئی کہ کئی دہائیوں [بلکہ کچھ صدیوں] سے امت مردہ ہو کر کارزارِ حیات میں اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مصلحین کے لیے اس کی اصلاح اور طبیبوں کے لیے اس کا علاج مشکل تر ہوتا جارہا ہے، کیونکہ امت کا حوصلہ پست ہو چکا ہے، ارادہ جنگ ٹوٹ چکا ہے، دشمن کا رعب کچھ اس طرح حاوی ہو گیا ہے کہ بہت سے مسلمانوں کی دانست میں ان کفار کو شکست دینا مسلمانوں کے لیے ممکن ہی نہیں، وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں کہ یہ اسی امت مسلمہ کے مجاہدین تھے جنہوں نے امریکہ اور اس کے حلیفوں کا غرور خاک میں ملا دیا، بلکہ وہ اسے محض ایک خیال وخواب سمجھتے ہیں [یا سازشی نظریے کی عینک سے اسے دیکھتے ہیں]، حتیٰ کہ بعض بڑے بڑے اہلِ علم بھی (جنہیں نبوت کی وراثت کی بنا پر سب سے زیادہ باحوصلہ ہونا چاہیے) بھی موت کے ڈر اور دنیا کی محبت کی وجہ سے جہاد کے معنی میں طرح طرح کی باطل تاویلیں کرنے لگے ہیں [فالی اللہ المشتکی]، اگر اللہ نے اپنی رحمت سے اس امت کو اس کے حوصلوں کو بلند کرنے اور زخموں پر مرہم رکھنے والے جہادی محافظ نہ عطا کیے ہوتے تو [خاکم بدہن] یہ امت کافی عرصہ پہلے ہی صفحہ ہستی سے مٹ کر ایک افسانہ بن چکی ہوتی۔

صرف جنگ کے شرکاء سے نکلنے کے مطالبے کے اسباب

سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے صرف غزوۂ اُحد کے شرکاء کے نکلنے کا اعلان کروایا، اس تخصیص میں کئی باتیں ہیں اور عظیم حقائق کی طرف اشارہ ہے، بعض کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

شاید رسول اللہ ﷺ کا منشا یہ ہو کہ جنگ کے اختتام پر مسلمانوں کا آخری احساس یہ نہ ہو کہ ہمیں زک پہنچی اور زخم لگے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں قریش کے تعاقب میں لگایا، تاکہ دلوں میں یہ بات بیٹھے کہ یہ تکلیف محض ایک آزمائش تھی، کوئی آخری اور فیصلہ کن انجام نہیں، پلہ ابھی بھی انہی کا بھاری ہے، ان کا دشمن وقتی غلبے کا باوجود کمزور و شکست خوردہ ہے، اطاعتِ رسول ﷺ میں کوتاہی کی وجہ سے یہ آزمائش آئی اور اس کوتاہی کو دور کر کے وہ دوبارہ غالب آجائیں گے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ قریش فتح کے نشے میں مست واپس نہ ہوں، سو آپ انہی شرکائے معرکہ کو لے کر ان کے تعاقب میں نکلے، تاکہ قریش کو اندازہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچاسکے اور وہ ابھی بھی اس قابل ہیں کہ ان کا پیچھا کر سکیں اور ان پر حملہ آور ہو سکیں۔

یہ بھی امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی غرض یہ ہو کہ مسلمان اور ساری دنیا زمین پر موجود ایک نئی حقیقت کو جان لے کہ اسلام وہ نظریہ ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیے سب کچھ ہے، وہ اسی کی خاطر جیتے ہیں، اس کے علاوہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، اس کی خاطر کوئی بھی قربانی دینے سے مسلمان دریغ نہیں کرتے۔

یہ بات اُس وقت روئے زمین پر ایک بالکل نئی بات تھی، اور لازم تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ باقی ساری دنیا کو بھی اس عظیم حقیقت کا پتہ چلتا۔“

انہی شرکائے جنگ کے ساتھ دشمن کا تعاقب کرنے میں اور بھی بڑی حکمتیں ہو سکتی ہیں، ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان دشمن کے مقابلے میں صبر کرنے اور تنگی و مصائب کے باوجود آگے بڑھنے میں اپنے بعد والوں کے لیے ایک زندہ مثال اور منارۂ نور بنیں۔

شاید رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو یہ سکھانا چاہتے ہوں کہ جنگ تو دراصل حوصلے کے بل بوتے پر لڑی جاتی ہے اور حقیقی شکست جسم پر آنے والے زخموں سے نہیں ہوتی بلکہ حوصلہ ٹوٹنے سے ہوتی ہے۔

ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مدینہ میں موجود مسلمانوں میں جانے سے پہلے لشکر کے حوصلے بلند ہو چکے ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آزمائش کے اثرات کی وجہ سے دیگر مسلمان کم ہمت نہ ہو جائیں، کیونکہ کم ہمتی بھی طاعون کی طرح متعدی وبائی مرض ہے۔

چوٹ کھانے کے بعد اٹھ کھڑے ہونے اور صبر کی مثالیں اس امت میں بہت ہیں اور آج بھی دہرائے جانے کے قابل ہیں، مجھے امید ہے کہ امت کو پہنچنے والی پے در پے ہزیمتوں کے بعد جن حضرات نے جہاد کو زندہ کیا وہ ان آیات کا مصداق ہیں اور ان کی مشابہت شرکائے غزوہ حمراء الاسد کے ساتھ ہے، یہی امید ان حضرات کے بارے میں بھی جنہوں نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے سقوط کے بعد جہاد کو از سرِ نو کھڑا کیا، تکلیف دہ زخم کھا کر بھی جو اہلِ وفا صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے راہِ جہاد پر مستقل گامزن ہیں ان کے بارے میں بھی مجھے اللہ سے یہی امید ہے اور اللہ جل شانہ بڑے فضل والا ہے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

موت ومابعد الموت

یومِ حشر کے دیگر نام

آج ہم ایک نیا باب شروع کریں گے جس میں ہم قیامت کے دن کے دیگر ناموں سے متعلق گفتگو کریں گے۔ یوم حشر کے بہت سے نام ہیں اور یہ اس لیے کہ یہ بہت اہم دن ہے۔ عربی زبان بلکہ دنیا کی اور بھی بہت سی زبانوں میں کسی بھی اہم چیز کو بہت سے نام دیے جاتے ہیں۔ مثلاً عربوں کے یہاں گھوڑوں کے لیے بہت سے نام ہیں، گھوڑوں کی اقسام، ان کے رنگوں کے حساب سے اور محض گھوڑے کے لیے بھی بہت سے نام ہیں۔ اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں شراب کے بہت سے نام ہیں کیونکہ وہ ان کے لیے بہت اہم ہے، جبکہ چونکہ مسلمان یہ جانتا ہے کہ شراب حرام ہے لہٰذا اس کے لیے اس حرام چیز کی اتنی اہمیت اور نام ہونا ابہام کا باعث ہے۔ البتہ جو لوگ اسے استعمال کرتے ہیں ان کے لیے یہ اہم ہے اور اسی وجہ سے اس کی بہت سی قسمیں اور بہت سے نام ہیں۔ قبل از اسلام عرب میں خمر یعنی شراب خصوصی اہمیت کی حامل تھی اس لیے اس کے اسّی نام تھے۔

یوم حشر کی اہمیت کی وجہ سے اسے بھی بہت سے نام دیے گئے ہیں اور یہ تمام نام دراصل اس دن واقع ہونے والے حالات وواقعات کی مناسبت سے ہیں۔

۱. یوم القیامة:

سب سے زیادہ استعمال ہونے والا نام قیامت ہے۔ القیامۃ، قیام سے ہے جس کا معنی کھڑے ہونا ہے۔ یوم حشر کو کھڑے ہونے والا دن اس لیے کہا جاتا ہے کہ:

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ المطففین: ٦)

”جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“

یہ وہ دن ہو گا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے کھڑے ہوئے ہوں گے، اس دن کوئی بھی لیٹا یا بیٹھا ہوا نہیں ہو گا بلکہ تمام لوگ کھڑے ہوں گے۔ قیامت کے دن، یعنی پچاس ہزار سال تک لوگ کھڑے رہیں گے۔ اسی لیے اس دن کو کھڑے ہونے کا دن کہا گیا ہے۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (سورۃ النساء: ٨٧)

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تمہیں لازماً جمع کرے گا قیامت کے دن، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہو گا؟“

پس یوم حشر کا ایک نام قیامت ہے۔

۲. یوم الآخرة:

یوم حشر کے لیے دوسرا سب سے زیادہ استعمال ہونے والا نام یوم آخرت ہے۔ الیوم الآخر کا معنی ہے آخری دن کہ جس کے بعد اور کوئی دن نہیں ہو گا۔ یہ اس دنیا میں آخری دن ہو گا۔

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ١٧٧)

”نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں۔“

پس یہ یوم آخرت ہے، آخرت جس کا معنی ہے اختتام۔

۳. الساعة:

اگلا نام الساعۃ ہے یعنی وہ لمحہ یا وہی لمحہ، تخصیص کے ساتھ۔ یہ سب سے اہم لمحہ ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

”عربی زبان میں الساعۃ کو جب غیر محدود طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے غیر معینہ وقت۔ یعنی یہ لفظ غیر معینہ وقت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہ وقت کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔ اس لفظ کو مخصوص طور پر دن بھر کے چوبیں میں سے ایک گھنٹے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا

ہے۔ پس اس کا معنی وہی گھنٹہ بھی ہو سکتا ہے اور وہی لحہ بھی، یعنی غیر معینہ وقت۔‘‘

مزید فرماتے ہیں کہ الساعۃ، یعنی الف اور لام کے ساتھ، جس کے معنی اس لمحے یا اس گھنٹے کے ہیں، کا معنی ہو گا: یہ لحہ۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا ہے کہ قیامت کے لیے الساعۃ کا نام اس لیے استعمال کیا گیا کہ وہ اس قدر قریب ہے گویا بس یہی لحہ۔ یہ ایک تشریح ہے۔

دوسری تشریح اس کی یہ ہے اس گھڑی کو الساعۃ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ وہ سب سے اہم لحہ ہے جس میں سب سے اہم واقعہ رونما ہو گا۔

اور اس کا یہ نام اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گھڑی اچانک بس ایک لمحے میں آجائے گی۔

یہ تینوں تشریحات امام قرطبیؒ نے بیان فرمائی ہیں۔

الساعۃ یوم حشر کے ان ناموں میں سے ہے جو یوم قیامت کے لیے قرآن و حدیث میں بار ہا استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ﴾(سورۃ الحج:۱)

’’اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔‘‘

۴. یوم البعث:

یعنی دوبارہ اٹھائے جانے کا دن۔ اور یہ نام اس دن کو اس لیے دیا گیا ہے کہ اس دن ہمیں ایک نئی زندگی عطا کی جائے گی اور ہمارے جسموں کو دوبارہ تخلیق کیا جائے گا۔ ہم دوسری مرتبہ تخلیق کیے جائیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّنَ ٱلْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن تُرَابٍ﴾
(سورۃ الحج:۵)

’’اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے کی طرف سے شک میں ہو تو (اس میں غور کرلو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔‘‘

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہیں دوبارہ تخلیق کرنے پر قادر نہیں ہے تو پھر ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ کیسے تخلیق کیا تھا؟

۵. یوم الخروج:

اسے باہر نکلنے کا یا ظاہر ہونے کا دن اس لیے کہا گیا کہ اس دن انسان اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَسْمَعُونَ ٱلصَّيْحَةَ بِٱلْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ ٱلْخُرُوجِ﴾(سورۃ ق:۴۲)

’’جس دن اس چیخ کو بالیقین (سب) سن لیں گے وہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہو گا۔‘‘

۶. القارعة:

اس کا معنی ہم قہر سے کر سکتے ہیں۔ تَقْرَعُ القُلوب، ایسی چیز جو دلوں پر چوٹ لگائے گی، دل دہلا دے گی، لہٰذا یہ ایک آفت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ٱلْقَارِعَةُ ۝ مَا ٱلْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلْقَارِعَةُ ۝﴾(سورۃ القارعۃ:۱ تا۳)

’’(یاد کرو) وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا۔ کیا ہے وہ دل دہلانے والا واقعہ؟ اور تمہیں کیا معلوم وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟‘‘

۷. یوم الفصل:

فیصلے کا دن۔ یوم الفصل وہ ہے کہ جس دن تمام نزاعات کا فیصلہ ہو گا۔ اختلاف آراء ختم ہو جائیں گے اور اللہ رب العزت انسانیت اور جو کچھ انسانوں نے کہا اور کیا ہو گا کے مابین فیصلہ فرمائیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿هَٰذَا يَوْمُ ٱلْفَصْلِ ۖ جَمَعْنَٰكُمْ وَٱلْأَوَّلِينَ ۝﴾(سورۃ المرسلات:۳۸)

’’یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے جمع کر لیا تم کو اور اگلوں کو۔‘‘

۸. یوم الحسرة:

حسرت و ندامت کا دن۔ اس روز پچھتاوے ہی پچھتاوے ہوں گے۔ کافر اپنے ایمان نہ لانے پر نادم ہوں گے اور مسلمان پچھتاتے ہوں گے کہ کاش مزید اور بہتر اعمال لے کر پیش ہوتے۔ ہر طرف حسرت سی حسرت ہو گی۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ۝﴾(سورۃ الفرقان:۲۷)

’’اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، اور کہے گا: کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی۔‘‘

تصور کریں کہ حسرت، ندامت اور دکھ و ملال کی وجہ سے اس روز انسان اپنے دونوں ہاتھ، نہ کہ صرف انگلیاں، اپنے منہ میں ٹھونسے گا اور اپنی انگلیاں چبائے گا۔

﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○﴾ (سورۃ مریم: ۳۹)

”اور ڈرایئے انہیں حسرت کے دن سے، جب فیصلہ ہو جائے گا سارے معاملے کا، جبکہ آج یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے۔“

۹. یوم الحساب:

جانچ پڑتال اور حساب کتاب کا دن۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ○﴾ (سورۃ غافر: ۲۷)

”اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے اور تمہارے رب کی، ہر غرور والے سے، جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا۔“

یہ حساب کتاب کا دن ہے اور حساب بھی ایسا دقیق کہ ہر چیز سامنے لائی جائے گی، حتی کہ ذرہ برابر چیز بھی نہ چھوڑی جائے گی خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿...اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ...﴾

پس اللہ عز و جل ہمارے ہر قول و عمل کو لا حاضر کرے گا۔ جو کچھ جب بھی ہم نے کہا ہو گا وہ سامنے آجائے گا اور جو عمل بھی ہم نے کبھی کیا ہو گا وہ بھی سامنے آجائے گا۔

﴿يَوْمَىِٕذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ○﴾ (سورۃ الحاقۃ: ۱۸)

”اس دن تمہاری پیشی ہو گی، تمہاری کوئی مخفی سے مخفی بات بھی چھپی نہیں رہے گی۔“

۱۰. الواقعة:

وہ واقعہ، وہ حادثہ، سب سے اہم واقعے کا بپا ہونا۔

۱۱. الحاقة:

اٹل حقیقت، ناگزیر حق۔

﴿اَلْحَاقَّةُ○مَا الْحَاقَّةُ○وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ○﴾ (سورۃ الحاقۃ: ۱تا۳)

”وہ حقیقت ہو کر رہے گی۔ کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی؟ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ حقیقت کیا ہے جو ہو کر رہے گی؟“

۱۲. یوم التلاق:

ملاقات کا دن۔

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ○﴾ (سورۃ غافر: ۱۵)

”وہی ہے اونچے درجوں والا، مالک عرش کا، اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے، تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔“

اسے ملاقات کا دن کیوں کہا جاتا ہے؟ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اسے ملاقات کا دن اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دن آدمؑ اپنے آخری بیٹے سے ملاقات کریں گے۔

آدمؑ کی تمام اولاد اس روز آمنے سامنے ہو گی۔ جبکہ قتادہؒ اور السدّیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ دن ہو گا کہ جب زمین کی مخلوق آسمان کی مخلوق سے ملے گی اور خالق اپنی مخلوق سے ملاقات فرمائے گا۔

اور میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس روز ظالم مظلوم کے سامنے آئے گا۔

۱۳. یوم التناد:

پکار کا دن۔

﴿وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ○﴾ (سورۃ غافر: ۳۲)

”اور اے میری قوم! مجھے تم پر اس دن کا خوف ہے جس میں چیخ و پکار مچی ہو گی۔“

اسے چیخ و پکار کا دن اس لیے کہا گیا ہے کہ اس روز ہر طرف پکار بلند ہو رہی ہو گی۔ ہر ایک فرداً فرداً پکارا جائے گا، نیز مظلومین ظالموں کو پکارتے ہوں گے اور بندے اپنے ان معبودوں کو پکاریں گے جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

ہم نے حشر کے دن کے مختلف معانی کے بارے میں بات کی۔ اس دن کے لیے سب سے زیادہ قیامت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور ہم نے جانا کہ قیامت کے دن کا یہ نام اس لیے بھی ہے کہ وہ کھڑے ہونے کا دن ہو گا۔ اس روز کوئی بیٹھنا، لیٹنا، کوئی آرام نہ ہو گا۔ اس پچاس ہزار برس کے برابر طویل دن میں بہت سے حوادث رونما ہوں گے اور ان میں سے سب سے اہم حادثہ یا واقعہ حساب کتاب ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 74 پر)

اسلام آباد کے دروازوں پر ”اسلام“ کی دستک

مولانا عبد الرشید غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ

شہید امامِ برحق مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر تحریر بے نظیر بھٹو کے ایک کالم کے جواب میں لکھی تھی۔ لیکن اگر اس تحریر میں جہاں جہاں بے نظیر اور ایک جگہ الطاف حسین کا ذکر ہے وہاں زرداری، نواز شریف، شہباز شریف، عمران خان، کیانی، پاشا، اور عاصم منیر کا نام لکھ کر اسے پڑھا جائے تو بھی اس کا اثر برقرار بلکہ زیادہ بڑھ جائے گا۔ غازی صاحب نے اس تحریر میں ’سیاسی‘ انداز اپنایا ہے تاکہ ہر طبقہ (دین داروں سے لے کر لادین سیکولروں تک) نفاذِ اسلام کی اہمیت، ضرورت اور اس کی برکتوں کو آسانی سے سمجھ سکے اور اسلام اور انتہا پسندی، دہشت گردی، شدت پسندی وغیرہ میں تمیز کر سکے۔ (ادارہ)

مختلف اخبارات میں بے نظیر بھٹو کا ایک کالم بعنوان ”اسلام آباد کے دروازوں پر عسکریت پسندوں کی دستک“ شائع ہو رہا ہے، جس میں غالباً امریکی خوشنودی کے پیشِ نظر ”طالبانائزیشن“ اور ”انتہا پسندی“ کو ہوّا بنا کر پیش کیا گیا ہے اور یہ احساس دلایا گیا ہے کہ چونکہ محترمہ کو اپنے دورِ حکومت میں ”انتہا پسندی“ سے بارہا پالا پڑا ہے، لہٰذا فوجی قیادت کو کالے برقعوں کا یہ خالصتاً نسوانی معاملہ، بی بی کے ہاتھوں میں تھما کر واپس بیرکوں میں جا کر محض تماشہ دیکھنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

محترمہ نے جا بجا اس بات کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں اسلام پسند عناصر ”انتہا پسندی“ کو فروغ دے رہے ہیں۔ ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہاں ”انتہا پسندی“ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر انتہا پسندی سے محترمہ کی مراد معصوم عوام کو قتل کرانا یا لاپتہ کرانا یا سیاسی مقاصد کے لیے انہیں لوٹنا، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا اور دیگر تخریبی سرگرمیاں ہیں تو دنیا کا کوئی قانون اور مذہب اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر اس سے مراد اس سسٹم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے، جو متفق علیہ اقدارِ اسلامی مثلاً جہاد اور حجاب وغیرہ پر قدغن لگائے، جو ظلم کو تحفظ دے، شعائرِ اسلامی کا کھلم کھلا مذاق اڑائے اور جس میں عوام سسک سسک کر جینے پہ مجبور ہوں تو یہ ہرگز انتہا پسندی نہیں بلکہ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ ہے۔

ایک مسلم معاشرے کا یہ جائز حق ہے کہ اس میں اوپر سے نیچے تک، ہر فرد میں حقیقی اسلام کی جھلک نظر آئے۔ اگر اسلامی معاشرے کا کوئی فرد، اپنی معاشرتی روایات سے غداری کرے تو وہ پورے معاشرے کا مجرم ہے، لہٰذا اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔ آج جن اسلامی سزاؤں کو العیاذ باللہ وحشیانہ بتایا جاتا ہے اور جن کے نفاذ کی بات کرنے پر ہمیں انتہا پسند، دہشت گرد، قدامت پسند اور نجانے کن کن القابات سے نوازا جاتا ہے، درحقیقت یہی سزائیں ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں۔ اسلام ایک دینِ فطرت ہے، انسانوں کے جذبات اور مزاج کے عین مطابق ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسلام جہاں جرائم کی بیخ کنی کرتا ہے وہیں ان جرائم کے اسباب کا قلع قمع بھی کرتا ہے۔ پس دہشت گردی اور حقیقی اسلام میں وہی فرق ہے جو ایک قاتل کے خنجر اور جرّاح کے نشتر میں ہوتا ہے۔ غور کیجیے کہ ایک انسانیت کو موت ہے مگر دوسرا انسانیت کے لیے سراپا زندگی۔ کوئی جنونی کسی بے گناہ کو ظلماً قتل کر دے تو بلا شبہ وہ دہشت گرد ہے، لیکن معاشرے کے کسی ناسور کے لیے کوئی جج اگر پھانسی کا حکم دے تو یہ عین انصاف ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کے پیمانے بہت سادہ، واضح اور دوٹوک ہیں اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ بدعنوان، کرپٹ لٹیرے، عیّاش اور بدمعاش عناصر کے لیے اسلام میں کوئی رعایت نہیں۔ ”نفاذِ اسلام“ کا نعرہ سن کر اگر یہ عناصر چیخ و پکار شروع کر دیں تو یہ بالکل فطری سی بات ہے۔ قومی خزانے کو شِیرِ مادر سمجھ کر گلچھرے اڑانے والوں کو ”نفاذِ شریعت“ سے بدکنا ہی چاہیے اور اس پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس ملک میں شرعی نظام قائم ہو گیا تو ان کے اللوں تللوں کی ایک ایک پائی کا حساب لیا جائے گا۔

اگر الطاف حسین اور بے نظیر بھٹو کا دامن صاف ہے، اگر ان کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے تو انہیں ”انتہا پسندوں“ سے ڈرنے یا گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ نظام بے گناہ اور مظلوم لوگوں کے لیے سراپا رحمت و مودّت ہے۔ محترمہ نے لکھا ہے کہ ”میں مسلمانوں کی اکثریت کی طرح اپنے مذہب پر فخر کرتی ہوں“، اگر محترمہ مسلمانوں کی اکثریت کی پیروی میں فخر کر سکتی ہیں تو اب انہیں اکثریت ہی کی تقلید کرتے ہوئے نفاذِ اسلام کی حمایت بھی کرنی چاہیے۔

موصوفہ نے ”طالبانائزیشن“ کے خلاف جن جملوں سے رائے عامّہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے چند اس طرح ہیں۔ ”ڈنڈا بردار اہم عہدوں پر پہنچ جائیں گے، یہ عناصر از سرِ نو منظم ہو رہے ہیں، اسلحے سے لیس ہو چکے ہیں، خودکش حملوں کا استعمال کر رہے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے، یہ انتہا پسند عالمی مالیاتی مارکیٹوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنا دیں گے“ وغیرہ وغیرہ۔ عالمی مالیاتی اداروں کے لیے خطرے کا الارم بجا کر محترمہ نے اس ظالم سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش ہے، جو چند افراد کے کندھوں پر سوار ہو کر دنیا کی اکثریت پر مشتمل غریب طبقے پر حکمرانی کر رہا ہے۔ خودکش حملوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شاید محترمہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھیں کہ خودکش حملہ، تفریحِ طبع یا دل پشوری کے لیے کوئی نہیں کرتا، بلکہ اس کے پیچھے محرومیوں اور مایوسیوں کے طویل سلسلے ہوتے ہیں، یہ ناتمام آرزوئیں، ادھوری تمنائیں اور بے بسی کی انتہائیں ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑا سکتی ہیں اور سینے

پر بم بھی سجا سکتی ہیں[1]۔ ہمارا مسلم معاشرہ، جو کبھی علم و فضل کی آماجگاہ اور فنون و ثقافت کی جولانگاہ تھا، حقیقی اسلامی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بحیثیت مجموعی احساسِ کمتری، مظلومیت اور بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ اس کا اصل مسئلہ ''روشن خیالی'' ہے نہ لولی لنگڑی امپورٹڈ جمہوریت، بلکہ ہمیں دنیا کے دوسرے ممالک، ایران و اسرائیل کی طرح مذہب پر آئین کو مرتب کرنا چاہیے۔ ''اسلام'' جدید دور کے ہر چیلنج سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے عملی مظاہرے کے لیے کرۂ ارض پہ چھوٹا سا ٹکڑا تو ایسا ہونا چاہیے جہاں بادشاہ سے لے کر عام شہری تک، رسم و رواج سے لے کر نظامِ ریاست تک اور قانون سے لے کر سزا تک سب کچھ ہمارا اپنا ہو۔ اس میں کسی سے مانگی ہوئی بھیک شامل نہ ہو۔ اگر یہ مذہبی فریضہ جو تمام مسائل کا واحد حل ہے، امن و آشتی سے پورا ہو جائے تو یقین کریں ہمارے ہاتھوں میں ڈنڈے نہیں، آپ کے لیے پھولوں کے ہار ہوں گے وگرنہ ہمیں بھی ہر طریقے سے احتجاج کا حق حاصل ہو گا۔

موصوفہ نے اپنے کالم میں موقع بموقع جامعہ حفصہ کی طالبات کے خلاف حکومتی ایجنسیوں کے پھیلائے ہوئے پراپیگنڈے کی بعض جُزئیات کو بھی بڑی شدّ و مدّ سے بیان کیا ہے۔ نیز سابقہ حکومتوں کے ہاتھوں پی پی کے کارکنوں پر تشدد پر بھی دکھ کا اظہار کیا ہے۔ طالبات سے متعلق ان کا کہنا ہے کہ طالبات نے ویڈیو سینٹرز بند کرا دیے ہیں اور دھمکیاں دی ہیں۔ اسلام آباد کے گرلز سکولوں میں تالے لگا دیے ہیں۔ حکومت نے اسلحے سے بھرا ہوا ایک ٹرک لال مسجد تک پہنچا دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان جھوٹے الزامات کا جواب، آپ بذات خود اسلام آباد آکر بچشمِ خود دیکھ کر پا سکتی ہیں۔ یا پھر اسلام آباد کے رہائشی ہی آپ کو بتا کر ان الزامات کی قلعی کھول سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک آپ کے کارکنوں پر تشدد کی بات ہے۔ تو خاطر جمع رکھیے! آپ کی ''ہراساں توقعات'' کے عین مطابق، عنقریب پاکستان میں نفاذِ اسلام ہونے کو ہے، پھر کسی بدمعاش کو اتنی جرأت نہ ہو گی کہ وہ معصوم شہریوں بشمول پی پی کے کارکنوں کو خوف زدہ کرے یا ان پر ظلم کرے، کیونکہ اسلام ہر قسم کے ظلم کی جڑ پر وار کرتا ہے۔

محترمہ نے پرویز مشرف کی حکومت پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ لال مسجد کی پشت پناہی کر رہی ہے اور ان کے خلاف کماحقّہ کارروائی نہیں ہو رہی۔ یہ لکھتے ہوئے بے نظیر بھٹو شاید وہ وقت بھول گئی ہیں، جب ان کے زمانۂ اقتدار میں اسی لال مسجد کے مولانا محمد عبد اللہ شہیدؒ کو بزورِ طاقت ہٹانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں، تاہم حکومت کی یہ کوششیں بری طرح ناکام ہوئیں اور بالآخر بے نظیر صاحبہ کو عملی طور پر اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ انگشت بدنداں ہیں کہ جامعہ حفصہ میں فوجی افسران کی بیٹیاں بھی ڈنڈے اٹھائے کھڑی ہیں، ان کے والدین انہیں منع کیوں نہیں کرتے؟[2] دراصل یہ ذرا ٹیکنیکل قسم کی باتیں ہیں جو ''حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی'' سے تعلق رکھتی ہیں۔ شاید ان الفاظ کو سمجھنے کے لیے آپ کو اردو ڈکشنری کھولنے کی ضرورت پڑ جائے۔ لہٰذا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنے نازک شاہی ذہن پر ان قدیم الفاظ کا بوجھ مت سوار کریں۔ نیز یہ امر قابلِ تعجب ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو ایک عرصے تک پاکستان کی واحد خاتون سربراہ رہ چکی ہیں، کیا وہ بھی یہ سمجھتی ہیں کہ مملکتِ خداداد کے شہری خصوصاً ایک خالصتاً نسوانی تعلیمی ادارے کی طالبات اگر حکومت سے کوئی جائز مطالبہ کریں تو اسے سختی سے کچل دینا چاہیے، کیا یہ رویہ ''تشدد پسندی'' نہیں ہے؟ اور کیا پی پی پی کی قیادت ایسے اقدامات کو جائز تصور کرتی ہے؟ البتہ جہاں تک ہم پر حکومت کی پشت پناہی کا الزام ہے، تو اے کاش ایسا ہوتا! اگر حکومت ہماری پشت پناہ بن کر نفاذِ اسلام کے لیے مخلص ہو جائے تو پھر ہمیں ڈنڈے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، یہی ہمارا اہم ترین مطالبہ ہے۔

محترمہ نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ''ہو سکتا ہے کہ وفاق اور پنجاب میں بھی نفاذِ اسلام کے حامی (ان کے الفاظ میں انتہا پسند) موجود ہوں''۔ جی ہاں، آپ کے اندازے سو فیصد درست ہیں، وفاق اور پنجاب ہی نہیں، الحمد للہ بلوچستان سرحد اور سندھ کی ہر گلی اور ہر گھر میں نفاذِ شریعت کے حامی موجود ہیں، غور کریں تو آج پاکستان کے ہر عالمِ دین، ہر دانشور اور عوام کی زبان پر اس بے ہودہ اور فرسودہ نظام کی تبدیلی کی بات آچکی ہے اور عوام دلی طور پر ان کے ساتھ ہیں۔ بہت جلد آپ وہ منظر دیکھیں گی کہ اسلام آباد کے دروازوں پر، اس آمرانہ اور ظالمانہ نظام کے ڈسے ہوئے مسلمان کھڑے ہو کر ''انقلابِ اسلامی'' کی روح پرور اذانیں بلند کر رہے ہوں گے۔ اور ہاں، آخری بات! محترمہ اگر غور سے کان لگائیں تو اسلام آباد کے دروازوں پر ''عسکریت پسندی'' نہیں بلکہ ''اسلام'' کی دستک انہیں واضح طور پر سنائی دے گی۔

[غازی صاحب شہید کا یہ مضمون 'اشراف بن کشمیر' کے مرتب کردہ کتابچے 'غازی کے قلم سے'، سے لیا گیا ہے۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

[1] مولانا عبد الرشید غازی شہید یہاں جب مایوسیوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے وردی و بے وردی حکمران طبقے سے مایوسی مراد ہے۔ وہ حکمران طبقہ جس نے نفاذِ نظامِ غیر اسلامی پر اصرار کیا۔ اگر اسلام قائم ہو اور شریعت کا عادلانہ قانون جاری ہو تو کہیں کوئی مایوسی اور محرومی نہیں بچے گی۔ 'ناتمام آرزوئیں' اور 'ادھوری تمنائیں'، لا الٰہ الا اللہ کے نام پر ملک حاصل کر کے وہاں انگریزی نظام نافذ کر دینے کے سبب ہیں۔ پھر جب ایک طرف نظامِ انگریزی نافذ ہو اور دوسری طرف اپنے اور پرائے سبھی اس پر 'کسی نہ کسی صورت' راضی نظر آتے ہوں تو بے بسی کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ پھر یہ سب جذبات شریعت کے 'نفاذِ شریعت' کے حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جذباتیت نہیں حقیقت پر مبنی اقدامات اٹھواتے ہیں، جن کا نام دعوت و جہاد ہے۔ پھر یہی دعوت و جہاد کہیں ''ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑا سکتے ہیں اور سینے پر بم بھی سجا سکتے ہیں''۔ پھر غازی صاحب کے دیگر اقوال اور ان عملی افعال خاص کر 'شہادت' اس بات کی سب سے بڑی موئید ہے کہ غازی صاحب نے یہاں جو جملے تحریر کیے ہیں ان کا معنیٰ و مطلب اور تشریح و مفہوم کیا ہے۔ فدائی حملے (جنہیں عرف میں غلط طور پر خودکش کہا جاتا ہے) یعنی فی اللہ شہادت تو فی سبیل اللہ امید و رجا اور عزم و ہمت کی اعلیٰ صورت ہیں۔ (ادارہ)

[2] یہاں ان 'فوجی افسران' کا ذکر ہے جو واقعی 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کی خاطر فوج کا حصہ بنے۔ ایسے اللہ کے آرڈر کو ماننے والے فوجی لال مسجد آپریشن (جو پاکستان میں تفریقِ حق و باطل کا ایک واضح نشان بنا) کے بعد فوج میں بظاہر نہیں رہے۔ (ادارہ)

وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علماء کا متفقہ فتویٰ

یہ وہ تاریخی فتویٰ ہے جو کئی فوجیوں کو ایمان کی طرف لانے کا باعث بنا اور یہ فتویٰ آج بھی پاکستان فوج، خفیہ اداروں اور پولیس و دیگر سکیورٹی اداروں سے وابستہ اہلکاروں کے لیے 'ہدایت' اور 'ایمان' کا سامان رکھتا ہے۔ یہ فتویٰ راہِ فکر و عمل ہے ان کلمہ گو سکیورٹی اہلکاروں کے لیے جو دل سے اپنی زندگی کا مقصد 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کو سمجھتے ہیں۔ خصوصاً آج جب ایک بار پھر پاکستان فوج کے جرنیلوں نے اسلام اور مسلمانوں کا سودا کرتے ہوئے عالمی طاغوتی نظام کے خلاف بر سرِ پیکار اور نفاذِ شریعت کی محنت کرنے والے داعیانِ دین اور مجاہدینِ اسلام کے خلاف نئے آپریشنوں کا ارادہ کر رکھا ہے، بلکہ اب تو اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں بھی انہیں جرنیلوں سے منسوب ہو کر چل رہی ہیں تو اس فتوے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، بلکہ افواجِ پاکستان کے ان اعمال کا شرعی حکم بھی اسی فتوے کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ فتویٰ پاکستان فوج، فضائیہ، بحریہ، انٹیلی جنس و پولیس و دیگر سکیورٹی اداروں کے 'مسلمان' فوجیوں کے لیے 'اللہ' یا 'شیطان' کی بندگی اور 'جنت' یا 'جہنم' کا راستہ واضح کر رہا ہے۔ ایک 'لا الٰہ الا اللہ' پڑھنے والے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والے سپاہی کے لیے پہلا آرڈر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آرڈر ہے اور پہلا حلف نامہ 'شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم' کا اقرار ہے۔ پس خوش نصیب ہیں وہ سکیورٹی اہلکار، اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں ان افسروں اور جوانوں کے لیے جنہوں نے وطن کی حفاظت کی تو ایمان و اسلام کے لیے اور جنہوں نے سرحدوں پر پہرے دے کر اپنے آپ کو تھکایا تو ایمان و اسلام کے لیے! (ادارہ)

سوال

"کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے پاکستان کے فوجی وانا میں مجاہدین اور دیگر عوام کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر آپریشن کر رہے ہیں اور مزاحمت کرنے والے معصوم مسلمانوں کو گرفتار اور قتل کر رہے ہیں۔ دریں حالات علمائے کرام درج ذیل سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

سوال نمبر ۱: یہ کہ پاکستانی افواج کا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۲: کیا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا حکم اپنی رعایا یا اپنی فوج کو دے تو کیا اس حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں پاکستانی فوج کے لیے اس قسم کی کارروائیوں میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۳: مذکورہ صورت میں جو فوجی آپریشن میں شریک ہیں تو ان کی موت کیسی موت ہے؟ آیا شہید ہیں یا حرام موت مارے جائیں گے؟ ایسی موت کی صورت میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھانا یا اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴: ان مجاہدین اور دیگر معصوم مسلمانوں، جن پر جنگ زبردستی مسلط کی گئی ہے ان کے مارے جانے کا کیا حکم ہے؟"

کرنل (ریٹائرڈ) محمود الحسن

جواب

الجواب باسم ملهم الصواب

جواب نمبر ۱:

موجودہ حالات میں پاکستانی فوج کا وانا (وزیرستان) میں مجاہدین اور ان کے حامی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا، کرانا قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام اور سخت گناہ ہے، خواہ یہ کارروائی امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے ہو یا بغیر دباؤ کے ہو، دونوں صورتوں میں کافروں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی، خواہ وہ ان کو شہید کرنے کی صورت میں ہو یا ان کو گرفتار کر کے کسی کافر کے حوالے کرنے کی صورت میں، متعدد آیات و احادیثِ مبارکہ اور عباراتِ فقہا کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہے۔ ان صریح آیات کی پیش نظر شریعت نے کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کارروائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز اگر مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی ہو کہ اگر ہم نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو غیر مسلم خود ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا کسی شدید نقصان میں مبتلا کر دیں گے تب بھی ان کا یہ مطالبہ ماننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

جواب نمبر ۲:

حاکمِ وقت کے کسی ایسے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا جو شریعت کے خلاف ہو، ہرگز جائز نہیں، حرام ہے۔ لہٰذا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا اپنی رعایا یا اپنی فوج کو حکم دے تو اس حکم کی تعمیل ہرگز جائز نہیں۔ وانا میں مسلمانوں کے خلاف حکومتی کارروائی چونکہ شریعت کے خلاف ہے اس لیے فوج کے لیے اس کارروائی میں شریک ہونا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمان فوجیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس قسم کی کسی بھی

کارروائی میں شریک ہونے سے انکار کر دیں ورنہ وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔

جواب نمبر۳:

مذکورہ صورت میں حاکم وقت یا کمانڈر کے خلافِ شرع حکم پر عمل کرتے ہوئے جو فوجی اس کارروائی میں شریک ہو گا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا اور اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ ہر گز شہید نہیں کہلائے گا۔ جہاں تک ایسے لوگوں کی موت واقع ہونے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھانے اور اس میں لوگوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو ایک مسلمان کی غیرت، حمیت اور دینی جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نمازِ جنازہ میں بھی کوئی شریک نہ ہو اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی آگے ہو۔

جواب نمبر۴:

ایسے تمام افراد جو ان ظالمانہ فوجی کارروائیوں میں مارے جائیں چونکہ شرعاً وہ معصوم اور بے گناہ ہیں لہٰذا شرعاً وہ شہید ہوں گے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

أ. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (سورۃ النساء: ۹۳)

"رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔"

ب. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (سورۃ الممتحنہ: ۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔"

ج. بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○ (سورۃ النساء: ۱۳۹،۱۳۸)

"اور جو منافق اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔"

د. وفی الحدیث عن البراءؓ بن عازب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لزوال الدنیا وما فیہا اھون عند اللہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل السمٰوٰت واھل الارض اشترکوا فی دم مؤمن لادخلھم اللہ تعالی النار (روح المعانی، جلد:۳، ص:۱۱۶)

"حدیث میں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دنیا و مافیہا کا تباہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کے قتل کیے جانے سے زیادہ ہلکی بات ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔"

ہ. عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (الی عدوہ)...... (متفق علیہ، ریاض الصالحین: ۱۰۸)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ وہ اسے اس کے دشمن کے حوالے کرتا ہے..... الخ"

و. وفی احکام القرآن للجصاص (۲/۴۰۶) وھذا یدل علی انہ غیر جائز للمومنین الاستنصار بالکفار علی غیرھم من الکفار اذ کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر ھو الغالب

"احکام القرآن للجصاص میں درج ہے کہ: یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کے لیے کافر دشمنوں کے مقابلے میں دیگر کافروں کی مدد طلب کرنا ایسی حالت میں جائز نہیں جب (یہ معلوم ہو کہ) فتح یاب ہونے کی صورت میں کافروں کی حکومت غالب آجائے گی۔"

ز. عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ حق مالم یؤمر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ (بخاری، جلد:ا ص:۴۱۵)

"حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے خواہ اس کی بات اسے پسند ہو یا ناپسند ہو، بشرطیکہ وہ کسی نافرمانی کا حکم نہ دے۔ پس اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ بات سنی جائے، نہ مانی جائے۔"

ح. وفی شرح السیر جلد:۳، ص:۲۴۲: وان قالوا لھم قاتلوا معنا المسلمین والا قتلناکم لم یسعھم القتال مع المسلمین لان ذلک حرام لعینہ فلا یجوز الاقدام علیہ بسبب تحدید بالقتل کما لو قال لہ اقتل ھذا المسلم والاقتلتک۔

"شرح السیر میں عبارت اس طرح ہے: جب کفار کہیں کہ 'ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے' تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کفار سے مل کر مسلمانوں کو قتل کریں اس لیے کہ یہ حرام لعینہٖ (بالذات حرام) ہے، چنانچہ قتل کی دھمکی کے باوجود اس قسم کا اقدام حرام ہے..... بالکل

اسی طرح جیسے یہ جائز نہیں کہ اگر کسی مسلمان فرد کو دھمکی دی جائے کہ 'فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا' اور وہ عملاً ایسا کر گزرے۔"

ط. وکذلک من ...عدا علی قوم ظلما فقتلوہ لا یکون شھیدا لانہ ظلم نفسہ۔(بدائع، جلد:۲ ص:۶۶)

"اسی طرح......وہ شخص جس نے کسی گروہ کے خلاف ظالمانہ طور پر چڑھائی کی اور ان لوگوں نے اس (حملہ آور) شخص کو قتل کر ڈالا تو وہ (مقتول) شہید نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے مرا۔"

ی. ومن قتل مدافعا عن نفسہ او مالہ او عن المسلمین او اھل الذمۃ بایّ آلۃ قتل، بحدید او حجر او خشب فھو شھید، کذا فی محیط السرخسی (ہندیہ، جلد:۱، ص: ۱۶۸)

"جو شخص اپنی جان، مال، مسلمانوں یا اہلِ ذمہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے، خواہ وہ کسی بھی آلۂ قتل......لوہے پتھر، لکڑی وغیرہ...سے قتل ہوا ہو۔"

واللہ اعلم بالصواب

عبد الدیان عفا اللہ عنہ

دار الافتاء، مرکزی جامع لال مسجد (اسلام آباد)

اس فتوے پر پاکستان بھر کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۵۰۰ سے زائد مفتیانِ عظّام، علمائے کرام اور شیوخ الحدیث کے دستخط ثبت ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف چند علماء کے نام و دستخط ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، شیخ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۲) مولانا ظہور الحق صاحب، مدیر دار العلوم معارف القرآن، مدنی مسجد، حسن ابدال۔

(۳) مولانا عبد السلام صاحب، شیخ الحدیث اشاعت القرآن، حضرو، اٹک۔

(۴) قاری چن محمد، مدرس اشاعت القرآن، حضرو۔

(۵) مفتی سیف اللہ حقانی صاحب، رئیس دار الافتاء، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۶) مولانا عبد الرحیم صاحب، خطیب جامع مسجد ۳۳، جنوبی سرگودھا۔

(۷) فتح محمد صاحب، مدیر جامعہ صدیقیہ، واہ کینٹ۔

(۸) مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحبؒ، مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۹) مفتی حمید اللہ جانؒ صاحب، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۰) مفتی شیر محمد صاحب۔

(۱۱) مفتی زکریا صاحب، دار الافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۲) مولانا محمد اسحاق صاحب، مہتمم مدرسہ تدریس القرآن و خطیب مرکزی جامع لالہ رخ، واہ کینٹ۔

(۱۳) مولانا عبد القیوم حقانی صاحب، مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ زڑہ میانہ، نوشہرہ۔

(۱۴) مفتی حبیب اللہ صاحب۔ دار الافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی۔

(۱۵) مولانا محمد صدیق صاحب، مہتمم جامعہ تعلیم القرآن مدنی مسجد، لائق علی چوک، واہ کینٹ

(۱۶) مولانا عبد المعبود صاحب، جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی۔

(۱۷) قاری سعید الرحمٰن صاحب، مدیر جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی۔

(۱۸) قاضی عبد الرشید صاحب، مہتمم دار العلوم جامعہ فاروقیہ، دھمیال کیمپ، راولپنڈی۔

(۱۹) مولانا محمد صدیق اخونزادہ صاحب۔

(۲۰) مفتی ریاض احمد صاحب، دار الافتاء دار العلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی

(۲۱) مولانا محمد عبد الکریم صاحب، مدیر جامعہ قاسمیہ، ایف سیون فور، اسلام آباد۔

(۲۲) مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب، دار الافتاء جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی۔

(۲۳) مولانا محمد شریف ہزاروی صاحب، خطیب جامع مسجد دار السلام، جی سکس ٹو، اسلام آباد

(۲۴) مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحب، رئیس ادارہ علوم اسلامیہ، سترہ میل، بہارہ کہو، اسلام آباد

(۲۵) مولانا عبد اللہ حقانی صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ و جامعہ خدیجۃ الکبریٰؓ، اسلام آباد۔

(۲۶) مولانا محمود الحسن طیب صاحب، مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔

(۲۷) مولانا محمد بشیر سیالکوٹیؒ صاحب، مدیر معھد اللغۃ العربیۃ و مدیر بیت العلم، اسلام آباد

(۲۸) مولانا وحید قاسمی صاحب، جنرل سیکرٹری عالمی مجلس ختم نبوت و مدیر مدرسہ فاروقیہ، اسلام آباد

(۲۹) مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ، شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۳۰) مولانا مفتی پیر سیّد مختار الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف، خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ۔

(۳۱) مولانا فضل محمد صاحب، استاذ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۳۲) مولانا سعید اللہ شاہ صاحب۔ استاد الحدیث۔

(۳۳) مولانا سبحانُ اللہ صاحب، مفتی جامعہ امداد العلوم، صدر، پشاور۔

(۳۴) مولانا محمد قاسم ابن مولانا محمد امیر بجلی گھر، پشاور۔

(۳۵) مفتی غلام الرحمٰن صاحب، رئیس دار الافتاء جامعہ عثمانیہ، صدر، پشاور۔

(۳۶) مولانا مفتی سید قمر صاحب، دار الافتاء دار العلوم سرحد، دار العلوم آسیا گیٹ، پشاور۔

(۳۷) مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، شاھو وام، ہنگو۔

(۳۸) مولانا شیخ الحدیث محمد عبد اللہ صاحب۔

(۳۹) مفتی دین اظہر صاحب۔

(۴۰)مولانا مفتی عبدالحمید دین پوری۔

(۴۱)مفتی ابو بکر سعید الرحمن صاحب۔

(۴۲)مفتی محمد شفیق عارف صاحب۔

(۴۳)مفتی انعام الحق صاحب۔

(۴۴)مفتی عبد القادر، جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۴۵)مولانا سید سلیمان بنوری صاحب، نائب مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاؤن، کراچی۔

(۴۶)مفتی جمال احمد صاحب، دارالعلوم فیصل آباد۔

(۴۷)مولانا محمد زاہد صاحب، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد۔

(۴۸)پیر سیف اللہ خالد صاحب، مدیر جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۴۹)مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۵۰)مولانا احمد علی صاحب مدرسہ الحسنین، گرین ایریا، فیصل آباد۔

(۵۱)مفتی محمد عیسیٰ صاحب، دار العلوم اسلامیہ، کامران بلاک، لاہور۔

(۵۲)مولانا رشید احمد علوی صاحب، مدیر دارالعلوم اسلامیہ۔

(۵۳)قاضی حمید اللہ صاحب، مرکزی جامع مسجد شیر اں والا باغ، گوجرانوالہ۔

(۵۴)مولانا فخر الدین صاحب، جامعہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ۔

(۵۵)مفتی محمد فاروق صاحب، رئیس دارالافتاء جامعہ فریدیہ، اسلام آباد۔

(۵۶)مولانا محمد عبدالعزیز صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۷)مفتی سیف الدین صاحب، جامعہ محمدیہ، ایف سکس فور، اسلام آباد۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا فتویٰ:

اگر کسی فوجی کو ”ایک مسلمان کے قتل“ اور ”پھانسی یا کورٹ مارشل“ کے درمیان (کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا) فیصلہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں اس کے لیے اخروی لحاظ سے آسان، سہولت دہ اور جائز یہی ہے کہ وہ اپنے لیے ”کورٹ مارشل“ اور ”تختۂ دار“ کا راستہ اختیار کر لے۔

کوہاٹ کے مفتیان کا فتویٰ:

”شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں اور ان کا مرنا حرام موت ہے اور ان کا حکم ”قطّاع الطریق“ یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے۔ نمازِ جنازہ کے لیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔“

دار العلوم اکوڑہ خٹک کے مفتیانِ کرام کا فتویٰ:

”فقہ کی معتبر اور مشہور کتب در مختار و رد مختار میں ہے کہ عصبی (جو وطن یا قوم کی عصبیت میں لڑتا ہوا مارا جائے) پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔“

نظام کی تبدیلی کیوں ضروری ہے؟

”جو لوگ لعنت بھیجتے ہیں، قرار دادِ مذمت اس کے خلاف منظور کرتے ہیں، جو کہتے ہیں ہمیں نامنظور ہے فحاشی بھی اور جھوٹ بھی، نظام کی یہ خوبی ہے کہ انہی لوگوں سے فحاشی کا، عریانی کا، بے حیائی کا، جھوٹ کا، سود کا، رشوت کا، ظلم کا، جتنا کاروبار ہے انہی کے ذریعے سے چلاتے ہیں۔

یعنی نظام اتنی مضبوط چیز ہے، اسی لیے میں نے لفظِ خدا اس کے لیے استعمال کیا، کہ قانون اسی کا جاری ہوتا ہے، شریعت اسی کی نافذ ہوتی ہے، شب و روز وہی طے کرتا ہے، وہ اگر طے کر دے کہ گھنٹہ بڑھا دیا جائے تو گھنٹہ بڑھ جاتا ہے وقت کا۔ لوگ برا بھلا کہتے رہتے ہیں لیکن گھڑیاں اپنی ٹھیک کر رہے ہوتے ہیں اسی کے مطابق۔ وہ پھر کہتا ہے پیچھے کر دی جائیں، لوگ کہتے ہیں لعنت ہے اور پھر گھڑیاں پیچھے کر لیتے ہیں۔ یہ نظام جب کہتا ہے جمعہ کی چھٹی ہو گی، تو کہتے ہیں جمعہ کی چھٹی، یہ کہتا ہے اتوار کی چھٹی تو کہتے ہیں اتوار کی چھٹی۔ سب کچھ مانتے ہیں، برا بھلا کہنے کے باوجود۔ یعنی ابھی اگر اطلاع آ جائے کہ کل صبح سے ٹریفک جو ہے وہ بائیں طرف نہیں چلے گا دائیں طرف چلے گا، لوگ برا بھلا کہیں گے، کچھ حادثات رونما ہوں گے، عادت لوگوں کو دوسری پڑی ہوئی ہو گی لیکن بلا آخر ٹریفک اسی طرف چل پڑے گی۔ تو جب یہ نظام بجٹ بناتا ہے، امپورٹ ایکسپورٹ پالیسی طے کرتا ہے۔ یہ حلال کے راستے بند کر دیتا ہے، یہ حرام کمانے کے مواقع لوگوں کو دیتا ہے، تو لوگ حرام کھاتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، سود لیتے ہیں، رشوت کے اندر سر سے لے کر پیر تک ڈوبے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں بہت ہی خراب نظام ہے، لعنت بھیجتے ہیں اس پر، کہ اس کو تو ختم کر دینا چاہیے۔

تو اس لیے جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں، یہ مسلمانوں کا ایک سیکولر نظام ہے۔ یہ ایک بے خدا نظام ہے۔ یہ آخرت سے بے فکر کرنے والا نظام ہے۔ اگر آدمی اس نظام کے تحت پوری زندگی بسر کرے تو آخرت کو بھول جاتا ہے۔ اللہ سے باغی ہو جاتا ہے۔ جتنا اس کی طرف بڑھتا چلا جائے، اس نظام کی باتیں مانتا چلا جائے اتنا ہی اس کی بندگی کرتا ہے اور اصل رب کی بندگی کو بھول جاتا ہے۔“

سید منور حسن رحمہ اللہ علیہ

ایران اسرائیل تعلقات پر شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر

شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی و تبصروں کے ساتھ

ترتیب و نشر: ادارہ النازعات

یہ ایک بیان کا مسودہ ہے، جو شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے سن ۲۰۰۷ء کے بعد تحریر کیا تھا، جس میں اُنہوں نے ایران اور امریکہ کے درمیان ممکنہ طور پر بھڑکنے والی جنگ کے آثار پر تبصرہ کیا تھا۔ یہ تحریر پہلے شائع نہیں ہوئی، لیکن اس کا مسودہ "ایبٹ آباد کی دستاویزات کے چوتھے حصے" میں دستیاب ہوا۔ ہم نے اسے اس لیے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ دستاویزی حیثیت اختیار کر لے کہ جہادی تحریک اور اس کے رہنماؤں نے اپنے حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا، اور ہر نئے پیش آنے والے مسئلے کو کس طرح سمجھا اور اس سے کیسے نمٹے۔ نیز اہلِ بصیرت کی نصیحتوں، تجربات اور رہنمائی سے استفادے کے لیے بھی یہ مناسب سمجھا گیا۔

حالیہ سالوں میں مسلسل پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ ان کا کلام اکثر مواقع پر بالکل موقع محل کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کی باتوں کو وقت نے سچ ثابت کر دکھایا۔

شیخ عطیۃ اللہ نے اس مسودے پر تبصرہ اور تعلیق لکھی ہے۔ یہ باہمی مشورہ ان حضرات کا مستقل معمول رہا ہے، اور ان کے خطوط میں اس کا عکس ملتا ہے، جس سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

ہم نے شیخ عطیۃ اللہ کی تعلیق دو اقسام میں درج کی ہیں:

۱. پہلی قسم: جو صرف کسی عبارت کی تصحیح پر مشتمل ہے، اُسے ہم نے مربع قوسین [] کے درمیان لکھا ہے۔[1]

۲. دوسری قسم: جس میں وضاحت یا تفصیلی تبصرہ ہے، اُسے ہم نے حاشیے میں درج کیا ہے۔ چنانچہ جہاں بھی "شیخ عطیۃ اللہ نے کہا" یا "شیخ عطیۃ اللہ کا تبصرہ" جیسے الفاظ بغیر کسی خاص حوالہ کے آئیں، تو سمجھا جائے کہ یہ اسی مسودے پر ان کا تبصرہ ہے۔

مزید یہ کہ ہم نے موقع کی مناسبت سے ان کے دوسرے بیانات سے بھی کچھ باتیں حواشی میں شامل کی ہیں تاکہ مضمون مزید واضح ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یقین کے ساتھ ہدایت اور راہِ راست کی توفیق مانگتے ہیں، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

ادارہ النازعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری عزیز امتِ مسلمہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میری یہ گفتگو آپ سے ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن معاملے کے بارے میں ہے، جو آپ اور آپ کی آئندہ نسلوں کے مستقبل سے گہرا تعلق رکھتی ہے، لہٰذا میری گزارش ہے کہ پوری توجہ سے سنیے۔

یہ گفتگو جنگ اور اس کی بڑھتی ہوئی ہلچل کے بارے میں ہے، مشرق و مغرب میں گونجتے طبلِ جنگ کے بارے میں ہے، اس تیسری عالمی جنگ کے بارے میں، جس کی دھمکی اس وقت وائٹ ہاؤس کا سربراہ ہمارے خطے کو دے رہا ہے، اور اس بار اس نے خاص طور پر ایران اور اس کے حامیوں کو نشانہ بنایا ہے، جبکہ اس کے اثرات پوری خطے پر مرتب ہوں گے۔

ان سنگین دھمکیوں کے باوجود، اور فریقین کے درمیان شدید ٹکراؤ اور کشمکش کے جو بھی نتائج ہوں، بدقسمتی سے بہت سے لوگ اب بھی حقیقتِ حال کے بارے میں اختلاف کا شکار ہیں۔ بے پروا اور غفلت میں مبتلا ہیں، اور اس بات سے غافل ہیں کہ اس حوالے سے ان کی کیا ذمہ داری بنتی ہے، اسی تیاری کا بیان ہمارے موضوع کا اصل محور ہے۔

اگرچہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم حالات و واقعات کا جائزہ لیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ آیا یہ جنگ دونوں فریقوں کے درمیان واقع ہو سکتی ہے یا نہیں، تاہم حقیقت یہ ہے کہ جنگ ہو یا فریقین کے درمیان صلح طے پا جائے، اس کے نتیجے میں خطے پر مرتب ہونے والے خطرناک اثرات بہر حال یقینی ہیں۔

اگر جنگ چھڑتی ہے، تو اس کے کئی ممکنہ نتائج ہو سکتے ہیں:

۱. ان میں سے ایک وہ ہے جس کی تمنا خلیجی حکمران کرتے ہیں اور جس کے لیے کوشاں ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان کے حلیف بلکہ ان کے معبود امریکہ کو فتح حاصل ہو۔ لیکن یہ ایک ایسا نتیجہ ہو گا، جس کے نہایت سنگین اثرات اور دور رس خطرات ہوں گے۔

[1] ہم نے ترجمے میں روانی کے لیے عبارت کی تصحیح پر مشتمل شیخ عطیہ کے تبصروں کو شیخ اسامہ کی تحریر میں ضم کر دیا ہے اور مربع قوسین ختم کر دیے ہیں۔ (ادارہ)

۲. دوسرا امکان یہ ہے کہ امریکہ مشکلات کے بوجھ تلے دب کر ناکام ہو جائے، اور اس پر زوال کے تمام اسباب مجتمع ہو جائیں اور اس کے مقابلے میں ایران درمیانی اور طویل مدت میں کامیاب ہو جائے، چونکہ ان کے قدم خطے میں جمے ہوئے ہیں اور وہ ایک علاقائی طاقت بن چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی اس کے گہرے اثرات اور کئی قسم کے نتائج ہوں گے، جن پر گفتگو ضروری ہے۔

۳. ایک اور امکان صلح کا بھی ہے، جو ہمارے مفادات کے مطابق بھی ہے، اور اس کے اثرات وضرورت بھی ہے۔

اس امر کی وضاحت کے لیے عرض ہے کہ کسی شے پر فیصلہ اس کے ادراک پر منحصر ہوتا ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا پر قابو پانے کی کنجی خلیج کی ریت پر پڑی ہے، مگر یہاں کے باشندوں کی طرف سے اس کی کوئی حفاظت نہیں کی جارہی۔ بین الاقوامی اور علاقائی طاقتیں اپنی اپنی بالادستی کے لیے اور ہمارے تیل پر ناجائز قبضہ کے لیے خلیج کے خطے میں مقابلے کے لیے کوشاں ہیں۔

امریکہ نے پچھلی نصف صدی سے زیادہ عرصے سے برطانیہ کی جگہ لے کر خلیجی ممالک پر اپنی حکمرانی قائم کر رکھی ہے، جس میں ایران بھی شامل ہے۔ تقریباً تیس سال قبل ایران نے شاہ کو ہٹا کر امریکی تسلط سے جان چھڑائی، وہی شاہ جو خلیج کا "چوکیدار" سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج کے ایرانی حکمران صرف شاہ کی جگہ لینے کے خواہش مند نہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ پورا خلیج ان کے مکمل اور براہِ راست کنٹرول میں ہو۔ انہوں نے جنوبی اور وسطی عراق پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے اور خلیجی ممالک کی طرف سے اس منصوبے کو روکنے کے لیے کوئی خاطر خواہ مزاحمت نہیں دیکھ رہے، جو انہیں مزید شہ دینے کے مترادف ہے۔

ایران خود کو خلیجی اور علاقائی طاقت کا جائز وارث سمجھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ خلیج کے دوسرے کنارے امریکی فوجی اڈے نہ ہوں، اور اس حوالے سے ان کا میڈیا، منصوبہ ساز اور بعض سیاستدان بات کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں لاریجانی نے کہا ہے کہ "امریکہ کے ساتھ اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ امریکہ ایران کو خطے میں ایک قائدانہ علاقائی کردار کے طور پر قبول نہیں کرتا۔"

اور اگر اس مطالبے کے ساتھ ایران کو تسلیم کیا جائے، تو یہ ایک طرف امریکہ سے، اور دوسری طرف اس کے ایجنٹوں سے ٹکراؤ کا باعث بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیجی حکمرانوں نے تیزی سے امریکہ کا ساتھ دیا اور ایران کے خلاف پیشگی جنگ کی ضرورت پر زور دیا، قبل اس کے کہ ایران اپنا اثر ورسوخ خلیج کی باقی ریاستوں تک پھیلا دے۔ اور یہ بات "اناپولس"[۲] جیسی منحوس کانفرنس میں بخوبی نمایاں ہو گئی۔

یہی وہ بات تھی جس کا اظہار صہیونی ریاست کی خاتون وزیر خارجہ نے کھلے الفاظ میں کیا جب اس نے کہا:

> "عرب ممالک پہلی بار امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ ایران اور اس کے اتحادیوں کے خلاف کھڑے ہیں۔"

---

[۲] "اناپولیس کانفرنس" ۲۷ نومبر ۲۰۰۷ء کو امریکی صدر جارج بُش کی انتظامیہ کی دعوت پر منعقد ہوئی، جس میں پچاس سے زائد ممالک اور اداروں کے نمائندے شریک ہوئے۔ ان میں سرِفہرست اوسلو اتھارٹی، اسرائیلی نمائندے اور عرب ممالک جیسے سعودی عرب، مصر اور شام شامل تھے، اور یہ ایک بے مثال منظر تھا جس میں عرب دنیا کی براہِ راست شرکت دیکھنے کو ملی۔

ان عرب ممالک کی شرکت دراصل ایک غیر اعلانیہ تعلقات کی بحالی تھی، اور قابض اسرائیل کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کے اصول سے خاموش دستبرداری، بلکہ وہ سیاسی بائیکاٹ بھی ٹوٹ گیا جو طویل عرصے سے عرب ممالک کے سرکاری موقف کی بنیاد تھا، یعنی اسرائیل کی موجودگی والے بین الاقوامی فورمز میں عدم شمولیت۔ کانفرنس میں "امن" کا پرچم بلند کیا گیا، اور ایک ایسی فلسطینی ریاست کے قیام کی دعوت دی گئی جو اسرائیل کے ساتھ زندگی گزارے۔ لیکن اختتامی بیان انصاف کے جوہر سے خالی، اور مبہم و غیر مؤثر جملوں سے پُر تھا۔ اس میں قابض فریق (اسرائیل) پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی، اور نہ ہی مظلوم فریق کو کسی بھی طرح کا انصاف دیا گیا۔ بیان میں کوئی واضح اور صریح عہد شامل نہ تھا، بلکہ وہ چند رسمی جملوں سے آگے نہ بڑھ سکا، جن میں کہا گیا تھا کہ مذاکرات دوبارہ شروع ہوں گے اور ان کا مقصد اگلے سال ۲۰۰۸ء کے اختتام سے پہلے ایک حتمی حل تک پہنچنا ہو گا۔

لیکن حقائق نے ان تمام دعوؤں کو جھوٹا ثابت کر دیا، کیونکہ اسرائیل اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا، اور مقبوضہ علاقوں میں اپنی آبادکاری کے توسیعی منصوبوں کو مزید بڑھاتا چلا گیا۔ اس نے غزہ پر محاصرہ مسلط کیے رکھا، اس کے باشندوں پر ظلم و ستم ڈھائے، القدس اور باقی تمام مقبوضہ علاقوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا، اور وہاں کے باشندوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ اس تمام تر صورتحال کے دوران، امریکہ بدستور مکمل طور پر یہودی ریاست کے ایجنڈے اور مطالبات کے ساتھ کھڑا رہا۔

اس کانفرنس کو امت کے اہلِ بصیرت نے رد کر دیا اور اسے ایک خیانت، حقوق میں صریح کوتاہی، اور اصولوں سے انحراف قرار دیا۔ اس کانفرنس نے غاصب کو مزید وقت فراہم کیا تاکہ وہ بلا کوئی قیمت چکائے اور بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی گرفت مضبوط کرے۔ یہ صریح طور پر صلیبیوں اور یہودیوں کے دسترخوان پر مذموم سی خواہش کی علامت تھی، اور باطل کو قانونی شکل دینے میں شراکت داری کا ایک نمونہ۔

یوں یہ کانفرنس ویسے ہی ختم ہوئی جیسے شروع ہوئی تھی، ایک نمائشی سیاسی منظر، جس کا مقصد صرف یہ تاثر دینا تھا کہ کچھ پیش رفت ہو رہی ہے، اور یہ کہ امن اب بھی ممکن ہے۔ جبکہ درحقیقت، زمین پر حق مٹ رہا ہے، اور قابض مزید درندگی اختیار کر رہا ہے۔

"انابولس" بھی باقی تمام نام نہاد امن کانفرنسوں کی طرح ختم ہوئی، ایسے وعدے جو کبھی پورے نہیں ہوتے، وہ حقوق جو کبھی نہیں ملتے، اور حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ کانفرنس ایسی بے جان بدلی کی مانند تھی جو نہ بارش لاتی ہے نہ کسی کے کام آتی ہے۔

زمین اب بھی صہیونیوں کے قبضے اور سائے تلے کراہ رہی ہے، حق اب بھی بے یار و مددگار منتظر کھڑا ہے، اور اسے نجات دلانے کا واحد راستہ صرف جہاد کی راہ ہے، اور مظلوموں کی امداد صرف مجاہدین کے عزائم سے ممکن ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: "انابولس: ایک خیانت" از شیخ ایمن الظواہری۔

اور اس شرمناک مؤقف پر ان کے اصرار کی ایک وجہ، ملت، امت اور فلسطینی مسئلے سے خیانت کے علاوہ، ان کا یہ خوف بھی تھا کہ کہیں وہ بالکل منظر نامے سے غائب نہ ہو جائیں۔ اسی لیے خلیجی حکام اس جنگ میں امریکہ سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ یہ ان کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ ہے، یعنی یا تو وہ باقی رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے، اور وہ اپنی تقدیر دو حالتوں میں بالکل واضح دیکھ رہے ہیں:

١. اگر امریکہ نے ایران پر ایسے طاقتور عسکری حملے کرنے سے انکار کر دیا، جو ایران کو کئی عشرے پیچھے دھکیل دے

٢. یا اگر امریکہ نے جنگ میں قدم رکھا مگر درمیانی یا طویل مدت میں وہ جنگ ہار گیا، تو ایرانی اثر و رسوخ کا پھیلاؤ شروع ہو جائے گا اور وہ خطے کی ریاستوں پر اپنی بالادستی قائم کرنا شروع کر دے گا۔

خلیجی حکمران اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایران کے رہنما اور ان کے حامی اُن کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو انہوں نے صدام حسین کے ساتھ کیا تھا، یعنی قربانی کی طرح انہیں سب کے سامنے عید کے دن ذبح کر دیں گے، اور ان کا جواز یہ ہو گا کہ خلیجی حکمران تو صدام کے حلیف تھے، جب اس نے امریکہ کی طرف سے ایران کے خلاف پہلی خلیجی جنگ لڑی تھی۔

کیا ریاض کے حکمرانوں نے خود تہران کے سامنے اس بات کا اعتراف نہیں کیا کہ انہوں نے اس جنگ میں صدام کی پچیس ارب ڈالر کی مالی مدد کی تھی؟

یہ اعتراف ایران کے پاس باقاعدہ محفوظ اور قلم بند ہے، اور وہ اسے مناسب وقت پر، اپنے فائدے کے لیے، استعمال کرے گا۔

جنگ اور اس کے سنگین و خطرناک اثرات پر بات چیت سے پہلے میں ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ، واللہ اعلم، میں کسی قوم کے لیے صرف نسل یا نسب کی بنیاد پر تعصب نہیں رکھتا، اور اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں ایمان کی نعمت عطا فرمائی۔

پس سلمان فارسیؓ اور بلال حبشیؓ، اگرچہ وہ عجم سے تھے، ہمارے اولیاء اور سردار ہیں، اور ابن سلول خزرجی اور ابو لہب ہاشمی، اگرچہ وہ عرب تھے اور ہمارے زیادہ قریبی نسب والے تھے، ہمارے دشمن ہیں، کیونکہ اصل معیار اسلام اور تقویٰ ہے، نہ کہ وطن یا قومیت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات: ١٣)

”بے شک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔“

ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو زبان سے کچھ کہیں لیکن دل میں کچھ اور ہو، بلکہ اللہ کے فضل سے ہمارے اعمال نے ہماری باتوں کی تصدیق کی ہے۔

ہم نے قحطان اور عدنان کے عرب حکمرانوں سے برأت کا اعلان کیا ہے اور اُن کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں، حالانکہ وہ ہمارے ہم قوم ہیں۔

جبکہ ہم نے ملا محمد عمر، جو افغانستان کے امیر المومنین ہیں، کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہم پر راضی ہوئے اور ہمارے دل مطمئن ہوئے [3]، رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تعمیل میں:

اسمعوا وأطيعوا وإن تأمّر عليكم عبدٌ حبشيٌّ يقودكم بكتاب الله [4]

”سنو اور اطاعت کرو، چاہے تم پر کوئی حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہاری اللہ کی کتاب کے مطابق قیادت کرے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے قوم پرستی اور نسلی تعصب سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

دعوها فإنها منتنة [5]

”اسے (عصبیت) چھوڑ دو، بے شک یہ بدبودار (گندی) چیز ہے۔“

پس جو اپنے ایمان کی قدر کرتا ہے، وہ ہر اس دعوت سے نفرت کرتا ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور بنیاد پر ہو، چاہے وہ قومیّت کے نام پر ہو، یا وطنیت کے، یا اس جیسی کسی اور چیز کے نام پر ہو۔

---

[3] شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تبصرہ فرمایا:
شاید یہ موقع اس بات کے لیے موزوں ہو کہ ہم اس مسئلے میں اپنا موقف، اپنے اصول اور بنیاد کو واضح کریں، اور اس پر تاکید کے ساتھ لوگوں کے لیے وضاحت کریں، نیز (بعض بڑے حضرات کی جانب سے) ممکنہ طور پر کی جانے والی اشاعت سے قبل پیش بندی کے طور پر یہ وضاحت ضروری ہے، ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں، وہ یہ کہ مثلاً یوں کہا جا سکتا ہے:
ہم اپنے عہد پر ان شاء اللہ قائم ہیں، دین، وفاداری اور دیانت کے ساتھ (جو اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے)، اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے حق پر ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہم اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں کہ وہ ہم سے راضی ہو اور ہم نہ بدلنے والے ہوں، نہ بدلنے والے بنیں، نہ فتنہ ڈالنے والے ہوں، اور نہ فتنے میں پڑنے والے۔

[4] النسائي (٢٧٢٧٠) و أحمد (٤١٩٢).

[5] البخاري (٣٥١٨) ومسلم (٢٥٨٤).

اور میں تاکیداً کہتا ہوں کہ میں نہ کسی تعصب میں مبتلا ہوں، اور نہ ہی کسی (ذاتی) رائے کا پابند، بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے پر قائم ہوں، اُس کی عظیم کتاب (قرآن)، اُس کے عظیم نبی ﷺ کی سنت، اگر کہا جائے تو اُس فہم کے مطابق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقشِ قدم پر خیر القرون میں چلنے والوں کا تھا۔

اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کو ایک نصیحت

اللہ گواہ ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ حق کا پیغام تمام اہلِ قبلہ، بلکہ شاید زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ تمام انسانوں تک پہنچاؤں، تاکہ وہ اسے پہچانیں، اس پر عمل کریں اور ہم سب مل کر اللہ کے اذن، اُس کی رحمت اور فضل سے جنت میں داخل ہوں۔

اے میری عزیز امتِ مسلمہ! ہمارا حال آج اُن ''فریب دینے والے برسوں'' سے کچھ مختلف نہیں، جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی، جب آپ نے فرمایا: سيأتي على الناس ...[٦]

آج بہت سے اہلِ سنت اپنے دین کے معاملے میں دھوکے میں ڈال دیے گئے ہیں، اور خود انہیں اس کا شعور بھی نہیں، یہ سب کچھ ظالم حکمرانوں اور علمائے سوء کے ہاتھوں ہوا۔

پس، اے بندگانِ خدا! اپنے ایمان اور اسلام کا جائزہ لو، اور اُسے درست کرو۔

اور میں نے اس معاملے کی وضاحت کے لیے ایک تحریر لکھی ہے جس کا عنوان ہے: ''بیان الإیمان'' پس جو چاہے، وہ اُسے پڑھ لے۔

پھر میں کہتا ہوں: بے شک مسلمان وہی ہے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کرے، اور یہی حقیقی بندگی ہے، اس شخص کی جو دل سے اور سچائی کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔

پس اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کے سامنے بعض امور میں تو سر جھکائے، جیسے نماز اور روزہ، لیکن دیگر معاملات میں اس کے حکم کو نہ مانے، بلکہ کسی حاکم یا ایسے ظالم و جابر شخص کی اطاعت کرے جس کے پاس مادی یا معنوی اقتدار ہو اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر حلال و حرام کے فیصلے کرے جیسے سود کو حلال قرار دینا یا اللہ کے دین کے مخالف انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور دستور نافذ کرنا، یا کھلے اور معلوم کفار کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرنا، تو ایسا شخص اللہ کی اطاعت اور طاغوت کی اطاعت کو جمع کرتا ہے، اور یہ شرک اکبر ہے، جو انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے!

پس ضروری ہے کہ ہمارے مؤقف دینِ حق اسلام کو منبع بنائیں، وہ دین جو صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کا منبع و مرکز ہے۔

جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الإِيمَانِ: الحُبُّ فِي اللهِ، وَالبُغْضُ فِي اللهِ[٧]

''یقیناً ایمان کی سب سے مضبوط کڑی اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی رکھنا ہے۔''

بے شک وہ طریقہ کار یا منہج جسے اہلِ سنت سے منسوب حکومتیں اپنائے ہوئے ہیں، درحقیقت اس کا اسلام سے کوئی حقیقی تعلق نہیں۔

یہ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتی ہیں، اللہ کی شریعت کے مطابق نہیں۔ یہ ''لا إله إلا الله'' کے تقاضوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتی ہیں اور یہ ایک واضح اور نمایاں طور پر شریعت کی مخالفت ہے۔

یہ روش ایسا ''کفرِ اکبر'' ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اور یہ لوگ عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، ان کے ساتھ فریب سے معاملہ کرتے ہیں، لہٰذا ان سے بیزاری کا اظہار کرنا اور ان کی مخالفت کرنا واجب ہے۔

جس طرح ایران اور دیگر جگہوں پر شیعہ فرقے کی قیادت ہے، ان کے تمام قائدین اور دینی مراجع دینِ اسلام کے بعض ظاہری شعائر کو تھامے رکھتے ہیں اور اسلام کے نام استعمال کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں اور عملی میدان میں ایران میں بالادستی اسلام کی نہیں، بلکہ حلال و حرام کے فیصلوں میں ان رہنماؤں، مراجع، فرقے اور ان کے محدود ذاتی مفادات کو حاصل ہے۔ اور یہ ایک شرکِ اکبر ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔[٨] اور ان کا بعض

---

[٦] پوری حدیث یہ ہے:
سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ.» قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ ابن ماجه(٤٠٣٦) واللفظ له، وأحمد(٧٩١٢).
''ایسے دھوکہ دینے والے زمانے لوگوں پر آئیں گے کہ ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا، خائن کو امین گردانا جائے گا اور امانت دار کو خائن قرار دیا جائے گا اور ان زمانوں میں رویبضہ بولے گا۔ پوچھا گیا: رویبضہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ گھٹیا شخص جو لوگوں کے اہم امور میں بات کرے۔''

شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر اپنی معروف غیر مطبوعہ تحریر ''بیان الإیمان'' میں تبصرہ کیا تھا، مگر یہ رسالہ شائع نہ ہو سکا لیکن یہ مسودہ شیخ عطیہ اللہ، ابو یحییٰ، اور ابو الحسن کے تعلیقات کے ساتھ محفوظ رہا، یہاں تک کہ بعد میں ''دستاویزاتِ ایبٹ آباد'' کی دوسری قسط میں یہ منظر عام پر آیا۔
دیکھیے: ''الأعمال الكاملة للشيخ عطية الله'' ٣/١٩٨٣-١٩٨٩
مزید دیکھیے: ''الأعمال الكاملة للشيخ أبي يحيى'' ٣/٢٦٩٢-٢٦٩٩

[٧] مسند الطيالسي(٧٨٣).

[٨] شیخ اسامہ بن لادنؒ نے شیخ مصطفی ابو الیزیدؒ کے نام ایک خط میں فرمایا: (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

ظاہری اسلامی شعائر پر عمل محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے، لہٰذا تہران کے رہنماؤں اور ان جیسے دیگر افراد سے لاتعلقی اختیار کرنا اور ان سے دشمنی رکھنا بھی ضروری ہے۔[٩]

ان دونوں گروہوں (یعنی رافضیوں اور بعض نام نہاد اہلِ سنّت) پر دلائل بہت زیادہ ہیں، اور اس موضوع کی تفصیل طویل ہے، لیکن ہم یہاں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کے خلاف افغانستان میں امریکہ کی مدد کی۔

اہلِ اسلام اور سنّت سے وابستگی کا دعویٰ کرنے والوں میں بہت سے لوگ ایک بڑے فریب کا شکار ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین پر ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ بادشاہوں کے دین پر ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ آیا وہ معذور ہیں یا نہیں، کیونکہ یہ ایک فقہی تفصیل طلب مسئلہ ہے۔

یہی بڑی فریب کاری شیعہ مذہب سے منسوب لوگوں میں بھی ہے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین پر ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ اپنے علماء و مراجع اور بڑوں کے بنائے ہوئے ”بڑوں کے دین“ پر ہیں، جو ان کے لیے خود احکام بناتے ہیں، حلال و حرام کا فیصلہ اللہ کے بجائے خود کرتے ہیں، اور وہ ان کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہود و نصاریٰ کے اس طرزِ عمل سے خبردار فرمایا ہے، جنہوں نے اپنے علماء کو اللہ کے سوا حلال و حرام کے احکام دینے والا مانا، چنانچہ وہ شرک میں مبتلا ہوگئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(سورۃ التوبۃ: ٣١)

”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا۔“

اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان علماء اور سرداروں کی اطاعت سے خبردار فرمایا ہے جو ہدایت پر نہیں ہوتے:

اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا(سورۃ الأحزاب: ٦٧)

”بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تھی۔“

اب میں جنگ کے ممکنہ نتائج پر گفتگو کرتا ہوں کہ اگر جنگ ہوئی، تو اس کے کئی ممکنہ نتائج ہو سکتے ہیں۔

ان میں سے ایک اہم احتمال وہ ہے جس کی خلیجی حکمران تمنا رکھتے ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں، یعنی ایران کی شکست اور امریکہ کی قیادت میں قائم صلیبی صہیونی اتحاد کی فتح۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے نہایت ہی خطرناک نتائج ہوں گے۔

”اس وقت ہمیں جو کچھ کرنا چاہیے، وہ اس پس منظر میں ہے کہ دونوں طرف سے جنگ کے نقارے بجنے لگے ہیں۔ امت کے سامنے صورتِ حال یوں بیان کی جائے کہ ہمارے لیے خطرہ ہر دو صورتوں میں موجود ہے: چاہے صلیبی صیہونی اتحاد جیت جائے یا تہران، کیونکہ دونوں ہماری امت پر غلبے کی کوشش میں ہیں۔
لہٰذا لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ وہ کسی بھی فریق کی طرف نہ جھکیں، صحیح راستہ صرف جہاد اور مجاہدین کی مدد ہے، خاص طور پر عراق میں، جہاں مجاہدین دونوں فریقوں سے لڑ رہے ہیں۔
علمائے حق اور مخلص داعیوں کو منظم مہم کے تحت اسلامی دنیا میں متحرک کیا جائے، تاکہ امت کو ان تمام فریقوں کے خطرات اور نقصانات سے آگاہ کیا جاسکے۔ اس دوران گفتگو سادہ، واضح، مختصر اور نرم ہو، تاکہ عام لوگوں کو بات سمجھ آسکے، بالخصوص عام شیعہ عوام کو بچانے کی کوشش بھی ملحوظ ہو۔
لیکن یہ کام متوازن ہو، ایک طرف صلیبی صیہونی اتحاد اور ان کے مرتد ایجنٹوں پر، اور دوسری طرف تہران کے رافضی پیشواؤں پر جو دجال صفت ہیں، جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں، مگر ان کا مذہب اور عقیدہ اسلام دشمنی اور اس کی تباہی پر قائم ہے۔ یہ حقیقت واضح کی جائے اور امت کو ان سے خبردار کیا جائے۔
ہمیں صرف ان کے تاریخی جرائم کا نہیں، بلکہ آج کے واضح جرائم کا بھی ذکر کرنا چاہیے، جنہوں نے طالبان حکومت کو گرانے اور عراق پر قبضہ کرنے کے لیے امریکیوں کی مدد کی، اس میں تہران اور اس کے وفادار تمام ملیشیائیں شامل ہیں۔ یہی لوگ ہمارے بھائیوں کو عراق میں قید خانوں میں بدترین تشدد اور دن دہاڑے زندہ جلانے جیسے مظالم کرتے رہے۔
ایسے حالات مزید انتظار کی گنجائش نہیں، خاص طور پر جب ایران میں ہمارے قیدی بھائیوں کی حالت یہ ہو کہ تہران کی حکومت انتہائی بے شرمی سے مجاہدین کو ان کی عورتوں اور بچوں کے ذریعے بلیک میل کرتی ہے۔“
شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”لقاء الحسبة“ میں فرمایا:
”ان باتوں میں سے جن پر توجہ دینا ضروری ہے، یہ ہے کہ یہ دونوں دشمن [صلیبی اور رافضی] آپس میں اختلاف اور جھگڑے میں مبتلا ہیں، دونوں خوف کی حالت میں اور مشکل حالات سے دوچار ہیں اور دونوں اپنی طاقت کے مطابق اپنے دشمن کے دشمنوں کو اپنے ساتھ ملانے یا کم از کم غیر جانبدار کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔ صورتحال نہایت پیچیدہ ہے اور خطہ کسی بھی وقت ممکنہ تصادم کی لپیٹ میں آسکتا ہے، فتنے بہت شدید ہیں اور دشمن معمولی یا کمزور نہیں، بلکہ چالاکی اور دھوکہ دہی میں خوب تربیت یافتہ ہیں (اللہ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے)، میں نے کچھ لوگوں میں یہ رجحان محسوس کیا ہے کہ وہ رافضی خطرے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ بے شک، واللہ، یہ ایک بڑا خطرہ ہے، لیکن مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگ اس خطرے کی شدت اور اس کی ترجیح کے بیان میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ میری رائے میں، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اسلامی جہادی تحریک پر لازم ہے کہ وہ ثابت قدم رہے، اپنی خود مختاری اور پاکیزگی کو برقرار رکھے، اور کسی بھی فریق کے ساتھ، خواہ وہ کتنی بھی طاقت رکھتا ہو، اس تنازع کو بھڑکانے یا اس کی طرف کھینچنے سے گریز کرے، بالخصوص سب سے بڑے اور طاقتور دشمن، یعنی امریکی صلیبی دشمن اس کے حلیفوں اور ساتھیوں کے ساتھ۔“”الأعمال الكاملة للشيخ عطية الله“(١/٦٦٦) الطبعة الثانية.
[٩] شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ”سیاسی قیادت کی بعض باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ گویا جنگ کا اعلان ہے، لہٰذا اس پہلو پر غور کرنا چاہیے۔ ان (روافض) سے لاتعلقی کی دعوت دینا ہی کافی ہے، کیونکہ یہی دینی دشمنی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ بات نہایت مناسب ہے کہ ہم روافض کے بارے میں اجماعی مؤقف میں سے کچھ وضاحت ضرور کریں، مثلاً: بے شک رافضی ایک باطل دین پر ہیں، جس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، وہی اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا۔ ان کا دین ائمہ کی تعظیم و تقدیس پر قائم ہے یہاں تک کہ وہ ان کی عبادت تک کرتے ہیں، اس میں شدید فرقہ وارانہ اور نسلی تعصب پایا جاتا ہے اور یہ دین، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے برأت پر مبنی ہے، نیز یہ دین اُن کے سرداروں اور بڑوں کی خواہشات و اقوال سے اخذ شدہ ہے۔(”حزب اللات والقضية الفلسطينية“ از مجموعہ: الأعمال الكاملة، الطبعة الثانية)۔
تفصیل کے لیے دیکھیں: ”حزب اللات والقضية الفلسطينية: رؤية كاشفة“ في ”الأعمال الكاملة للشيخ عطية الله“(١/٦٠٩-٥٦١) الطبعة الثانية.

یہ دراصل اس بات کا اظہار ہے کہ پورا خطہ مکمل طور پر اس کافر، فاجر اتحاد کی پالیسیوں کے تابع اور اس کے سامنے جھک جائے گا۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ خطے کو مغرب زدہ بنایا جائے گا، جزیرۂ عرب کی شناخت کو بدل دیا جائے گا، اور اسے امریکی صہیونی غرور کے مطابق غلام بنا دیا جائے گا۔

اور جو کوئی یہ جاننا چاہتا ہو کہ جزیرۂ عرب اُس ظالم اتحاد کے بعد کیسا ہو گا، تو وہ مغربی کنارے اور غزہ میں ہمارے فلسطینی بھائیوں کی حالت دیکھ لے، جو اسی اتحاد کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، وہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرتے ہیں، گھروں کو تباہ کرتے ہیں، کارخانوں پر بمباری کرتے ہیں، کھیتوں کو روندتے ہیں، اور بہترین زرعی زمینیں چھین لیتے ہیں۔

انہوں نے مغربی کنارے کی پوری پٹی کو سینکڑوں سکیورٹی چوکیوں میں تقسیم کر رکھا ہے تاکہ اس کے باشندوں کو ذلیل اور رسوا کیا جا سکے۔ اور غزہ میں ہمارے پندرہ لاکھ بھائیوں کو ایک بڑے قید خانے میں قید کر رکھا ہے تاکہ وہ بھوک، بیماری اور غذائی قلت کے باعث مر جائیں اور جب یہودی چاہیں ان سے بجلی اور پانی کاٹ دیں گے، جب چاہیں گے تو راستے بند کر دیں گے اور پھر وہاں صرف مصائب ہی مصائب ہوں گے! پوری دنیا، خاص طور پر عرب اور مسلم حکمران، اس بڑی انسانی تباہی سے غافل ہیں!"[10]

دوسرا امکان یہ ہے کہ ایران درمیانے یا طویل عرصے میں فتح حاصل کر لے، اور اس کے بھی سنگین اثرات اور نتائج ہوں گے، کیونکہ ایران دینِ حق کی نمائندگی نہیں کرتا اور وہ انسانیت کو وہ پیغام نہیں دے گا جو اللہ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعے بھیجا تھا اور دین خالص اللہ کے لیے نہیں ہو گا۔"

میرے مسلمانو بھائیو، میں آپ کو ایک تجربہ کار عالمِ دین کی طرف سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو عرب اور فارس کے روافض کے بارے میں ہے، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ صدام حسین کے ہاتھوں جو ظلم و ستم ہوا ہے، یہ سب اس تباہی کے سامنے کچھ نہیں جو خطے اور اس کے باشندوں کو اس فرقے کے ظلم، فساد اور عقائد کی بدولت درپیش ہے۔ ان دونوں میں فرق بالکل ویسا ہے جیسا دریا اور سمندر میں ہے۔

لوگ صدام اور اس کی جماعت کے جرائم کو رافضی درندوں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں ہیچ سمجھیں گے، جو لوگ ان روافض کی قدیم اور جدید تاریخ کا علم رکھتے ہیں اور ان کے اہلِ سنت کے ساتھ دھوکہ دہی کے واقعات جانتے ہیں، انہیں علم ہے کہ میرے الفاظ ان کے عظیم خطرے کی مکمل وضاحت نہیں کر سکتے، کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ ان کی غداریوں سے بھری پڑی ہے۔

ان کی مسلمانوں سے غداری، خیانتیں اور مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں و صلیبیوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کی مدد ایسی حالت میں تھی جب وہ (روافض) کمزور تھے اور ان کے پاس کوئی ریاست نہیں تھی۔

لیکن آج جبکہ ان کے پاس ایران میں ایک ریاست قائم ہو چکی ہے، عراق میں ایک ریاست ہے، اور وہ شام میں بھی ایک ریاست قائم کرنے کی کوشش میں ہیں تو اب ان کے بارے میں کچھ کہنے کی حاجت ہی نہیں، بلکہ بس عقل والوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دیکھیں کہ عراق میں اہلِ سنت پر روزانہ ان کے ہاتھوں کیا گزرتی ہے؟ اغوا، تشدد، قتل، خونریزی، عزتوں کی پامالی، مساجد اور قرآن مجید کی بے حرمتی جیسے جرائم ان کے ہاتھوں انجام دیے جا رہے ہیں۔

اگر آپ ان کے عقائد کا کچھ مطالعہ کریں تو آپ کو ان کے ان وحشیانہ افعال پر حیرت نہ ہو، کیونکہ وہ تمام صحابۂ کرام کو سوائے چند ایک کے کافر سمجھتے ہیں، اور صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا پر وہ بہتان لگاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے واضح قرآن میں بری کر دیا ہے، اور یہ بہتان صریح کفر ہے۔

اور وہ اہلِ سنت کو قتل کرنا سب سے بڑی نیکی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ شاید انسانیت نے روافض سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والی کوئی قوم نہ دیکھی ہو گی۔

---

[10] شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیجی حکام کی طرف سے "ایران پر امریکہ کی فتح کی تمنا اور اس کے لیے کوشش" کے امکان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"میری رائے میں، اگرچہ یہ بات مجموعی طور پر درست ہے، لیکن اس کی نشاندہی کرنا ضروری ہے کہ خلیج اور اس خطے کے حکمران خائن اور زندیق ہیں۔ اگرچہ وہ واقعی امریکہ کی ایران پر فتح کو ترجیح دیتے ہیں، اس کی حمایت کرتے ہیں اور اسے چاہتے اور پسند کرتے ہیں، تو یہ ان کی جانب سے ایک ترجیح، انتخاب، اور فیصلہ ہے جو شک و شبہ، اضطراب اور بے چینی سے خالی نہیں۔

وہ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں اور اس سے خوف زدہ بھی ہیں کہ اگر امریکہ غالب آ گیا اور اس کی بالادستی مکمل اور بلا مزاحمت ہو گئی، تو یہ ان کی مطلق بادشاہت، ان کے تخت و تاج اور اقتدار کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ اس صورت میں وہ پوری طرح امریکہ کے زیرِ اثر آ جائیں گے، اور تب امریکہ جب چاہے گا، انہیں ہٹا کر ان کی جگہ کسی اور کو لا سکتا ہے جو اسے زیادہ خدمت، وفاداری اور غلامی پیش کرے۔

عرب حکمران اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس سے خائف بھی ہیں۔ وہ دراصل دو خطرناک راستوں کے بیچ کھڑے ہیں، مگر وہ اس راستے کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کی سفلی خواہشات کے زیادہ قریب ہے، یعنی اپنے اقتدار اور بادشاہت کو باقی رکھنا۔ اور وہ جانتے ہیں کہ فی الحال اس اقتدار کو برقرار رکھنے کا راستہ صرف امریکہ سے وفاداری، اس کے ساتھ کھڑا ہونا، اس کی خدمت کرنا اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں اور انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے دیا ہے، اور ہم گمان رکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، وہ اب رجوع نہیں کریں گے۔ ورنہ سچ بات تو یہ ہے کہ حل اور صحیح راستہ بالکل واضح ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام کا ساتھ دیا جائے، امتِ اسلام کا ساتھ دیا جائے، اور اسلام و مسلمانوں کے وفادار بن کر رہا جائے۔"

اے عزیز امت! معاملہ نہایت سنگین ہے، مصیبت بہت بڑی ہے، اور یہ اب خواب یا خیالات کی بات نہیں رہی، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو ہر روز بغداد اور اس کے آس پاس اہلِ سنت کے قدموں تلے زمین کو لرزا دیتی ہے۔ جانیں لی جا رہی ہیں، خون بہایا جا رہا ہے، عزتیں پامال ہو رہی ہیں، اور ہم اللہ ہی سے فریاد کرتے ہیں، وہی ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

آج کئی ملکوں میں رافضیوں اور منافقوں کے سر اٹھنے لگے ہیں، خصوصاً شام اور خلیجی ممالک میں، جو موقع کی تلاش میں ہیں تاکہ ایران اور عراق میں اپنے بھائیوں سے مدد لیں اور انہی کے نقشِ قدم پر چلیں۔ علی السیستانی، عبد العزیز الحکیم، نوری المالکی، اور مقتدیٰ الصدر، سب کے سب ایک جیسے ہیں، مقتدیٰ الصدر نے تو اپنے ملیشیا کے افراد کو اکسایا کہ وہ عراق میں اہلِ سنت کی عورتوں اور بچوں کو عام سڑکوں پر سب کے سامنے آگ لگا کر جلا ڈالیں۔

ان افعال میں کوئی فرق نہیں جو حسن نصر اللہ لبنان میں کر رہا ہے یا حسن الصفار مشرقی سعودی عرب میں کر رہا ہے، یہ سب اس عقیدے پر قائم ہیں کہ اہلِ سنت کو قتل کرنا اور اُنہیں جلانا اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اصل فرق ان کے درمیان صرف اس بات میں ہے کہ ہر گروہ نے اپنے نظریے میں کس مرحلے تک رسائی حاصل کی ہے اور یہ بھی کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کی سیاسی صورت حال کس بات کا تقاضا کرتی ہے، چاہے وہ کسی بات کا کھلم کھلا اعلان ہو یا خاموشی، لیکن انجام اور آخری نتیجہ سب کا ایک ہی ہے۔

اگر انہیں جہاد کے بغیر چھوڑ دیا گیا تو یہ سب اسی منزل تک پہنچیں گے۔ اور اگر عراق میں ان کو دبایا گیا اور شکست دی گئی، تو ان کے باقی ساتھی دوسرے ملکوں میں وقتی طور پر پیچھے ہٹ جائیں گے۔

اور وہ علاقہ جہاں اسلامی ممالک میں رافضیوں سے چشم پوشی برتی جاتی ہے، ایسا ہے جیسے کوئی اپنے کمرے میں سانپوں اور بچھوؤں کے پھیلنے پر آنکھ بند کر لے۔

اگر اللہ کا فضل اور مجاہدین کی کوششیں نہ ہوتیں تو یہ ساری تباہیاں عراق سے ملحقہ ممالک تک پہنچ چکی ہوتیں۔

اور ہم اللہ کے فضل سے وہ ابتدائی لوگ ہیں جنہوں نے ان کے پھیلاؤ اور توسیع پسندانہ عزائم کا مقابلہ کیا، اگرچہ ہم اللہ کے کرم سے ان رافضیوں اور دیگر لوگوں کے ساتھ بھی سب سے زیادہ رحم دل اور ان شاء اللہ سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں، اور ہم اللہ سے اس کا فضل مانگتے ہیں۔

اور آپ کے مجاہد بھائیوں کے مؤقف اللہ کے فضل سے بالکل واضح ہیں، لیکن ان لوگوں میں سے بہت سے جو اپنے متعلق علم و فقہ کا دعویٰ کرتے ہیں، اُس وقت ہمارے مؤقف پر طعن کرتے رہے جب ہم ایران کے اجرتی رافضی فوجیوں سے برسرِپیکار تھے، جیسے ”جیش المہدی“ اور ”جیش الحکیم“۔ مذکورہ بالا لوگ بیانات جاری کرتے تھے جن میں ہمیں ان سے لڑنے سے روکتے، حالانکہ یہ روافض ہی تھے جو عراق میں قابض دشمن کو مضبوط کرنے کا ذریعہ تھے۔

میں ہمیشہ خبردار کرتا رہا کہ اے اہلِ اسلام! اپنے بھائیوں کی مدد کرو، اپنے عراقی بھائیوں کی مدد کرو، کیونکہ وہی پہلا دفاعی مورچہ ہیں اور اُمّت کے دشمنوں کے خلاف ایک مضبوط ڈھال ہیں۔

اور امیرِ محترم، امام ابو مصعب الزرقاویؒ نے ان کے منصوبوں کو بے نقاب کرنے اور ان پر کاری ضرب لگانے میں نمایاں کردار ادا کیا، ایسے وقت میں جب اہلِ کلام، پیچھے بیٹھنے والے، لفظوں کے بازیگر، اور متکبر فقیہ نما لوگ اُن پر طعن کر رہے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مجاہدین کو سمجھ نہیں۔

جبکہ اللہ کے فضل سے سب پر ثابت ہو چکا ہے کہ مجاہدین ہی حقیقت شناس فقیہ ہیں، مردانِ میدان ہیں اور اُمّت انہی پر اللہ کے بعد بھروسہ کرتی ہے کہ وہ مصیبتوں سے نجات دلائیں، اور وہی ان جنگوں کے لیے اصل تیاری اور ذخیرہ ہیں اور خوش نصیب تو وہی ہے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے۔

آپ اس اندھی تباہی اور ہولناک آفت سے نکلنے کے حل کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔

ابتدائی طور پر ضروری ہے کہ ہم کفار پر اپنے علاقے کے دفاع کے لیے انحصار ختم کریں، جیسا کہ ہمارے علاقے کے حکمران سیاست دانوں کا وطیرہ ہے، اور جو دراصل اس بات کا کھلا اعتراف ہے کہ خطے کے ممالک ان کفار کے اثر و رسوخ اور تسلط کے تابع ہیں۔ امریکہ ہی ہے جو اس خطے پر اپنی مرضی کی پالیسی مسلط کرتا ہے تاکہ اپنے مفادات حاصل کرے اور اسی لیے اس خطے کا محافظ بھی بنا ہوا ہے، اور اس خطے کے حکمران محض اس کے ایجنٹ ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے اردگرد کیا کچھ ہو رہا ہے اور ہم سچے دل سے اللہ کے حضور توبہ کریں۔ اس کے بعد ہم پر جو سب سے بڑی ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کریں، جن میں سب سے پہلی چیز ایک اللہ پر ایمان رکھنا، اور عمل کو صرف اسی کے لیے خالص کرنا، جس کا شریک نہیں۔

پھر اس کی شریعت کے مطابق عمل کرنا، اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو جہاں تک ممکن ہو عمل میں لانا، اس کے بعد اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے یعنی اہلِ سنت کو پورے عالم اسلام میں اور خاص طور پر عرب ممالک میں بالخصوص ہمسایہ ممالک اور یمن میں منظم کرنا۔

اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایران کے اندر موجود اہلِ سنت کی مدد اور اس کے ہمسایہ ممالک جیسے افغانستان اور ترکی میں ان کی پشت پناہی کتنی اہم ہے، اور لوگوں کو رافضیوں کے جھوٹ، فریب اور باطل عقائد سے آگاہ کرنا کتنا ضروری ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کویت، عراق اور ایران کے بعض رافضی علماء، رفض کو چھوڑ کر اہلِ سنت کے طریق و منہج پر واپس آ چکے ہیں، کتاب و سنت کی طرف رجوع کر چکے ہیں، اور انہوں نے ہدایت پا لی ہے، لہٰذا ان کی مدد کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اس گمراہ فرقے کے بگاڑ اور فساد کو لوگوں کے سامنے واضح کر سکیں۔

یقیناً زمین پر موجود طاقت کا سرچشمہ اور حقیقی طور پر تشکیل پانے والی قوت، مسلم حکمرانوں اور ان کی افواج میں نہیں۔ یہ لوگ اگر ہم ان کے بارے میں اچھا گمان بھی رکھیں تو بھی فلسطین کو واپس لینے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر کا فلسطین کو یہودیوں کے ہاتھ بیچنے میں ملوث ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

اور عراق پر حالیہ امریکی حملہ اسی خفیہ ساز باز کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھا، جب ان حکمرانوں نے امریکہ کی افواج کو فضاؤں، سمندروں اور میدانوں میں مدد فراہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پس نہ یہ حکمران، نہ ان کی افواج، نہ وہ منافق علماء جو ان کے گرد گھومتے ہیں، ان کی تعریفیں کرتے ہیں، نہ وہ جماعتیں جو اسلامی ناموں سے پہچانی جاتی ہیں اور دہائیوں سے کفری پارلیمانوں کے تحت بیٹھی ہوئی ہیں، ان میں سے کسی کے پاس بھی اس امت کا حل نہیں ہے۔

بلکہ، اس امت کا اصل سرمایہ اور حقیقی طاقت، جس پر اللہ تعالیٰ کے بعد اعتماد کیا جا سکتا ہے، وہ دین، صدق اور عفت کے حامل اس کے مجاہد بیٹے ہیں۔ [12]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

> وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝ (سورۃ النسآء: ۱۴۰)

”اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ کافروں اور منافقوں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔“

اور یہی مجاہدین آج افغانستان میں اللہ کے فضل سے روسی ریچھ کے اس منصوبے کو ناکام بنا چکے ہیں جس کے تحت وہ گرم پانیوں تک رسائی اور اس خطے کے تیل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہی مجاہدین آج صلیبی امریکی سلطنت کے پھیلاؤ کو روک رہے ہیں اور اس کی چالوں سے ہماری امت کا دفاع کر رہے ہیں۔

اے امت مسلمہ! یہ ہیں تمہارے مجاہد بیٹے، جو آج عراق میں اللہ کے فضل سے امریکہ کے منصوبوں کو ناکام و نامراد کر چکے ہیں اور ان کے منصوبوں کو درہم برہم کر دیا ہے، جب کہ صدام کے سقوط کے بعد امریکی سیاست دان، مفکرین اور مصنفین خطے میں جمہوریت کے پھیلاؤ، امریکی توسیع پسندی، اور ”بڑے مشرقِ وسطیٰ“ کے منصوبوں پر مسلسل باتیں کر رہے تھے۔

پس ان خوش نما اور محض باتیں کرنے والوں اور ان لوگوں سے اعراض کرو، جو حقیقت پسندی، اعتدال پسندی، مثبت اقدامات وغیرہ کے نام پر تمہیں کمزوری، پیچھے ہٹنے اور مایوسی کی تلقین کرتے ہیں۔ اور پہچانو اُن لوگوں کو جو واقعی علمِ نافع، نیک عمل، تقویٰ، صدق، اور اللہ، اُس کے دین اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کے حامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اک نظر ادھر بھی

کسی اہم پلیٹ فارم پر بولنا تو در کنار آپس میں بھی اس متعلق بات نہیں کرنا چاہتے۔ جس طرح سیاسی اشرافیہ، بیوروکریسی، عدلیہ، میڈیا اور دیگر شعبوں میں اہم شخصیات کو پاکستان پر قابض جرنیل اپنے بیانیے کے فروغ کے لیے استعمال کرتے ہیں یہی صورتحال بزنس سیکٹر میں بھی ہے۔ کرپٹ اہم کاروباری شخصیات فوج کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور فوج انہیں چور راستے فراہم کرتی ہے، بطور معاوضہ کہ وہ اپنے کاروبار کو پھیلائیں۔ لیکن ہم سب کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ جھوٹ، فریب، ظلم اور انصافیوں پر مبنی اس گھن چکر کو واپس ہم ہی پر پلٹ دے۔ آج ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے کہ اس کا اپنا طرزِ عمل کیا ہے؟ یہی کہ اپنی نوکری اور کاروبار محفوظ رہے۔ اپنے سامنے غلط ہوتا ہوا دیکھو لیکن خاموش رہو۔ کیا اس ظالمانہ نظام پر دل میں کوئی کڑھن بھی ہے؟ کوئی فکر و پریشانی بھی ہے؟ کوئی جستجو بھی ہے کہ اسے ٹھیک کیا جائے؟

☆☆☆☆☆

[12] شیخ عطیۃ اللہ نے فرمایا: یہی مجاہد ہی ان مسائل کا حل نکال سکتے ہیں نہ کہ یہ حکمران۔

صہیونیوں اور ایران کے مابین جنگ کی بابت بیان

قاعدة الجهاد في جزيرة العرب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل الظلمات والنور، ثم الذين كفروا بربهم يعدلون،
والصلاة والسلام على البشير النذير، الهادي إلى سواء السبيل، وعلى آله
وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد:

حق اور باطل کا معرکہ ازل سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ حق ایک ہی ہے، اس میں کوئی تعدد نہیں، جبکہ باطل کی کئی صورتیں اور رنگ ہیں۔ لیکن حق اپنی اصل میں ہمیشہ ثابت و قائم رہتا ہے، وہ باطل کی تبدیلیوں اور مختلف شکلوں سے متاثر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہے۔

ہمارے پاس اُس کی وحی موجود ہے، جس کی حفاظت کی اللہ نے خود ضمانت لی ہے، یعنی اس کی کتاب اور اُس کے نبی ﷺ کی سنت۔

اور باطل، چاہے جتنے بھی رنگ بدل لے، یا حق کا لباس پہننے کی کوشش کرلے، مگر آخر کار حق ہی اس پر غالب آتا ہے اور اسے مٹا کر رکھ دیتا ہے۔

بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ(سورۃ الأنبیاء:۱۸)

”بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔“

بلاشبہ امت مسلمہ تاریخ کے ہر دور میں اہلِ باطل کے حملوں کا نشانہ بنتی رہی ہے، جو اس امت کو اس کے دین سے ہٹانے اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ایسے ہر دور میں اہلِ علم اور اہلِ جہاد زبان اور تلوار سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نصرت کے دروازے کھول دیتا ہے، حق غالب ہو جاتا ہے اور باطل کا جھاگ، خواہ وہ لوگوں کی آنکھوں میں کتنا ہی پھولا ہوا نظر آئے، مٹ کر رہ جاتا ہے۔

آج کے دور میں بھی ہماری امت جس آزمائش سے دوچار ہے، وہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب کے ظالم حکمرانوں نے امتِ مسلمہ پر تسلط جما رکھا ہے۔ امت مشرق کے جابروں کے پنجے سے نکلتی نہیں کہ مغرب کے طاغوت اس پر غلبہ پا لیتے ہیں۔

اور غالباً اس صورتِ حال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب وہ شدید کمزوری ہے جسے امت نے ماضی میں بھی جھیلا اور آج تک اس سے دوچار ہے۔ اسی طرح علماء اور مصلحین کی رہنمائی کا کمزور پڑ جانا اور ان کے اثر و رسوخ کی محدودیت بھی ایک بڑا سبب ہے، جو اُن پر مسلط کردہ پابندیوں، قید و بند اور مسلسل نگرانی کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی حقیقت کو مسخ کرنا اور اُن پر طعن و تشنیع بھی ایک منظم مہم کا حصہ رہا ہے۔

ان تمام عوامل کے نتیجے میں بہت سے مسلمانوں کے لیے حق و باطل خلط ملط ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ لیا اور ایسے وقت میں مجرموں کو یہ موقع ملا کہ وہ امت میں کھلم کھلا فساد برپا کریں۔

یہی وجہ ہے کہ آج حق پرست علماء، دیانتدار قائدین اور مجاہدین پر یہ ذمہ داری پہلے سے کہیں بڑھ کر عائد ہوتی ہے کہ وہ مجرموں کے راستے کو واضح کریں، انہیں بے نقاب کریں، عوام کو ان سے خبردار کریں اور مومنوں کے راستے کو نمایاں کریں، اس کی حمایت کریں اور اسے تقویت پہنچائیں۔

اس حوالے سے امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلِتَسۡتَبِيۡنَ سَبِيۡلُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ (سورۃ الانعام: ۵۵)

’اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں (تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہو جائے) اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے۔‘

اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:
وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ (سورۃ النساء: ۱۱۵)

’اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔‘

اللہ تعالیٰ نے مومنین کا راستہ تفصیل سے بیان فرمایا، مجرموں کا راستہ بھی تفصیل سے واضح کیا اور دونوں کے انجام کو بھی پوری وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِن کے اعمال اور اُن کے اعمال، اِن کے دوست اور اُن کے دوست، اُن پر اللہ کی طرف سے محرومی اور ان پر اس کی توفیق مرحمت

ہونا، یہ سب تفصیل سے بیان کیا۔ جن اسباب کے ذریعے اللہ نے مومنین کو توفیق دی اور جن اسباب سے مجرمین کو بدبختی میں مبتلا کیا، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا، کھول کر واضح کیا اور پوری شرح و وضاحت کے ساتھ ان دونوں طریقوں کو سامنے رکھ دیا۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام میں تو پیدا ہوئے، مگر باطل کی تفصیلات سے ناآشنا رہے، چنانچہ ان پر مومنوں کے راستے کی کچھ تفصیلات مجرموں کے طریقے سے مشتبہ ہوگئیں۔ کیونکہ یہ اشتباہ تب ہی پیدا ہوتا ہے جب دونوں میں سے کسی ایک یا دونوں راستوں کا علم کمزور ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'اسلام کی گرہیں ایک ایک کرکے اس وقت ٹوٹتی ہیں جب اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو جاہلیت کو نہ جانتے ہوں۔'

یہ حضرت عمرؓ کے علم کی عظمت کا ثبوت ہے، کیونکہ اگر کوئی جاہلیت اور اس کے احکام کو نہ پہچانے اور جاہلیت کا مطلب ہر وہ بات ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو جو یقیناً جاہلیت ہی ہے۔

پس جو شخص مجرموں کی باطل اور گمراہی کے راستے کو نہ پہچانے اور وہ اس پر واضح نہ ہو، تو قریب ہے کہ وہ ان کے بعض طریقوں کو مومنوں کا طریقہ سمجھ بیٹھے۔

اور یہی کچھ اس امت میں بھی واقع ہوا ہے، بہت سے اعتقادی، علمی اور عملی معاملات ایسے داخل کر دیے گئے جو درحقیقت مجرموں اور کفار کا طریقہ تھے، مگر جن لوگوں نے ان کی حقیقت کو نہ جانا، انہوں نے انہیں مومنوں کے طریقے میں شامل کر دیا، ان کی طرف بلایا اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی، اسے کافر قرار دیا اور اس کے خلاف ان امور کو بھی حلال سمجھا جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

یہی حال بہت سے بدعتی فرقوں کا ہوا جیسے جہمیہ، قدریہ، خوارج، روافض اور ان جیسے دوسرے گروہ، جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کا جامہ پہنایا۔''[1]

آج جو جنگ یہودی ریاست اور اس کے ساتھ مغربی بلاک امریکہ کی قیادت میں ایک جانب، اور ایران اور اس کے حامیوں کی طرف سے دوسری جانب لڑی جا رہی ہے، یہ دراصل ہمارے دشمنوں کے درمیان جنگ ہے، جس میں نہ ہمارا کوئی اونٹ ہے، نہ کوئی خیمہ (یعنی ہمارا اس میں کوئی حصہ یا مفاد نہیں)۔

ایسی حالت میں کسی ایک فریق کا ساتھ دینا حماقت کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ جو بھی فریق غالب آئے گا، بعد میں ہمیں ہی نشانہ بنائے گا۔ بلکہ ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو ہی ختم کر ڈالیں۔

یہودیوں کے جرائم انبیاء کے زمانے سے معروف ہیں، اور چونکہ ان کی دشمنی بالکل ظاہر اور واضح ہے، اس لیے ان کے بارے میں مزید وضاحت کی حاجت نہیں۔

اسی طرح رافضیوں کے جرائم بھی ہمارے تاریخی تجربے میں ثبت ہیں۔ محض یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ:

- خلافتِ علیؓ کے اختتام کے بعد سے رافضی سازشوں میں مصروف رہے اور امتِ مسلمہ کے خلاف چالیں چلتے رہے۔
- فلسطین کی فتح اور معرکہ حطین کو، جو صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں ہوا، تاخیر صرف اسی وجہ سے ہوئی کہ رافضیوں نے صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی کوشش کی، اور صلیبیوں کو مصر پر قابض ہونے کی راہ دینے کی کوشش کرتے رہے۔
- بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ تاتاریوں کے ہاتھوں شیعہ وزیر ابن العلقمی کی سازشوں کی بدولت ہوا اور اس جیسی کئی خونی سازشیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔
- ہمارا حالیہ دور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد طالبان حکومت کو گرانے میں انہوں نے امریکہ کا ساتھ دیا، پھر عراق پر حملے میں مدد کی اور جب امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے بیس سالہ جہاد کے بعد طالبان نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا، تو انہی رافضیوں نے ان کے اقتدار کو روکنے کی کوشش کی۔
- اسی طرح جزیرۂ عرب میں اہلِ سنت کی قوت کو کچلنے میں بھی انہوں نے امریکی منصوبوں پر عمل درآمد میں مدد کی۔

یہ تمام باتیں صرف دعوے نہیں بلکہ صوتی و عکسی شواہد کے ساتھ دستاویزات کی صورت میں موجود ہیں۔

اس موقع پر ہم رابطة علماء المسلمين کے اُس بیان کی تعریف کرتے ہیں، جو انہوں نے جاری کیا۔ جس بیان میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ وہ متحارب فریقین کی اصل حقیقت سے غفلت نہ برتیں، کیونکہ ان دونوں کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی، زمانۂ نبوت اور خلافتِ راشدہ ہی سے عیاں اور بے نقاب ہے۔

[1] الفوائد لابن القيم

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن علماء کو امت کی طرف سے بہترین جزا دے، اور انہیں امت کے ان نگرانوں اور راہنماؤں میں شامل فرمائے، جو حق کو نمایاں کرنے، عقیدے کا دفاع کرنے اور مجرموں کے راستے کو واضح کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

اگرچہ شرعی اور اخلاقی فریضہ یہ ہے کہ امت، اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ، غزہ اور فلسطین میں اپنے مظلوم بھائیوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہو، تاہم یہ دانائی اور حکمت کے خلاف ہو گا کہ یہی ایک مسئلہ ہمیں ان دیگر سنگین اور حساس مسائل سے غافل کر دے، جو امت کے حق میں کسی طور غیر اہم نہیں۔

ہمارا اصل فریضہ آج یہ ہے کہ ہم بطور امتِ مسلمہ، اپنی شناخت، اپنی خود مختاری اور اپنی حقانی شریعت کے ساتھ دنیا کے سامنے اُبھر کر آئیں، ایسی شریعت جو صرف اللہ کی بندگی کی طرف بلاتی ہے اور انسانیت کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات دلاتی ہے، تاکہ وہ صرف اُسی کی بندگی کرے جس کا کوئی شریک نہیں۔

یقیناً، اللہ پر بھروسہ رکھنے کے بعد، ہمارے پاس وہ طاقت اور صلاحیت موجود ہے کہ ہم انسانیت کے لیے وہ مطلوبہ تبدیلی لائیں جس کے نتیجے میں ایک پاکیزہ زندگی حاصل ہو، ظلم و جور کا خاتمہ ہو، ان شاء اللہ۔

اور افغانستان اس حقیقت کا شاہدِ عدل ہے، اور اسی راہ پر آپ کے بھائی مجاہدین صومالیہ میں، مغربِ اسلامی کے خطے میں، جزیرۂ عرب میں، اور برصغیر میں رواں دواں ہیں۔

ہم اس مقصد کے حصول کے لیے درج ذیل اُمور کی دعوت دیتے ہیں:

۱. علماء، داعیانِ دین اور تمام مصلحین پر لازم ہے کہ وہ امت کو روافض اور یہودیوں کے خطرے سے خبردار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، کیونکہ یہ دونوں گروہ امتِ مسلمہ کے لیے سخت ترین شر اور ضرر کا باعث رہے ہیں، اور مسلمانوں پر بیشتر مصیبتیں تاریخ کے ہر دور میں انہی کی وجہ سے رونما ہوئیں۔ یہ بات ''سبیل المجرمین'' کو واضح کرنے کے دائرے میں آتی ہے، خاص طور پر ایسے وقت میں جب عوام پر حق و باطل کے راستے خلط ملط ہو گئے ہوں۔ لہٰذا یہ دعوت اور تبلیغ ہر اُس ممکن ذریعہ سے کی جانی چاہیے جس سے مسلمانوں پر حقیقت واضح ہو، چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ اسی طرح، علماء پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کو یہ خوش خبری دیں کہ اسلام کی صبحِ نو طلوع ہونے والی ہے، اور نصرت و تمکین کا وعدہ اُس رب تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ نیز، مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف پلٹنے کی دعوت دیں، کیونکہ اسی میں ان کی دنیاوی نجات اور اخروی فلاح مضمر ہے۔

۲. مسلمانوں کو کلمۂ توحید کے گرد جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے، کیونکہ ہمارے درمیان اتحاد کے اسباب، اختلاف کے اسباب سے کہیں بڑھ کر موجود ہیں، اور، الحمدللہ، ہمارے پاس قوت و طاقت کے جو اسباب ہیں، وہ ہمارے تمام دشمنوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ ہمیں صرف اپنے نبی ﷺ کی ہدایت کی طرف لوٹنا ہے، جو امت کے اتحاد، عزت، اور کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

۳. اہلِ سنت کی قوت کو ہر مقام پر مضبوط کرنا اور انہیں امتِ مسلمہ کے احیاء کے لیے متحرک اور تیار کرنا نہایت ضروری ہے، نیز مجاہدین کے اس مؤقف کی حمایت اور تائید کی جائے جو وہ دشمنانِ امت کے خلاف اختیار کیے ہوئے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو دعوت دی جائے کہ وہ ان مجاہدین کی پشت پناہی کریں، چاہے وہ پناہ دینے کے ذریعے ہو، یا مال و وسائل کے ذریعے، یا افرادی قوت کے ذریعے، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں، ان شاء اللہ، جو امت کی کھوئی ہوئی عزت اور غلبے کو دوبارہ واپس لائیں گے۔

۴. امت کے وہ افراد جو علمی، مالی، فنی، فکری یا دیگر کسی بھی میدان میں صلاحیت رکھتے ہیں، اُن پر لازم ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام سے ہر قسم کا انحصار ختم کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوں، اور اپنی تمام توانائیوں کو امت کے مفاد میں اس انداز سے بروئے کار لائیں کہ امت کی تعمیر و ترقی اور اس کے قیام میں حقیقی کردار ادا کر سکیں۔

اور آخر میں ہم اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے اس مؤقف میں ایران کی رافضی حکومت کے علاوہ اس ملک میں بسنے والے اہلِ سنت مسلمانوں کو اور ان عام شیعہ عوام کو جو اپنی حکومت کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی میں شریک نہیں، اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہم ان کے لیے عافیت، سلامتی، اور اس حکومت کے ظلم و استبداد سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔

اے اللہ! امتِ اسلام کے لیے رشد و ہدایت والا ایک ایسا نظام قائم فرما، جس میں تیرے اولیاء کو عزت نصیب ہو، اور تیرے دشمنوں کو ذلت و رسوائی، جس میں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔

اے اللہ! عرب و عجم کے تمام ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لے، اے اللہ! یہود و نصاریٰ اور ان کے تمام حلیفوں کو نیست و نابود فرما، اے اللہ! اپنی اس قوت سے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتی، انہیں ہلاک فرما، اور ہمیں اپنی اس عزت کے ذریعے ان پر فتح عطا فرما، جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

وسبحان ربك رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمد لله رب العالمين.

تنظيم قاعدة الجهاد في جزيرة العرب

۳ محرم ۱۴۴۷ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۲۵ء

اسرائیل اور ایران کی جنگ کے بارے میں اعلامیہ

رابطة علماء المسلمين

الحمد لله الذي لا يحب المعتدين و لا يهدي كيد الخائنين ، والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن اهتدى بهديه إلى يوم الدين.

أما بعد:

رابطة علماء المسلمین خطے میں صہیونی ریاست اور ایرانی نظام کے درمیان جاری عسکری تصادم کے باعث پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال کا بغور جائزہ لے رہی ہے، اس موقع پر یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ہمارے اوپر عائد شرعی فریضے اور سیاسی شعور کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے سچ و حق بیان کیا جائے اور امت کو خبر دار کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے ان دونوں دشمنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ صف بندی کے جال میں نہ پھنسیں۔ کیونکہ یہ دونوں دشمن مسلمانوں کا خون بہانے، ان کے ملکوں کو تقسیم کرنے اور ان کے اہم ترین معاملات کو تہ تیغ کرنے کو اپنا مشترکہ ہدف بنا چکے ہیں۔

اوّل: صہیونی ریاست کی بابت: صہیونی قابض ریاست ابتدا ہی سے امتِ مسلمہ کے ان بدترین دشمنوں میں سر فہرست رہی ہے جو اس غاصب ریاست کے فلسطین کی مبارک سرزمین کے قلب میں گھونپے جانے سے لے کر اب تک امت کو تباہ کر رہا ہے۔

غزہ میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، یعنی اجتماعی نسل کشی، منظم طریقے سے ہسپتالوں، سکولوں اور پناہ گزین کیمپوں پر بمباری، عام شہریوں کی جبری ہجرت اور فلسطینی شناخت کو مٹانے کی کوشش، یہ سب صلیبی حمایت کے ساتھ انجام پا رہا ہے، اور یہ جدید دور کے بدترین جرائم اور دہشت گردی کی ہولناک مثال ہے۔ یہ اس کھلے دشمن کی سفاکی کا زندہ نمونہ ہے جو کسی مومن کے ساتھ نہ کوئی رحم کرتا ہے اور نہ ہی عہد کی پاسداری۔

لہٰذا امت کا فلسطین کے ساتھ ہر ممکن طریقے سے کھڑا ہونا ایک شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے، جس میں نہ کسی تاویل یا لیت و لعل کی گنجائش نہیں۔ اور یہ امر ہر گز جائز نہیں کہ اس موقف سے توجہ ہٹانے کے لیے کسی دوسری خطرناک مجرمانہ کارروائی کا استعمال کیا جائے، جس کا ارتکاب بھی امت کے خلاف کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀(سورۃ الحج:۳۹)

”وہ لوگ جنہیں (ناحق) مارا جائے انہیں اذن جہاد دیا جاتا ہے کیونکہ مظلوم ہیں اور بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

دوم: ایرانی صفوی رافضی منصوبے کی بابت: ایرانی صفوی رافضی منصوبہ اس دور کے اُن خطرناک فتنوں میں سے ہے جو امت مسلمہ پر مسلط ہیں، اور یہ بات اب سب پر عیاں ہو چکی ہے۔ یہ منصوبہ بظاہر مزاحمت اور جدوجہد کی آڑ میں چھپتا ہے، مظلومیت اور رواداری جیسے دل فریب نعروں کا لبادہ اوڑھتا ہے، جبکہ درحقیقت یہ امت کی پشت میں گھونپا گیا زہریلا خنجر ہے، اور راکھ میں دبی وہ چنگاری ہے جو موقع ملتے ہی مسلمانوں کے دارالحکومتوں میں بھڑک اٹھتی ہے۔

یہ ایک تاریخی تسلسل ہے جو کینہ، نفرت اور اعتقادی و سیاسی نفاق پر مبنی ہے۔ موجودہ دور میں بالخصوص خمینی انقلاب کے بعد سے یہ منصوبہ ایک تباہ کن، توسیع پسندانہ اور فرقہ وارانہ ایجنڈا رکھتا ہے جو سرحدوں سے ماوراء ہے۔ اس کا مقصد اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا، مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا، خرافات اور شرکیہ عقائد کی ترویج کرنا، صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرنا اور ہر دور میں اسلام دشمن قوتوں سے گٹھ جوڑ کرنا ہے۔

اس منصوبے نے اپنی ملیشیاؤں اور پراکسی مسلح گروہوں کے ذریعے عراق، شام، لبنان اور یمن میں مسلمانوں کے خلاف انتہائی بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔

اور جو قتل و غارت، تباہی، فرقہ وارانہ بنیاد پر بھرتی، دشمنانِ اسلام سے گٹھ جوڑ اور ان کے ساتھ اتحاد کی صورتیں ہم آئے روز دیکھتے ہیں، وہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ بالکل واضح اور حقائق ہیں۔ ان کے اثرات سب دیکھ رہے ہیں اور ان کے اپنے اعترافات اس کی گواہی دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر غور کریں جو انہوں نے صدیوں پہلے کہا تھا:

”روافض کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ قول، دوستی، مدد، قتال اور دیگر معاملات میں، مسلمانوں سے منہ موڑ کر یہود، نصاریٰ اور مشرکین کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ تو کیا ایسے لوگوں سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو سکتا ہے، جو مہاجرین و انصار جیسے سابقینِ اوّلین صحابہ کے دشمن ہوں اور کافروں و منافقوں سے دوستی رکھتے ہوں؟

اور رافضیوں سے بڑھ کر کسی دیگر گروہ میں اس قدر نفاق نہیں پایا جاتا بلکہ رافضیوں میں ہر ایک کے اندر نفاق کی کوئی نہ کوئی شاخ ضرور موجود ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک ایک الگ قسم (گروہ) شمار ہوتے ہیں۔

جب مسلمان ان کے خلاف ساحلِ شام کے ایک پہاڑ پر لڑے، جہاں وہ مسلمانوں کا خون بہاتے، ان کا مال لوٹتے اور راستے بند کرتے تھے اور وہ یہ سب دین (نیکی) سمجھ کر کرتے تھے تو ترکمانوں کے ایک گروہ نے ان سے قتال کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم مسلمان ہیں، مگر ترکمان جواب دیتے تھے: نہیں، تم (مسلمانوں سے) الگ کوئی گروہ ہو۔ چنانچہ ان (ترکمانوں) کے دلوں کی سچائی اور صفائی کے باعث، وہ اس حقیقت کو جان گئے کہ یہ لوگ ایک الگ قوم ہیں، جو اپنے امتیازی رویّوں کی وجہ سے مسلمانوں سے خارج ہیں۔"[1]

اور جو بات ابن تیمیہ ؒ نے صدیوں پہلے بیان کی تھی، وہی آج کے دور میں ایک نہایت بھیانک شکل میں عراق، شام، یمن، لبنان اور اس سے پہلے افغانستان میں دوبارہ دہرائی گئی ہے۔

سوم: ہم رابطہ علماء المسلمین کی طرف سے، امت کے تمام افراد کو خواہ وہ حکمران ہوں یا عوام، علماء ہوں یا دانشور حضرات، خبر دار کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں خطرناک منصوبوں میں سے کسی کے فریب میں نہ آئیں۔ صہیونی منصوبہ ایک کھلا ہوا دشمن ہے، جبکہ صفوی نفاق ایک چھپا ہوا دشمن ہے۔ اور دونوں امتِ مسلمہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں، بلکہ چھپا ہوا دشمن بعض اوقات زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

اب وقت آچکا ہے کہ امت مسلمہ خاص طور پر علمائے کرام، دانشور حضرات اور باخبر طبقے اس دھوکہ دہی کے پردے کو چاک کریں اور گمراہی و فریب کے اس گرداب سے باہر نکل آئیں۔

نہ تو فلسطینی قضیہ کا نعرہ لگا کر امت کو اندر سے زک پہنچانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی ایرانی نظام اور اس کی فرقہ وارانہ ملیشیاؤں کے خونریز ماضی کو اس لیے نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس وقت صہیونی دشمن کے خلاف کھڑے ہیں۔

چہارم: رابطہ علماء المسلمین ان حقائق کو واضح کرتے ہوئے، حق گوئی اور براَتِ ذمّہ کے طور پر درج ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:

۱. ان دونوں خطرناک منصوبوں (صہیونی اور ایرانی) کے شر سے باخبر رہنا واجب ہے اور صہیونی ریاست یا ایرانی نظام کے ساتھ کسی بھی قسم کے اتحاد کو مکمل طور پر مسترد کیا جائے، کیونکہ یہ دونوں اللہ، اُس کے رسول ﷺ، اور اہل ایمان کے کھلے دشمن ہیں۔

۲. جھوٹے نعروں کے پیچھے نہ بھاگا جائے، چاہے وہ "دوستی اور امن" کے نام پر ہوں، یا "مزاحمت" کے عنوان سے، یہ سب در حقیقت تسلط اور استعمار کے منصوبوں کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال ہونے والے ہتھکنڈے ہیں۔

۳. امت مسلمہ کے قضیوں کی حمایت ایک خالص اسلامی بنیاد پر ہونی چاہیے، ایسی بنیاد پر جو کسی بیرونی محور یا غیروں کے ایجنڈے کی تابع نہ ہو۔

۴. علماء، داعیانِ دین اور ہر آزاد آواز کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ بیداری اور شعور پیدا کرنے والے پیغامات کو عام کریں، چھپی ہوئی سازشوں کو بے نقاب کریں اور میڈیا کی طرف سے کیے جانے والے فریب، دھوکہ دہی، اور افکار کو پراگندہ کرنے کی کوششوں کا شکار نہ ہوں۔

۵. قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم حقیقی اسلامی اتحاد کو مضبوط کیا جائے، نہ کہ کسی فرقہ واریت، قوم پرستی یا دیگر گمراہ کن نعروں کی بنیاد پر۔ تمام مخلص مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ایک ایسا متحدہ اسلامی منصوبہ تیار کریں جو کسی دشمن کے ایجنڈے کے تابع نہ ہو اور اسی میں اللہ کی مدد و توفیق کے بعد ان کی نجات اور موجودہ مصائب سے خلاصی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ امت مسلمہ سے غم و اندوہ کی چادر ہٹا دے، منافقوں کے چہروں سے نقاب کھینچ دے، اپنے مومن بندوں کو فتح و نصرت عطا فرمائے، امت کو ہر شر سے محفوظ رکھے اور اشرار کے مکر و فریب سے بچائے۔

والله غالب على أمره، ولكن أكثر الناس لا يعلمون.

جاری کردہ:

مجلس اعلیٰ برائے رابطہ علماء المسلمین

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ

بمطابق ۱۶ جون ۲۰۲۵ء

☆☆☆☆☆

[1] منهاج السنة لابن تيمية: ٣/٣٧٤

چوتھی قسط

اَلقاعِدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مُصعب العولقی شہید | استفادہ و اضافہ: معین الدِّین شَامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۵)……کیونکہ وہ فتح کے حصول کے لیے شرعی اور کائناتی سنتوں کو اپنانے والے ہیں

غلبۂ حق کے لیے دلیل و بیان اور تلوار و کلاشن کوف دونوں کی قوت ضروری ہے۔ حضرت امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ النبویۃ میں فرماتے ہیں:

’’إن هذا الدين إنما قام بالكتاب الهادي، والسيف الناصر.‘‘

’’دینِ اسلام کی بنیاد ہدایت دینے والی کتاب اور نصرت کرنے والی تلوار پر ہے۔‘‘

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح صحیح بخاری ’فیض الباری‘ میں فرماتے ہیں:

’’جہاد دین کی حفاظت کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسے قرآن، دین کی رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔‘‘

الغرض یہ بات شرعاً و عقلاً اور تکوینی طور پر ثابت شدہ ہے کہ قوت کتاب و تلوار دونوں کے ایک جگہ ہونے کا نام ہے اور ان دونوں کا ایک جگہ اجتماع ہی غلبۂ حق کی شاہ کلید ہے۔

یہ بات جاننا از حد ضروری ہے کہ جنگ میں کامیابی، یا استعماری و غاصب قوتوں اور ان کے مقامی آلۂ کاروں کے خلاف فتح تب تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کہ شرعی احکام و سنن اور کائناتی حقائق و طریقوں کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل نہ کیا جائے۔ حق کو غالب کرنا اور کفر و شرک و ارتداد کے غلبے کو دنیا سے مٹانا اللہ پاک کا عائد کردا فریضہ ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (سورۃ النساء: ۱۰۵)

’’بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو۔‘‘

اور اللہ پاک نے فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (سورۃ الانفال: ۳۹)

’’اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ (کفر کا) فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔‘‘

یہ غلبہ حاصل کرنا تب تک ممکن نہیں جب تک کہ شرعی اور کائناتی سنتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ ہمارے یہاں کی تحریکاتِ اسلامی کا مشاہدہ کیا جائے تو جس جس تحریک و تنظیم نے ان دونوں امور پر توجہ دی ہے تو وہ نتیجتاً دنیائے اسباب میں غالب ہوئی ہے اور جس نے کسی بھی ایک چیز میں سستی کی تو اس کو غلبہ نہیں ملا اور غلبے سے ابھی ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ یہ غلبہ لازماً اقتدار و اختیار کی صورت میں ہی ہو گا، غلبے سے مراد دعوت کی کامیاب بھی ہو سکتا ہے۔ ان دو مذکورہ امور میں بھی شریعتِ مطہرہ کا اتباع ایک ایسا لازمہ ہے کہ اگر یہ کسی تحریک و تنظیم میں نہیں ہو گا تو عند اللہ اخروی لحاظ سے بھی اس پر پکڑ ہو گی۔

جہاں تک تنظیم القاعدہ کا شرعی سنتوں کی پیروی کا تعلق ہے، تو ان کا جہاد مشروعیت، فضیلت، اور لوگوں کے دلوں میں اس فریضے کو زندہ کرنے کے لحاظ سے علمِ شرعی کی بنیاد پر قائم ہے۔ انہوں نے اس زمانے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کی جب اکثر لوگ اس سے روگردانی کرنے والے اور مخالفت کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۝ (سورۃ التوبۃ: ۳۸)

’’اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو، تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے

میں دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔“

ہم نے تنظیم میں دیکھا ہے کہ علماء، قاضی اور شرعی فتاویٰ دینے والے ذمہ داران بھی عملاً جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔ جان لیجیے کہ جو طالب علم عملاً جہاد کے راستے پر چلتا ہے، تو اس کے علم میں اللہ ایسی برکت ڈالتا ہے جو ان بہت سے علماء کے پاس بھی نہیں ہوتی جو راہ جہاد سے لاتعلق ہوتے ہیں۔ بندۂ مترجم نے استاد احمد فاروق رحمہ اللہ سے خود سنا کہ انہیں شیخ ابو ولید الانصاری (حفظہ اللہ، جو مجاہدین کے حلقوں میں ایک معروف عالم دین ہیں) نے بنفسِ نفیس کہا کہ ’میں نے حرمِ مکی میں کعبۃ اللہ کے ساتھ بیٹھ کر بھی تحصیلِ علم کی، لیکن جو مسائل و معارف مجھ پر اللہ نے میدانِ جہاد میں کھولے وہ کعبے کے پڑوس میں بھی مجھ پر منکشف نہ ہوئے‘۔ اگرچہ یہاں بات اصلاً علمِ دین اور طلبائے علمِ دین کی ہو رہی ہے لیکن یہ نکتہ بھی بہر کیف قابلِ ذکر ہے کہ ہم نے میدانِ جہاد میں یہ عام طور سے مشاہدہ کیا ہے کہ یہاں ہر ہر عملی میدان (field) کے ماہرین عام دنیا میں ماہرینِ فن سے زیادہ ماہر و فنّان ہوتے ہیں۔ بظاہر دنیوی ڈگریوں سے بے بہرہ یہ لوگ طب، انجنیئرنگ، تعمیرات، کمپیوٹر سائنس، سائبر سکیورٹی، امورِ امنیت، انتظام و ادارت، اعلام، شعر و ادب وغیرہ میں بہت آگے ہوتے ہیں۔ اسی کی ایک مثال خود تنظیم القاعدہ بھی ہے۔ اگرچہ تنظیم القاعدہ میں بہت سے ماہرینِ فن اور متخصص تعلیم یافتہ لوگوں نے بھی شمولیت اختیار کی، لیکن تنظیم میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے بنیادی تعلیم و تحصیلِ فنون ’جامعة الجهاد (University of Jihad)‘ ہی میں کی ہے۔

شیخ ابو مصعب العولقی شہید کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ کچھ جہادی مسائل میں شیخ اسامہؒ سے استفادے کا ذکر کرتے تھے، حالانکہ دونوں کے مجموعی علم میں فرق موجود تھا۔ ایک عالم دین نے مجھے بتایا کہ جب وہ مجاہدین کے راستے کے سالک بنے تو اللہ نے ان پر جہاد کے احکام کا ایسا علم اور فہم کھولا جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے، باوجود اس کے کہ وہ مسائل ان کے سامنے پہلے بھی آئے تھے۔ پس یہ لوگ اللہ کے فضل سے جہاد کے احکام میں منضبط ہیں خواہ جنگ ہو، صلح ہو، مالِ غنیمت ہو یا امن و امان کا معاملہ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ القاعدہ یا مجاہدین کا کوئی اور گروہ غلطیوں سے پاک ہے، ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، بلکہ یقیناً ان سے غلطیاں ہوئی ہیں جیسا کہ امورِ جہاد میں بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی سہو ہوا۔

جہاں تک ان کا امورِ تکوینی کو اپنانا ہے تو یہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کہ سلطنتوں اور حکومتوں کا قیام اور غلبہ صرف قوت اور ’سنتِ تدافع‘ (ٹکراؤ اور مقابلے) کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جمہوری ریاستیں بھی ایسی جنگوں کے بعد قائم ہوئیں جنھوں نے بحر و بر اور خشک و تر کا مزہ چکھ لیا اور وہ ہر طرح کے نشیب و فراز سے گزرے۔

ہمیں جان لینا چاہیے کہ یہ کائناتی سنت (یعنی قوت اختیار کرنا) کبھی منسوخ نہیں ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو اپنایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس خود ایک اسلامی سلطنت مدینہ میں انصار اور مہاجرین کے مسلح تعاون سے قائم فرمائی، بیعتِ عقبہ ثانیہ میں تو عہد و پیمان ہی مسلح دفاع و جنگ کا ہوا۔

جہاں تک ان جماعتوں کے طریقۂ کار کا تعلق ہے جو ’کفّ الید‘ (یعنی ہاتھ روکے رکھنے) کا نظریہ اپنائے ہوئے ہیں، اور جو مسلح قوت کو اس دلیل کے تحت جمع کرنے سے گریز کرتی ہیں کہ ایسا کرنے سے طاغوتی حکومتیں ان کے خلاف ہو جائیں گی اور ایسا کرنے سے دعوت کے ثمرات ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جماعتیں ایسی جگہوں کی طرف کہ جہاں انصار و اعوان موجود ہیں ہجرت سے محض اس اندیشے کے سبب گریزاں ہیں کہ انہیں ’ریاست‘ کو کمزور کرنے والا نہ سمجھا جائے! ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر وہ بھی نکل گئے تو ان خطوں میں کوئی ایسا فرد بچے گا ہی نہیں جو دین کی دعوت کا کام چلائے، درحقیقت یہ حضرات شرعی سنت اور مدنی دور کی کائناتی سنت، دونوں کی مخالفت کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب ’إدارة التوحش‘)۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ ہم یہ دعوت نہیں دے رہے کہ سب کے سب لوگ ہجرت کر جائیں، لیکن ہم یہ ضرور کہہ رہے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ دین کی ٹھیٹھ دعوت دیتے رہیں اور اپنے گھروں اور شہروں میں بھی چین سے رہتے رہیں اور وقت کے طواغیت آپ کو دین کی یہ سچی دعوت دینے پر کچھ بھی نہ کہیں۔

پس جان لیجیے کہ جو شخص صرف علم اور تربیت پر اکتفا کرتے ہوئے غلبۂ دین کا خواہاں ہے، وہ ہرگز اسے حاصل نہیں کر پائے گا، کیونکہ وہ قوت اور دفع کی سنت (جو شرعی بھی ہے اور کائناتی بھی) کے خلاف جا رہا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’نقشِ حیات‘ میں موجود ہے کہ ’قرآن کی تفسیر صرف درس و تدریس سے نہیں، میدانِ عمل اور جہاد سے بھی ہوتی ہے‘ اور خود حضرت مدنی کا ایک قول معروف ہے کہ ’شریعت کا نفاذ صرف تقریر و تدریس سے ممکن نہیں، اس کے لیے قوتِ نافذہ بھی چاہیے‘۔

اسی طرح جو شخص اسلامی ریاست کے قیام کو بیلٹ بکسوں کے راستے سے ممکن سمجھتا ہے، وہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور جن حضرات نے بصد اخلاص و للّٰہیت اس جمہوری نظام میں حصہ لیا خود ان کا عمل اور اس کا نتیجہ اس بات پر گواہ ہے کہ وہ کوئی مؤثر تبدیلی نہیں لا سکے۔ پاکستان کے صوبۂ سرحد میں متحدہ مجلسِ عمل کی حکومت اقتدار میں ہونے کے باوجود ایک ’حسبہ بل‘ پاس نہ کروا سکی۔ انقلاباتِ بہارِ عرب کے بعد جمہوری نظام و بیلٹ بکسوں اور ووٹوں ہی کی سیاست نے اس بہار کا ثمرہ چھینا، مصر میں اخوان المسلمون کی ووٹوں کی اکثریت سے آئی حکومت کو ایک ’مؤثر‘ بوٹوں اور بندوقوں کی قوت نے کچلا اور طاقت کے زور پر غالب ہو گئی۔

آپ تاریخِ عالم اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ دنیا میں کون سی مؤثر تبدیلی ہے جو خون بہائے بغیر آئی ہے؟ شہید داعی میلکم ایکس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (راقم کے تصرف کے ساتھ) کہ 'دنیا کا ہر انقلاب خون بہا کر، مسلح جد و جہد ہی سے کامیاب ہوا، انقلابِ فرانس، انقلابِ امریکہ، انقلابِ روس..... لیکن ایک ہمارا ہی انقلاب ہے جو "پرامن جدوجہد" سے آرہا ہے'۔

جب غلبے کا یہ طریقہ ایک امر تکوینی بھی ہے تو پھر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ راستہ یعنی جہاد کیوں چھوڑتے ہیں؟

ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ 'ہم اس لیے اس راہ کو ابھی چھوڑتے ہیں کہ ہم کمزور ہیں'۔ تو ہم کہتے ہیں کہ کمزوری کوئی ایسا عذر نہیں ہے کہ جس کے سبب نبوی علاج کو ترک کر دیا جائے، بلکہ ہمیں قوت حاصل کرنے کے اسباب تلاش کرنے چاہییں، کیونکہ اس کے بغیر ہمیں نصرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہمیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے تو آپؐ نے فرمایا:

> "وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، ألا إنّ القوة الرمي، ألا إنّ القوة الرمي، ألا إنّ القوة الرمي." (صحيح مسلم)

> "اور ان (دشمن) کے مقابلے کے لیے تیار رکھو جو کچھ تم طاقت سے تیار کر سکو۔ سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے، سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے، سن لو! طاقت رمی (تیر اندازی) میں ہے!"

جہاد تو کمزوروں کو طاقت ور بنانے والی قوت کا نام ہے۔ بدر میں کتنے صحابہ تھے اور ان کے پاس کتنا اسلحہ تھا؟ لیکن اللہ نے اسی تھوڑی سی جمعیت اور انتہائی قلیل اسلحے میں قوتِ جہاد سے صحابہ کو ایسی طاقت دی کہ انہوں نے حجاز کی سپر پاور کو بعون اللہ ناکوں چنے چبوا دیے۔ ابھی ڈیڑھ سال قبل کتائب القسام کے مجاہدوں کے پاس کتنی جمعیت تھی؟ کیا اسلحہ تھا؟ کچھ دیسی ساختہ قسام و یاسین میزائیل اور کچھ راکٹ اور گولیاں؟ مقابلے میں دنیا کی وہ قوت جس کے محافظ مخلوق کی تاریخ کے سبھی شیاطین انس و جن، عزازیل و دجال، آئرن ڈوم اور بائیڈن و ٹرمپ، نیٹو ٹریٹی (NATO Treaty) سے ابراہم اکارڈز (Abraham Accords) کے کرتے دھرتے۔ غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، بلکہ اینٹ سے اینٹ بجادینا جیسا محاورہ غزہ کے لیے نہیں ہے، غزہ اپنی تباہی میں خود ایک ضرب المثل ہے، لیکن یہ مٹھی بھر مجاہدین ہیں جو قوتِ جہاد سے بعون اللہ جبلِ استقامت بنے آج بھی ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا آپ کے پاس مجاہدینِ قسام سے بھی کم قوت ہے؟

مکرر! ہمیں جان لینا چاہیے کہ جو شخص قرآن و سنت کے مطابق غلبے کا خواہاں ہو، اس کے لیے دو چیزیں لازم ہیں:

حجت و بیان، اور تلوار و کلاشن کوف..... قرآن يهدي وسيف ينصر، ہدایت کا حامل قرآن اور نصرت کرنے والی تلوار! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ○ (سورۃ الفرقان: ۳۱)

> "اور آپ کا رب ہی کافی ہے، وہ ہدایت دینے والا بھی ہے، اور مدد فرمانے والا بھی۔"

پس اگر ہم صرف علم و تربیت و تزکیے پر اکتفا کریں گے، تو ہم شریعت کا نفاذ ہرگز نہ کر سکیں گے، کیونکہ ہم نے کائناتی سنت (جو بذاتِ خود شرعی سنت بھی ہے) یعنی قوت اختیار کرنے کی سنت کو ترک کر دیا ہو گا۔ اور اگر ہم حجت و دلیل کے بغیر جہاد کریں گے، تو ہم قوت کا استعمال غلط جگہ پر کر بیٹھیں گے۔

لہٰذا ان دونوں امور، یعنی علم و حجت اور جہاد و قوت، کا ہونا لازمی ہے۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: سورۃ الانفال

جیسے ابھی بھی ساٹھ سال مزید آگے جانے کا ارادہ ہو۔ تو ایسا عزم ہونا کہ انسان تھکتا نہ ہو اس رستے سے۔ بہت سے ساتھیوں کو دیکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد آہستہ آہستہ ہمتیں پست اور جذبے ٹھنڈے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ شروع میں انسان بڑا گرم گرم آتا ہے اور سارا کچھ ٹھیک چل رہا ہوتا ہے لیکن ایک ہی چیز کر کر کے وہ آہستہ آہستہ بور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ تو یہ اللہ سے توفیق مانگنے کی بات ہے۔ لوگ واپس لوٹ جاتے ہیں۔ دس دس سال گزار کے پھر پیچھے ہٹ جاتے ہیں جہاد سے۔ یہ اللہ کی توفیق ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ایسا اس پہ ثبات دیں کہ وہ زندگی بھر اس رستے کو تھامے رکھے اور زندگی بھر اس کے اوپر چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو موت تک یہ ثبات نصیب فرمائیں اور ایمان پہ خاتمہ نصیب فرمائیں۔

سبحانک اللهم و بحمدک ونشهد ان لا اله الا انت نستغفرک و نتوب الیک و صلی الله علی النبی

☆☆☆☆☆

قسط ۵

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاہد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف ’مدرسہ او مبارزہ‘ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ درحقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن اللہ التوفیق! (ادارہ)

باب دوم: عصرِ حاضر کی اسلامی جدوجہد میں دینی مدارس کا قائدانہ کردار

مدرسہ: ملک کی اسلامی شناخت اور اس کے دفاع میں انقلابی فکر و عمل کی علامت

اگر ہم موجودہ دور میں عالمِ اسلام کو مغرب کے ساتھ فکری، سیاسی اور عسکری کشمکش کے تناظر میں دیکھیں اور دینی مدارس کے کردار و اثرات کا جائزہ لیں، تو واضح ہو جاتا ہے کہ مدرسہ اب صرف ایک سادہ علمی درسگاہ نہیں رہا، بلکہ وہ اسلام، اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی دینی شناخت کے دفاع اور مزاحمت کی ایک انقلابی فکر و عمل کی علامت بن چکا ہے، اگرچہ اس میں کچھ کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیائے کفر اور ان کے نظریات سے متاثر اسلام سے وابستہ حکمران اور فکری طبقات بھی مدرسے کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس کے اسٹریٹجک اثرات کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔

اسی بنا پر مدرسے کی خالص اسلامی فکر اور اس سے وابستہ افراد کے فکری، سیاسی اور جسمانی وجود کو ختم کرنے کی غرض سے ایک عالمی سیاسی و عسکری اتحاد قائم کیا گیا ہے، اور عالمِ اسلام میں مدرسے سے جنم لینے والی تحریک کے خلاف ہمہ جہتی خونریز جنگ مسلط کر دی گئی ہے، جس میں فکری، عسکری، اقتصادی اور سماجی تمام ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں۔

دنیا کے استعماری نظاموں نے اسی وجہ سے مدرسے کے خلاف ایک بڑی جنگ شروع کی، کیونکہ اسی مدرسے سے جنم لینے والی فکر نے نصف صدی سے بھی کم عرصے میں دنیا کی دو بڑی طاقتوں، سابق سوویت یونین اور موجودہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں، کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

اسی مدرسے سے ابھرنے والی دینی فکر نے افغانستان میں ایک ایسی مزاحمتی قوت (مجاہدین) پیدا کی، جو بغیر کسی تنخواہ یا مادی مفادات کے، محض دینی جذبے سے سرشار ہو کر پینتالیس سال تک ایک سخت اور طویل جنگ میں ڈٹی رہی۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو موجودہ دنیا کے عسکری تجزیے کے مطابق ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ شمار کیا جاتا ہے، جو دینی مدرسے نے انجام دیا۔

ممکن ہے کہ دینی مدرسہ خود اپنے وابستگان اور عام مسلمانوں کی نظر میں اتنی بڑی فکری و عسکری قوت محسوس نہ ہو، کہ جسے عالمی عسکری توازن میں ایک طرف دنیا کی سپر طاقتیں اور دوسری طرف مدرسہ تصور کیا جائے، لیکن مغرب کے عسکری اور فکری حساب کتاب کے مطابق مدرسہ حقیقتاً ایسا ہی مقام رکھتا ہے۔

کیونکہ سوویت یونین کی شکست کے بعد مغربی دنیا اور دیگر اقوام نے مشاہدہ کیا کہ امریکہ کی قیادت میں قائم ہونے والی یک قطبی دنیا دوبارہ دو قطبی بنی، ایک قطب امریکہ کی عالمی فکر اور عسکری طاقت پر مشتمل اور دوسرا قطب مدرسے کی فکر اور اس کے وابستگان سے تشکیل پانے والی قوت پر مشتمل ہے۔

مدرسے کے طلبہ نے اسلحے کی کمیابی اور عسکری عدم توازن کے باوجود دنیا کی بڑی عسکری قوت کے خلاف اس لیے مزاحمت کی، کیونکہ ان کا عقیدہ اس حقیقت پر قائم ہے کہ:

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللّٰهِ (سورۃ الانفال: ۱۰)

”نصرت تو صرف اللہ کی طرف سے ہے۔“

اور باقی تمام قوتیں اللہ کے مقابلے میں بے بس اور عاجز ہیں۔ یہی پختہ عقیدہ مدرسے سے وابستہ افراد کی فکر اور شخصیت میں ایک ایسا حوصلہ اور ایمانی قوت پیدا کرتا ہے، جو بڑی بڑی عسکری طاقتوں سے مرعوب ہونے سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ دشمن کی عسکری برتری ان کے لیے مزاحمت کے آغاز یا اس کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکی۔

اگرچہ بعض لوگوں کو مدرسے کے نوجوانوں کا مؤقف ایک غیر ذمہ دارانہ جرأت یا انجام سے بے پرواہ رویہ محسوس ہوتا تھا، لیکن بعد میں امارتِ اسلامی کے سیاسی اور عسکری نتائج نے ثابت کر دیا کہ یہ کوئی جذباتی مہم جوئی یا بے سوچا سمجھا اقدام نہ تھا، بلکہ یہ مدرسے کی دینی فکر اور اس سے وابستہ نفسیاتی قوت کا اثر تھا، جسے مادی فکر اور دنیاوی حساب کتاب کے حامل لوگ سمجھنے سے قاصر رہے۔

مدرسے سے وابستہ افراد کی روحانی قوت کا ایک اور اہم سبب یہ ہے کہ وہ مغرب کے زیر اثر افراد کی طرح پریگماٹزم[1] (Pragmatism) اور میکاولیت[2] (Machiavellianism) کی سیاسی منافقت سے متاثر نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے اسلام کو سیکولر حکومتوں کے تعلیمی اداروں میں ایک بے روح اور استشراقی انداز سے صرف اس لیے سیکھا ہے کہ وہ اس کے ذریعے مادی اسناد حاصل کریں اور دین کے نصوص کو شیطانی مقاصد کے لیے استعمال کریں۔

بلکہ مدرسے کے اہل علم کا ہر ایک سے معاملہ دین کی بنیاد پر، خلوص نیت سے ہوتا ہے، اور انہوں نے اسلام کو صرف سیکھنے کے لیے نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کے لیے قبول کیا ہے۔ یہی دو خصوصیات انہیں عوام میں مضبوط سیاسی مقام اور گہرا روحانی و نفسیاتی اثر عطا کرتی ہیں، اور ان کی طاقت کو نمایاں کرتی ہیں۔

اہل مدرسہ کے خلاف مغرب کی چار حکمت عملیاں

چونکہ مغربی سیاسی، فکری اور عسکری اداروں نے مدرسے کی روحانی اور عوامی طاقت کو ایک بڑا خطرہ محسوس کیا، اس لیے انہوں نے اہلیانِ مدرسہ کو قابو کرنے اور ان کے افکار و کردار کو غیر مؤثر بنانے کے لیے درج ذیل چار حکمتِ عملیاں اختیار کی ہیں:

۱. احتواء (روک تھام) کی حکمت عملی:

احتواء (Containment) سے مراد یہ ہے کہ مغرب اور اس کے سیکولر حلیف عالمِ اسلام میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ مدرسے سے وابستہ افراد کو مستقل اور مخصوص فکر و عمل کے دائرے سے باہر نکالا جائے اور انہیں مادی مراعات کے بدلے، مغرب نواز حکومتوں اور اداروں میں شامل کیا جائے، یا انہیں اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں محدود انداز سے کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ بظاہر تو سیکولر حکومتیں اسلامی نظر آئیں، مگر در پردہ انہی افراد سے شریعت کے نفاذ کو روکنے، جہاد کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور اسلامی نظام کے قیام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہی کچھ ہمارے ملک میں امریکی قبضے کے دوران، اور ہمارے ایک ہمسایہ ملک میں بعض اسلامی جماعتوں اور دینی مدارس کے ساتھ کیا گیا۔

۲. اغفال (تحریف اور دھوکے) کی حکمتِ عملی:

اغفال یعنی تحریف اور دھوکے کی حکمتِ عملی کے تحت مغرب عالمِ اسلام میں اسلام سے منسوب مداہنت پسند (تفریطی) اور انتہا پسند (افراطی) دونوں گروہوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

مداہنت پسندوں سے یوں فائدہ اٹھاتا ہے کہ مغرب اپنی بڑے فکری و تحقیقی اداروں کے ذریعے عالمِ اسلام میں ایسے طماع، عیش پسند، فکری طور پر گمراہ اور چالاک افراد کو آگے لاتا ہے، جو بظاہر روحانیت کی چادر اوڑھے ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت اسلام کی حقیقی روح اور روحانیت سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔

پھر ان افراد کو اپنے میڈیا اور دوسرے مؤثر ذرائع کے بل بوتے پر عوام میں مقام دیتا ہے، اور انہیں بھاری مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اختیار میں بڑے بڑے فکری، تعلیمی، تبلیغی اور معاشی ادارے دے دیتا ہے۔ گویا انہیں سیکولر حکومتوں کے ساتھ شراکت دار بنا دیتا ہے، یا انہیں سیاسی و فکری سرگرمیوں کی اجازت دے دیتا ہے۔

یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر ایسا نظریہ دیا جائے جس میں اسلام کو دیگر مذاہب کے ساتھ ایک ہی راہ پر چلنے والا دین بتایا جائے، انسانی (وضعی) قوانین کو تسلیم کیا جائے، دین کے نام پر منکرات کو جائز قرار دیا جائے، اور یہ تصور عام کیا جائے کہ اسلام جنگ سے نفرت کرنے والا دین ہے اور مسلمان کے لیے بس یہی کافی ہے کہ وہ صرف انفرادی عبادات کرے، اور یہ سوال نہ اٹھائے کہ امت کی حالت کیا ہے؟ اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے؟ مسلمان کی زندگی پر شرعی احکام نافذ ہیں یا غیر اسلامی قوانین؟ اور کیا مسلمان دینی، سیاسی، عسکری اور معاشی آزادیوں سے بہرہ مند ہیں یا نہیں؟

---

[1] پریگماٹزم (Pragmatism) یا عملیت ایک فلسفیانہ نظریہ ہے جو کسی خیال، عقیدے یا عمل کی حقیقت اور قدر کو اس کے عملی نتائج اور فائدہ مندی کی بنیاد پر پرکھتا ہے، اور یہ عملی نتائج یا فائدہ مندی خالص انسانی عقل کی بنیاد پر پرکھے جاتے ہیں۔ اس لیے کوئی عقیدہ، مذہبی اصول یا آفاقی قانون اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جب تک وہ انسانی عقل کے مطابق ''عملی'' اور ''فائدہ مند'' نہ ہو۔ (ادارہ)

[2] میکاولیت (Machiavellianism) اطالوی سیاسی مفکر نیکولو میکاولی کا پیش کردہ سیاسی و فلسفیانہ نظریہ ہے جو ہر طرح کی اخلاقیات، عقائد اور نظریاتی اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیاسی طاقت کے حصول، اسے برقرار رکھنے اور اس کے استعمال کے عملی طریقوں، بشمول دھوکہ دہی، جبر اور تشدد، پر زور دیتا ہے۔ (ادارہ)

مغرب عالمِ اسلام اور خصوصاً افغانستان میں ایسے ہی افراد کو دین کی اصلی اور خالص تعلیمات میں تحریف، مسلمانوں کو غفلت اور بے حسی میں رکھنے، مغرب کے ساتھ فکری اور سماجی روابط قائم کرنے، اور عوام کو جہاد اور مجاہدین کی حمایت سے باز رکھنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ان منصوبوں اور فکری پروجیکٹس کے پیچھے امریکہ کے اندر واقع ادارے مثلاً 'رینڈ کارپوریشن'، 'نکسن تحقیقاتی مرکز'، 'امریکی انسٹیٹیوٹ برائے امن'، کارنیگی تحقیقاتی ادارہ' نیز امریکہ میں قائم فتح اللہ گولن کی 'تحریکِ خدمت'، عرب امارات کے تعاون اور نگرانی میں چلنے والے ادارے مثلاً 'طابة'، 'مؤمنون بلا حدود'، 'مركز المسبار'، 'مجلس حكماء المسلمين' اور 'منتدى تعزيز السلم في المجتمعات الإسلامية'، چیچنیا میں صدر رمضان قدیروف کی دینی تنظیم اور خطے میں امریکہ، برطانیہ اور جرمنی کے سفارت خانے، اسی طرح ہمارے ملک اور ہمسایہ ممالک میں وہ معروف خاندان اور شخصیات جنہیں کسی حد تک دینی اور روحانی مقام حاصل ہے، نیز دیگر خفیہ و علانیہ دینی و فکری تنظیمیں اور مغربی فکری و انٹیلی جنس مشیران، یہ سب اس مشن میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

مغرب اور عالمِ اسلام میں اس کے سیکولر حلیف پوری چالاکی کے ساتھ یہ کوشش کرتے ہیں کہ انہی ذرائع سے مسلمانوں کو مغرب کے خلاف مسلح جدوجہد اور جہاد کے ذریعے اسلامی نظام کے قیام کے خیال سے برگشتہ کر دیں، انہیں سطحی سوچ تک محدود رکھیں، اہم مسائل سے غافل رکھیں، مغرب اور مقامی سیکولروں کے ساتھ فکری و عملی تعاون پر آمادہ کریں، اور انہیں اس بات کا موقع نہ ملے کہ مدارس میں انقلابی روح، ترجیحات کی سوجھ بوجھ اور سیاسی قیادت کی صلاحیت پیدا ہو۔

دوسری طرف، مغرب انتہا پسند عناصر کو یوں استعمال کرتا ہے کہ جہادی تحریکوں اور مذہبی حلقوں میں خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے ایسے افراد داخل کیے جاتے ہیں جو نوجوانوں اور مجاہدین میں شدت پسند، غیر متوازن اور گمراہ کن خیالات پھیلائیں تاکہ اسلام کو بدنام کیا جا سکے۔

ایسے گمراہ افکار کے حامل لوگ مسلمانوں کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، خونِ ناحق بہاتے ہیں، امت کے جلیل القدر علماء اور ائمہ پر نوجوان نسل کا اعتماد ختم کرتے ہیں، مجاہدین کی صفوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں، اسلامی علوم اور علماء کے حوالے سے شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں، اور اس قسم کے دعوے پیش کرتے ہیں جو بظاہر درست لگتے ہیں لیکن در حقیقت ان کے پیچھے عالمی خفیہ ایجنسیوں کے خطرناک مقاصد ہوتے ہیں، جس سے دین اور مدارس کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔

یہ شدت پسند عناصر دینی نصوص کی ایسی تشریحات کرتے ہیں جو اہل السنہ والجماعت کے مسلک اور منہج سے متصادم ہوتی ہیں تاکہ عوام کو ان سے بدظن کیا جا سکے، دین، مدارس اور علماء سے لوگوں کا اعتماد ختم ہو جائے، اسلامی نظام کے نام پر اسلام کو ہی نقصان پہنچایا جائے، دین کے خلاف لوگوں کو احتجاج پر آمادہ کیا جائے، اور اسلام و جہاد کو اندر سے اتنا نقصان پہنچایا جائے جتنا کفار باہر سے نہیں دے سکے۔

ایسے افراد کی تیاری کے لیے مغرب کے حلیف عالمِ اسلام میں دو طریقے اختیار کرتے ہیں:

۱. خفیہ طریقے سے علمی اور جہادی حلقوں میں رخنہ ڈالتے ہیں، جعلی قیادتوں کے ابھرنے کے لیے ماحول بناتے ہیں، انہیں مقام دلانے کے لیے اپنے میڈیا کو استعمال کرتے ہیں، براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اپنے مشیران کے ساتھ ملاتے ہیں اور انہیں عسکری و دیگر وسائل فراہم کرتے ہیں۔
۲. مخلص علماء، مجاہدین، مفکرین، طلباء اور نیک نوجوانوں کو اپنی جیلوں میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسی سخت اذیتیں دیتے ہیں جو وہ کبھی بھلا نہ سکیں، اور ان کے سامنے شعائرِ اسلام کی بے حرمتی کرتے ہیں تاکہ وہ اس قدر ذہنی طور پر اذیت سے دوچار ہوں کہ رہائی کے بعد وہ حکمرانوں، ان کے حامیوں اور اپنے ہر مخالف کے خلاف تکفیر، انتہا پسندی اور اندھی خونریزی کے سوا کسی اور رویے کو درست نہ سمجھیں۔

ایسے لوگ اگرچہ شروع میں مغرب اور اس کے حلیفوں کے ساتھ نہ بھی ہوں، مگر ان کا طرزِ فکر اور بیانیہ اس نہج پر آ جاتا ہے جس کا نتیجہ دین کی تحریف اور جہاد کی بدنامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہی وہ چیز ہے جس کی کفار اور ان کے جابر اتحادیوں کو توقع ہوتی ہے۔

ایسے افراد عالمِ اسلام کے مختلف خطوں میں، مختلف زمانوں میں پیدا کیے گئے اور دانستہ یا نادانستہ طور پر انہوں نے دینی میدان میں مغرب اور اس کے حلیفوں کے خفیہ و اعلانیہ منصوبوں کو تقویت دی۔

۳. اعتدال پسند اسلام کے نام پر "امریکی اسلام" تشکیل دینے کی حکمتِ عملی:

مدارسِ دینیہ سے ابھرنے والے خالص اسلامی انقلابی فکر اور مزاحمتی سوچ کو روکنے کے لیے مغرب کی تیسری حکمتِ عملی یہ ہے کہ ایسے افراد کو، جو بظاہر اسلام سے وابستہ ہوں، اس کام پر لگایا جائے کہ وہ اسلام کو اس کی اصل روح اور خالص مفہوم سے خالی کر دیں، اور اس کی جگہ مغربی افکار و اصطلاحات کو اسلامی لبادہ پہنا کر پیش کریں۔

اس عمل کے دو بڑے مقاصد ہوتے ہیں:

۱. ایک تو یہ کہ وہ فکری اسلام ختم ہو جائے جو مغربی نظریات کی مخالفت کرتا ہے،
۲. دوسرا یہ کہ ایک ایسے "اسلام" کو فروغ دیا جائے، جسے وہ "اعتدال پسند اسلام" کہتے ہیں، تاکہ مسلمان اس نئے اسلام کے پیروکار بن جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ "اعتدال پسند اسلام" جسے امریکہ چاہتا ہے، وہ دراصل ہے کیا؟

اس حوالے سے امریکہ میں پالیسی سازی کے ایک معروف تحقیقی ادارے ''رینڈ کارپوریشن'' نے اس کی یوں تعریف کی ہے:

> ''امریکہ، نئی صنعتی دنیا اور مجموعی طور پر عالمی برادری ایک ایسا اسلام چاہتی ہے جو دنیا کے دیگر نظاموں کے ساتھ ہم آہنگ، جمہوری، ترقی پسند اور بین الاقوامی قوانین، احکام اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہو۔''

یعنی اس تعریف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو ایسا بنایا جائے جو:

- امریکہ اور عالمی برادری کی مرضی کے مطابق ہو، اس کا کوئی منفرد تشخص یا الگ نظام نہ ہو، بلکہ وہ دیگر غیر اسلامی نظاموں کے ساتھ میل کھاتا ہو۔
- یہ ''جمہوری اسلام'' ہو یعنی ایسا اسلام جو وحی پر مبنی نہ ہو بلکہ عوام کی رائے سے تشکیل پاتا ہو۔
- یہ ''ترقی پسند اسلام'' ہو یعنی اپنی اصل شکل کو چھوڑ کر مغرب کے جدید تصورات کو اپنانے والا ہو۔
- اور اس کے احکام و اخلاقیات، مغرب کے بنائے ہوئے قوانین اور نظریات سے ہم آہنگ ہوں۔

مغرب نے اس قسم کے ''اسلام'' کے لیے ایسے افراد سے کام لیا ہے اور لے رہا ہے، جو خود کو معتدل اسلام کے حامی یا جمہوری علماء کہتے ہیں، جہاد اور عقیدۂ ولاء و براء سے نفرت رکھتے ہیں، اور مختلف دینی اداروں کے ذریعے یہ کوشش کرتے ہیں کہ قوانین، اخلاق، سیاست اور ثقافت کے شعبوں میں مغرب سے تعلقات قائم ہوں اور جہادی تحریکوں سے دوری پیدا ہو۔ یہ مغرب کے فکری حلیف ان مجاہدین اور فکری کارکنوں کو جو اسلامی نظام کے قیام کے لیے اٹھے ہیں، انتہاپسند قرار دیتے ہیں، اور مغربی ذرائع ابلاغ کی مدد سے ان کے خلاف شدید منفی پروپیگنڈا کرتے ہیں تاکہ اس فکر کے اثرات کو محدود کیا جاسکے جو مغرب کے ساتھ مفاہمت پر تیار نہیں ہوتی۔

۴. طاقت کے استعمال کی حکمتِ عملی:

طاقت کے استعمال کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ ان تمام اسلامی گروہوں، خصوصاً مزاحمتی تحریکوں کو ختم کیا جائے جو نہ مغرب سے سمجھوتہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے سیکولر اتحادیوں سے، بلکہ خلوصِ دل سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی عوام اور خطوں کو مغرب، خصوصاً امریکہ کے عسکری، سیاسی، فکری اور اقتصادی تسلط سے آزاد کریں، اور حقیقی معنوں میں زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظام اور شریعت نافذ کریں۔

امریکہ اور اس کے اتحادی عالمِ اسلام میں کسی کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ سیاست، نظام، عسکریت، معیشت اور دیگر سماجی شعبوں میں شریعت نافذ کرسکیں۔ اگر کوئی قوم یا اسلامی گروہ اس سمت میں قدم بڑھاتا ہے، تو اسے ضرور مغرب، خصوصاً امریکہ کی طرف سے پابندیوں، جنگوں، بغاوتوں، قید و بند، دشمنی اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امریکہ عالمِ اسلام کے ان تمام مدارس، تعلیمی نصابوں اور نظاموں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے جو اپنے طلباء کو مغربی فکر سے پاک خالص اسلامی تعلیم دیتے ہیں۔

امریکہ نے پوری اسلامی دنیا کے حکمرانوں کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی نصابوں سے وہ تمام مواد نکال دیں جو امریکہ کو ناپسند ہیں، کیونکہ اسے اس بات کا خوف ہے کہ اگر عالمِ اسلام کے کسی خطے میں خالص اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر کوئی سیاسی نظام قائم ہو گیا، اور عوام اُس کے سائے تلے امن اور خوشحال زندگی گزارنے لگے، تو یقیناً دیگر علاقوں کے لوگ بھی ایسے ہی نظام کے قیام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں مغرب کے وفادار نظام اور قوانین ختم ہو جائیں گے، اور اسلامی دنیا سے مغرب کی بالادستی کا خاتمہ ہو جائے گا، جو کہ مغرب کسی صورت قبول نہیں کرے گا۔

اسی خطرے کو روکنے کے لیے، مغرب خصوصاً امریکہ، ان تمام علمی، مزاحمتی، فکری اور سماجی تحریکوں کو دبانے کی کوشش کرتا ہے جو عالمِ اسلام پر مغرب کی براہِ راست یا بالواسطہ حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتیں۔

مسلمانوں کی موجودہ فکری گمراہی اور اخلاقی زوال پر دینی مدارس سے مطلوب موقف

مغربی نظریات سے متاثر مسلمانوں کی موجودہ حالت پر دینی مدارس اور مبلغینِ اسلام کو دو میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہو گا:

ا. یا تو مدرسہ عوام، معاشرے اور حکمرانوں کو اسی طرح مغربی رنگ میں رنگنے دیں۔ لوگ اپنا اسلامی تشخص کھو دیں، ان کے نظام بیرونی قوانین پر چلیں، ان کی فوجیں دشمن کے ساتھ کھڑی ہوں اور اپنے مسلمان عوام سے لڑیں، ریڈیو، ٹی وی، پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا مسلمانوں کا ہو مگر اس میں مغربی نظریات، افکار، اخلاقیات، اقدار اور فلسفے پھیلائے جائیں۔ تعلیمی اداروں میں طلباء مسلمان ہوں، لیکن ان کے آئیڈیل اور نمونے غیر مسلم یا ان کے ہمنوا ہوں۔ ملک مسلمانوں کا ہو لیکن اس پر حکومت اغیار کی ہو۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہمارے ہوں، لیکن ان کے ذہنی اور جذباتی تعلقات کافروں سے ہوں۔

یہ تمام غیر مطلوبہ حالات ہیں، جنہیں ایک عام مسلمان اور نہ ہی ایک دینی مدرسہ، جو کہ نبوت کا وارث اور قیادت کی تیاری کا مرکز ہے، قبول کر سکتا ہے۔

۲.	دوسرا مؤقف یہ ہو سکتا ہے، اور ہونا بھی یہی چاہیے، کہ دینی مدرسہ اور اس سے وابستہ افراد دوبارہ اپنے قائدانہ کردار کی طرف لوٹ آئیں، اور اپنے مؤثر کردار اور مؤثر پیغام کے ذریعے معاشرے کی راہنمائی کریں کہ وہ دوبارہ اپنے اسلامی اصولوں، زندگی کے اسلامی معیاروں، عزت و دینداری کے راستے، شریعت کے نفاذ کے مقصد، آزادی کے حصول و تحفظ، اور اسلامی دعوت کے فروغ کی طرف لوٹ آئیں۔

اور یہ اہداف اس وقت حاصل ہوں گے جب دینی مدرسہ اپنے نصاب اور غیر نصابی سرگرمیوں میں عملی، مؤثر اور قائدانہ شخصیات کی تیاری کے لیے خالص دینی مفاہیم پر توجہ مرکوز کر دے، نہ یہ کہ دینی مدارس کے طلباء کو ''منطق'' کے نام پر افلاطون اور ارسطو جیسے فلاسفہ کے غیر اسلامی نظریات کی چودہ کتابیں پڑھنے پر مجبور کیا جائے، اور وہ کئی سال ایسے موضوعات میں ضائع کریں جن کا نہ دین میں کوئی فائدہ ہو، نہ ان کے ذریعے اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے، اور نہ ہی کفر اور گمراہی کے مختلف طریقوں کا مؤثر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام، استحکام اور تسلسل کے لیے ضروری ہے کہ دینی مدرسہ اپنے طلباء کو اسلام اور پوری امت کے بارے میں جامع فہم دے، اور انہیں یہ شعور دے کہ دینی، فکری، ثقافتی، تعلیمی، سیاسی، معاشی، عسکری اور انٹیلی جنس کے میدانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آراء کفری طاقتوں اور فکری و ثقافتی اداروں کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

یہاں یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ہم امارتِ اسلامیہ سے یہ نہیں کہنا چاہتے کہ ''چلو! پوری دنیا کے خلاف جنگ کا اعلان کرو!'' یہ ایک غیر معقول سوچ اور نامناسب قدم ہو گا۔ بلکہ ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم طلبہ علومِ نبوت کو اس بات کا شعور دیں کہ وہ دین کی مکمل معرفت حاصل کریں: دین کیا ہے؟ اس کے پیروکار کون ہیں؟ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ وہ حاکم ہیں یا محکوم؟ مظلوم ہیں یا آزاد؟ ان کے وسائل ان کے اپنے کنٹرول میں ہیں یا دوسروں کے؟ ان کی قیادت ان کے اپنے علماء اور رہنماؤں کے ہاتھ میں ہے یا بیرونی طاقتوں کے؟ ان کے فیصلے ان کے دین کے مطابق صادر ہوتے ہیں یا وہ بیرونی قوانین اور نظام کو قبول کرنے پر مجبور ہیں؟

ہمارے دینی مدارس کو اپنے نصاب میں اسلام اور امت مسلمہ کے موجودہ حالات کی معرفت پر مشتمل مضامین شامل کرنے چاہییں۔ جب طلباء اس فہم سے بہرہ مند ہو جائیں گے تو جس طرح وہ قتال، فدائیت اور مسلح جدوجہد کے میدان میں ثابت قدم رہے، اسی طرح فکری میدان میں بھی دشمن کا مؤثر طور پر مقابلہ کر سکیں گے۔ وہ جدید مسائل پر اسلامی استدلال کر سکیں گے، لوگوں کے شبہات کے جوابات دے سکیں گے، دشمن کی چالاکیوں اور گمراہ کن پروپیگنڈے کا تجزیہ کر سکیں گے، دنیا کے ساتھ گفتگو میں مشترک نکات کو پہچان سکیں گے، اور اسلام و امت مسلمہ کا شعوری طور پر اور ہمہ جہتی دفاع کر سکیں گے۔

آج جب ہم اپنے مدارس کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے مدارس کے نصاب میں اسلام اور کفر کے درمیان جاری فکری اور تہذیبی معرکے کی جگہ صرف لغت اور گرامر جیسے موضوعات نے لے لی ہے۔ طلبہ کو اسلام اور کفر کے درمیان جاری معاصر جنگ کے بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔

سیاسی، ثقافتی، اخلاقی اور دینی مضامین میں بھی خاطر خواہ نصاب نہیں ہے اور نہ ہی ایسی منظم فکری تربیت موجود ہے جو طلبہ کو جدوجہد کے مراحل سے روشناس کرائے اور انہیں اس راہ کے خطرات اور تقاضوں سے خبردار کرے۔

اس صورتِ حال کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت، نصاب بنانے والے اداروں اور اس کے بعد مدارس کے منتظمین اور اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ دینی مدارس کو چاہیے کہ اپنے طلبہ میں یہ صلاحیتیں پیدا کریں، کیونکہ مدرسہ دراصل اسلامی جدوجہد کا وہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے جس نے پورے عالمِ اسلام کے عالمی طاقتوں کے آگے جھک جانے کے باوجود، ہمیشہ مزاحمت کا پرچم بلند رکھا ہے۔

مدرسہ نہ تو انگریز کے سامنے جھکا، نہ روس، امریکہ اور نہ ہی بین الاقوامی یا داخلی دباؤ کے سامنے۔ یہاں تک کہ مغرب کی سیکولر اور تجدد پسند لہر بھی مدرسے کو زیر نہ کر سکی۔ لہٰذا مدرسے کے نصاب کو جمود سے نکالنا ہو گا اور اسے اس کا قائدانہ کردار واپس دینا ہو گا۔ جب مدرسے کا فارغ التحصیل طالب علم ایسی قائدانہ صلاحیتوں کا حامل بن جائے گا کہ وہ اپنی قوم، ملت، وطن اور علاقے کے لوگوں کی رہنمائی کر سکے، تو پھر یہ یقینی ہے کہ قربانیوں، جدوجہد، شہادتوں اور جہاد کا نتیجہ ضرور ثمر آور ہو گا۔

انقلابات کی کامیابیوں کا تحفظ ہمہ جہتی علم اور سائنسی ترقی کے ذریعے ہی ممکن ہے

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ انقلاب کی کامیابیوں کو محفوظ رکھنا، آزادی کا تحفظ اور اس کی پاسبانی کرنا، دین اور ثقافت کا دفاع کرنا اور ہر قسم کی ترقی کے وسائل پیدا کرنا، صرف علم، تحقیق اور عوام کی فکری، اخلاقی اور علمی سطح کو بلند کرنے کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔

وہ قومیں جہاں دینی علم کا فروغ ہوتا ہے، وہ اغیار کی غلامی سے محفوظ رہتی ہیں، اور اسی طرح جہاں دنیوی علوم کی ترقی اور ترویج ہوتی ہے، وہ دوسروں کی محتاجی سے نجات پاتی ہیں۔

ہم افغانوں نے تین بار انگریزوں اور بعد میں روسیوں کے خلاف دینی قیادت کے زیرِ سایہ جنگیں جیتی ہیں، لیکن چونکہ ہم نے ان جنگوں کے ساتھ ساتھ علمی ترقی نہیں کی، اور نہ ہی اپنی قوم کو فکری، تعلیمی اور سیاسی لحاظ سے مطلوبہ دینی علم سے روشناس کیا، اسی لیے ہر بار ہماری جدوجہد کا پھل غیروں نے چھین لیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 74 پر)

فوز المبین

انجینئر زین علی

اللہ نے کامیاب ہونے کی جستجو سب میں رکھی ہے۔ ہر شخص کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ کوئی بھی اپنے لیے ناکامی پسند نہیں کرتا۔ لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ کامیابی کے مختلف مفہوم تراش لیے گیے ہیں۔ مختلف لوگ کامیابی کو مختلف عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔ کفار اور منکرین کا تو معاملہ ہی جدا ہے، ان کے ہاں دنیا کی اہمیت اور وقعت حد درجے سے تجاوز کرتی نظر آتی ہے۔ اکثر تو اخروی اور ابدی حیات سے یکسر نا آشنا ہیں۔ کچھ صلیبیوں و یہودیوں میں اگرچہ تصور تو ہے لیکن اسے برائے نام حیثیت حاصل ہے یا اس قدر کمزور تصور ہے کہ ایمان کی حدود سے دور ایک مدھم سا خاکہ ہے جو کسی طور بھی فکر آخرت پیدا کرنے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دینے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کفار میں خیر کا وجود ہی معدوم ہو چکا ہے۔ بس دنیا اور مادیت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکی ہے۔

ہمیں تو مقصود ہے اہل ایمان کا تذکرہ کرنا۔ اہل ایمان جو تمام تر اعلیٰ عقائد و نظریات سے نوازے گیے ہیں۔

افسوس صد افسوس اہل ایمان کے اس طبقے پر جو کفار اور دولت ایمان سے محروم لوگوں کی ڈگر پر چل نکلا ہے۔ عالیشان گھر، محلات، کوٹھیاں، بنگلے، فارم ہاؤس یا زرعی اراضیاں کیوں کامیابی کا معیار بننے لگی ہیں؟ کب سے کامیابی کا فیصلہ اچھی اور مہنگی گاڑیوں کی بنیاد پر ہونے لگا؟ گاڑی تو گاڑی اگر ذاتی جہاز یا ہیلی کاپٹر بھی میسر ہوں تو ایک بندہ مومن کے لیے یہ کامیابی کی ضمانت ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکر ایک صاحب ایمان اتنا کم عقل ہو کہ ساٹھ یا ستر سال کی زندگی کو دائمی آخروی حیات جاوداں پر ترجیح دے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○ (سورۃ الانعام: ۱۶)

”جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا، اور یہی واضح کامیابی ہے۔“

گویا مومن کی تو پہلی فکر ہی یہی ہوتی ہے کہ یوم حساب پر بخشش کیسے حاصل ہو۔ وہ جہنم کی ہولناکیوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ قرآن کے مضامین اسے عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔

سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ (۱۱) آیات میں مومنین کی بعض صفات کا ذکر کیا گیا جن کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

”ان ایمان والوں نے یقیناً کامیابی حاصل کرلی: جن کی نمازوں میں خشوع و خضوع ہے۔ جو لغو کاموں سے دور رہتے ہیں۔ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ ہاں! جو لوگ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ وارث جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی، یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

اسی طرح سورۃ احزاب کی آیت ۳۵ میں بھی کامیاب ہونے والوں کی صفات بیان کی گئیں ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (سورۃ الأحزاب: ۳۵)

”بیشک فرمانبردار مرد ہوں یا فرمانبردار عورتیں، مومن مرد ہوں یا مومن عورتیں، عبادت گزار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا

کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔“

گویا بینک بیلنس بنانے سے یا مال جمع کرنے سے، سونے چاندی کے انبار لگانے سے یا درہم و دینار کے اور ہیرے و جواہرات کے ذخائر جمع کرنے سے کچھ اسباب تو مہیا کیے جاسکتے ہیں لیکن کامیابی کے ضابطے الگ ہیں۔

عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ زندگی بھی خالق ومالک کی رضا والی ہو اور اہم بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔

بلاشبہ حالت ایمان میں موت آنا بخشش کی لازمی شرط ہے لیکن کیا کہنے ان خوش نصیبوں کے جنہیں موت آئے ہی مالک دو جہاں کے راستے میں شہادت کی موت۔ وہ موت جو زندگی سے قوی تر زندگی ہے لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں۔ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شہادت کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

یہی وہ راز تھا جسے حضرات صحابہ نے حاصل کر لیا تھا۔

چنانچہ حضرت حرام ملحان رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر میں شریک صحابی اور قاری کے لقب سے ملقب تھے۔ شروع میں ہی انہوں نے اپنی بہن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ سریہ بئر معونہ میں جام شہادت نوش کیا۔ جب ان پر تلوار سے وار کیا گیا تو زخم پر سے خون کو ہاتھ میں لے کر انہوں نے اپنے چہرہ اور سر پر لگالیا اور کہا رب کعبہ کی قسم! میری مراد حاصل ہوگئی۔ (فزت و رب الكعبه)

مجاہدین کے لیے خصوصاً اور راہ حق کے متلاشی ہر مسلمان کے لیے بالعموم یہ جاننا ضروری ہے کہ شہادت ہی وہ کامیابی ہے جس کے بعد ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وہ کامیابی کی پختہ سند ہے جس کی وقعت روز محشر بے انتہا ہوگی۔

بڑے سے بڑے عمل کے بعد میں ضائع ہونے کا ہمیشہ ڈر رہتا ہے کہیں ریاکاری یا گناہوں کی کثرت یا کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونا ہمیں ہمارے اعمال سے محروم نہ کر دے۔ دوسری طرف ایمان کی سلامتی بھی آخری سانس تک لازم ہے ورنہ تمام اعمال غارت ہو جائیں گے۔ لیکن شہادت ایسا عظیم عمل ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہے جب ایک دفعہ بندہ اخلاص سے اپنی جان اپنے رب کے لیے نچھاور کر دیتا ہے تو پھر یہ عمل کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اسے دنیاوی زندگی سے حسین تر زندگی عطا کر دی جاتی ہے لیکن نہ تو اس کے ایمان کے ضائع ہونے کا ڈر باقی رہتا ہے نہ اعمال کے ضائع ہونے کا بلکہ قیامت تک جب بھی کوئی شہدائے حق کو ایصال ثواب کرے گا اس کا پورا پورا حصہ اسے بھی ملتا رہے گا یوں بلندی اور ثواب میں اضافے کا سلسلہ جاری رہے گا ان شاءاللہ۔

کامیابی کی اصل لذت کیا ہوتی ہے اس تک کسی علوم و فنون کی ڈگری حاصل ہونے پر اپنی ٹوپیاں اچھالتے عصر حاضر کے نوجوان اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک وہ خود وقت شہادت دیدار باری تعالیٰ کی لذت بے کراں سے فیضیاب نہ ہو جائیں۔

غلبہ دین کی جدوجہد کے لیے برسرِپیکار مجاہدین میں بھی نظریاتی پختگی کا ہونا ضروری ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ راہ خدا میں ایک صبح یا ایک شام کا لگادینا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے کیونکہ:

عن انس بن مالك ، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:" لغدوة او روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها".[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام (کا وقت گزارنا) دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔“

لیکن اگر ہم پوری تاریخ کا جائزہ نہ بھی لیں اور صرف ماضی قریب کا ہی جائزہ لیں تو ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو ہمارے لیے سراسر سامان عبرت ہیں۔

کئی ایسے لوگ جو اخلاص سے مصروف جہاد تھے تقویٰ و طہارت اور للّٰہیت بھی خوب تھی۔ لیکن اچانک اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر دین و شریعت کے نام پر خون ناحق بہانے لگے۔ کئی لوگ جن کو عظیم مجاہدین سے نسبت حاصل تھی اچانک وحشی خوارج کا روپ دھار گیے پھر ذہن ایسا بہکا کہ اسلام کو خوب نقصان پہنچایا اور کفار کی آنکھوں کا تارا بن گیے۔ جو کل تک راہ خدا کے مسافر تھے جانے انجانے میں مختلف ملکوں کے استخباراتی اداروں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن گیے اور انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ ایسے گمراہ گروہوں میں آج بھی ایسے نوجوان کثرت سے ہیں جنہیں قائدین کی درپردہ خیانتوں کا کچھ پتہ نہیں اور وہ اس سارے فساد کو کار ثواب سمجھے بیٹھے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ جنت کے راستے سے کب کا اپنا رخ موڑ چکے۔ خوارج کی راہ کی منزل سیدھا جہنم کی عمیق گھاٹیاں ہیں۔ ایسی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں جب مجاہدین دشمن سے لڑ کر جب فارغ ہوئے تو بجائے اعلائے کلمۃ اللہ کے وہ وار لارڈز بن بیٹھے اور ظلم و عدوان کا بازار گرم کر دیا۔ الغرض یہاں تو ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں ہجرت و جہاد کی سعادتیں سمیٹنے والے اچانک وطنیت کے بت کو پوجنے لگے اور عالمی جہاد سے رخ موڑ بیٹھے۔ شریعت کا اس کی روح کے مطابق اللہ کی زمین پر نفاذ گویا انکے ذہن سے یوں محو ہو گیا جیسے کبھی وہ جہاد اور اسلام سے آشنا ہی نہ تھے۔ کئی کفار کی خوشنودی ڈھونڈنے لگے۔ کئی قید و بند کی صعوبتوں کے سامنے ڈھیر

---

[1] سنن ابن ماجه (٢٧٥٤) صحيح البخاری/الجهاد ٥ (٢٧٩٢)، صحيح مسلم/الإمارة ٣٠ (١٨٨٠)، سنن الترمذی/فضائل الجهاد ١٧ (١٦٥١) (صحيح)

ہو گیے اور دولت ایمان کا سودا کر بیٹھے۔ کئی ایسے ہیں جن کی تلواریں دعویٰ تو اللہ کے دین کی سربلندی کا کرتی ہیں لیکن تابع فرمان فاسق اور غدار ریاستوں کے رہتی ہیں۔ جب حکام اپنے مفادات کے لیے کہتے ہیں تو جہاد شروع، اور جب حکام کو ان کے کفار آقاؤں کا سخت حکم آئے جہاد بند۔ معاذاللہ اور بھی ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں جہاں لوگ شیطان کے دام و فریب کا شکار بن گیے۔ لیکن شہادت ایسی سعادت ہے کہ

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس سعادت کو نہ شیطان چھین سکتا ہے نہ نفس نہ کوئی چور چرا سکتا ہے نہ کسی ڈاکو کا بس چلتا ہے۔

بعض مجاہدین فتح کو حتمی نصب العین سمجھ بیٹھتے ہیں لیکن جہاد سے مقصود اول حکم خداوندی بجا لانا ہوتا ہے۔ اگر شریعت کے احکام ہی کو پس پشت ڈال کر فتح حاصل کرنا تھی تو قابض گروہ سے کیا جھگڑا تھا؟ مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا اگرچہ مقاصد جہاد میں سے ہوتا ہے لیکن اس کا درجہ وہ نہیں کہ اس کا تقابل بھی نفاذ شریعت جیسے اولین مقصد سے کیا جا سکے۔ اور آزمودہ بات ہے کہ شریعت سے روگردانی کر کے کبھی امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

پھر بالفرض اگر حکومت حاصل ہو بھی جائے تو یہ خود ایک امتحان ہے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھی بھری پڑی ہے جہاں لوگ اقتدار کے نشے میں ڈوب کر غرق ہو گئے۔

زندگی تو ایسا امتحان ہے جہاں آخری لمحے تک شیطان کے حملے جاری رہتے ہیں۔ اسی لیے مجاہدین کو شہادت ہی کی تمنا دل میں رکھنی چاہیے۔ علامہ اقبال نے شاید اسی راز سے ان اشعار میں پردہ اٹھایا:

یہ غازی، یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تمنائے شہادت رکھتے تھے کہ اس شدت کا مکمل اندازہ بھی محال ہے تاہم اس حدیث پاک سے کچھ سمجھنا آسان ہو گا۔

حدثنا ابو اليمان، اخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: اخبرني سعيد بن المسيب، ان ابا هريرة رضي الله عنه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول:" والذي نفسي بيده لولا ان رجالا من المؤمنين لا تطيب انفسهم ان يتخلفوا عني، ولا اجد ما احملهم عليه ما تخلفت عن سرية تغزو في سبيل الله، والذي نفسي بيده لوددت اني اقتل في سبيل الله، ثم احيا، ثم اقتل، ثم احيا، ثم اقتل، ثم احيا، ثم اقتل.[2]

”ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، ان سے زہری نے بیان کیا، انہیں سعید بن مسیب نے، ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہوتا کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل جاؤں اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے لشکر کے ساتھ جانے سے بھی نہ رکتا جو اللہ کے راستے میں غزوہ کے لیے جا رہا ہوتا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔“

پس ثابت ہوا کہ حقیقی کامیابی مرتبہ شہادت ہی کو سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ شہید رب کی رضا کے انتہائی بلند درجے کو پا لیتا ہے۔

مجاہدین کی دعاؤں میں شہادت کی دعا کو خاص دخل حاصل ہے لیکن ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جہاں تمنائے شہادت اور محض شہادت کی دعا کی وجہ سے دنیا کے مشغلوں میں ڈوبے لوگوں کے لیے اسباب پیدا ہوتے گئے اور وہ ان کو محاذوں تک لے آئی یہاں تک کہ انہوں نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

اللہ ہمیں بھی شہادت کا عظیم رتبہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

---

[2] صحیح البخاری

اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر!

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

انسانیت کی نجات کا راستہ: خالق کی مخلوق میں اسی خالق کے قانون کا نفاذ

اس کی واپسی کا صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ راستہ جس پر چل کر انسانیت ہر دور میں کامیاب رہی، یہ ایسا راستہ ہے کہ درماندہ و پسماندہ اقوام بھی اگر اس راستے پر آئیں تو دنیا کی امام و پیشوا بن بیٹھیں، عرب و عجم، شرق و غرب کے بادشاہوں کی بادشاہتیں ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں تلے روندی گئیں، دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ان کے قدموں میں جھک گئیں۔

جس راستے پر چل کر انسان نے اپنے خالق کو پہچانا، خود کو پہچانا، زندگی کے مقصد کو پہچانا، انسانی معاشرہ اعلیٰ اخلاقیات کے زیور سے آراستہ ہوا۔

جہاں امن و سکون، عزت و احترام، شرم و حیاء، عہد و وفا، ایثار و قربانی اور رشتوں کا تقدس، سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

تاریخِ انسانیت گواہ ہے کہ انسان کو یہ سب ایک ہی صورت میں حاصل ہو سکا، یعنی اللہ کی نازل کردہ کتاب کو نظامِ زندگی تسلیم کر کے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت کو بطورِ نظام و طرزِ زندگی اپنے ملکوں میں نافذ کر کے، امام انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی کو اسوہ بنا کر۔

دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اسے خسارے سے بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس دنیا کو اللہ کے نازل کیے نظام کے مطابق چلایا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہانوں کو پالنے والی ذات ہے، اس نے انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے رسول بھیجے، سب سے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا، جو شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجی گئی وہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت ہے۔

خالقِ کائنات سے بہتر، انسان کے نفع و نقصان کو کون جان سکتا ہے؟ جس نے انسان کو پیدا کیا، جس نے اسے ماں کے پیٹ میں تین پردوں میں زندگی عطا فرمائی اور کمزوری سے قوت عطا کی۔

چنانچہ اس نے جو طرزِ زندگی (دین) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ کافروں حتیٰ کہ چرند و پرند اور نباتات کے لیے بھی رحمت ہی رحمت ہے۔

چنانچہ اللہ کے قانونِ فطرت سے بغاوت کر کے، اس کے نازل کردہ طرزِ زندگی کو چھوڑ کر، حکمراں طبقے کے ایجاد کردہ طرزِ زندگی کو دنیا میں نافذ کیا جائے گا تو اس کا انجام عمومی تباہی اور عظیم خسارے کی صورت میں دنیا کو دیکھنا ہوگا۔

انسانیت کو اس وقت تک مکمل خسارے سے نہیں بچایا جا سکتا جب تک کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ طرزِ زندگی غالب نہ کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے نظام کے طور پر انسان کے لیے پسند فرمایا۔

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورۃ المائدۃ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیا، اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔“

انسانیت کو اس خسارے سے نکالنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟

انسانیت کو اس عظیم خسارے سے وہی بچا سکتے ہیں جو اس دعوت کے حامل ہیں جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو اس دعوت کے امین ہیں۔

سو سورۂ عصر کی یہ آیت ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ اہل ایمان کو جھنجوڑ رہی ہے کہ اے وہ امت جسے ایک عظیم مقصد کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا تھا، جسے انسانیت کی قیادت و امامت کے منصب پر فائض کیا گیا، جنہیں دنیا کو باطل نظاموں کی تاریکیوں سے نکال کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے نظام میں داخل کرنے کی ذمہ داری دی گئی، جنہیں افضل امت اس لیے بنایا تھا کہ انسانیت کو شرک و بت پرستی اور مختلف معبودوں کی عبادت سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں داخل کریں گے، انہیں دنیا و آخرت کے خسارے سے نکال کر فوز مبین یعنی کھلی کامیابی کے راستے پر لے کر آئیں گے خواہ ان کی نجات کے لیے تمہیں اپنی جانوں کی بازی لگانی پڑے، اپنی زندگی کو جنگوں کی گھن گرج اور تلواروں کی چمک کے سائے میں گزارنا پڑے، اپنی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیمی کے داغ دینا پڑیں، تم اس کے لیے قتال بھی کرو گے، انسانیت کی ہدایت اور کامیابی و فلاح کا تمہارے اندر ایسا جذبہ ہو گا کہ تم اس کے لیے جان سے بھی گزر جاؤ گے، اسی صورت میں تم خیر امت بن سکتے ہو، جب اپنی ذات، اپنا سکون، اپنا وجود دوسروں کی فلاح و نجات کے لیے قربان کرنے والے بن جاؤ، اسی صورت میں تو خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کے لیے سب سے اچھے بن سکتے ہو، یہاں تک کہ تم انہیں زنجیروں میں جکڑ بھی لاؤ اور یہ لانا ان کی ابدی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بن جائے۔

آیت کا یہ حصہ ہندوستان کے داعیانِ دین کو جھنجوڑ رہا ہے کہ اے بت کدۂ ہند میں توحید کی شمعیں جلانے والو! اس جدید دور میں بھی تمہارے ساتھ ایسی قوم رہتی ہے جو آج بھی پتھروں کو معبود مانتی ہے، اپنے ہاتھوں سے تراشے اور تراش کر بازاروں میں بیچے ہوؤں کو اپنا الہ و معبود بنالیتی ہے، انہیں بت پرستی کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے اجالوں سے آشنا کرانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ انہیں جہنم سے بچانے اور ہدایت کے راستے پر لانے کے لیے تمہیں ہی فکر کرنی ہوگی، دعوت کے راستے میں رکاوٹ ائمۃ الکفر کو راستے سے ہٹانا ہوگا، تاکہ باقی لوگوں کے لیے ہدایت کے راستے کھل جائیں اور تمہارا ان سے جہاد کرنا ان کے لیے رحمت کا سبب بن جائے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دو فیصد برہمنوں نے کروڑوں اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت سے روک کر بتوں کی عبادت پر لگایا ہوا ہے۔

اہلِ ایمان کو جھنجوڑنے اور انہیں ان کے فرضِ منصبی یاد دلانے کے لیے کیا یہ آیت کافی نہیں؟ کیا آج امت کا سنجیدہ طبقہ انسانیت کی حالت سے باخبر نہیں۔

پہلے تو یورپ ہی کو روتے تھے، اب تو یہ سیلاب اپنے گھروں کے اندر داخل ہو چکا ہے، کیا اب بھی ہم خوابِ غفلت میں پڑے، راحت و آرام کے متلاشی، اپنی جان بچانے کے لیے بقائے باہمی کے گھسے پٹے نظریے ہی سے چمٹے رہیں گے؟

ذرا اس چھوٹی سی سورت کی چھوٹی سی آیت کو دل کے کانوں سے سنیے، انسانیت کا درد رکھنے والوں کو یہ دعوتِ عمل دے رہی ہے۔

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ زمانے کی قسم! اس جدید زمانے میں بھی انسانیت خسارے میں جا رہی ہے، تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے بلکہ فوج در فوج اس تباہی کا شکار ہو رہی ہے، جبکہ تمہیں تو اسے خسارے سے بچانے کے لیے بھیجا گیا،

اے مسجدوں کو آباد کرنے والو! سنو ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾،

اے منبر و محراب کے وارثو! ذرا اس چار دیواری سے نکل کر دیکھو ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾،

جبکہ تمہیں تو انبیاء کا وارث بنایا گیا، اس دین کا حامل بنایا گیا جو کامل و مکمل نظامِ زندگی ہے۔ اور اس پر لوگوں کو لانے کی ذمہ داری تمہارے ہی کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

”تم بہترین لوگ ہو جنہیں لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ قَالَ خَيْرَ النَّاسِ لِلنَّاسِ تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ۔[1]

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: ”لوگوں کے لیے سب سے بہترین تم ہو، تم انہیں ان کی گردنوں میں بیڑیاں ڈال کر لاتے ہو یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔“

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں بیان فرمایا:

عن ابن عباس في الآية أن المعنى تأمرونهم أن يشهدوا أن لا إله إلا الله ويقرّوا بما أنزل الله تعالى وتقاتلونهم عليهم ولا إله إلا الله هو أعظم المعروف وتنهونهم عن المنكر والمنكر هو التكذيب وهو أنكر المنكر۔[2]

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ”تم لوگوں کو یہ امر کرتے ہو کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کیا اس کا اقرار کریں، اور تم اس کے لیے ان سے قتال کرتے ہو۔ اور لا الہ الا اللہ سب سے بڑا معروف ہے۔ اور تم انہیں منکر سے روکتے ہو، اور منکر اللہ کا انکار ہے جو کہ سب بڑا منکر ہے۔“

یعنی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کافروں سے جہاد کرتے ہو۔ یہاں امر بالمعروف کا اعلیٰ درجہ یعنی اسلام کی طرف دعوت اور جو شریعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اس کا اقرار کرنا ہے۔

اور نہی عن المنکر یعنی بدترین منکر کفر سے تم روکتے ہو، جیسا کہ امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر فرمائی، پھر تم ان پر غالب آجاتے ہو اور انہیں گرفتار کر کے لے آتے ہو، یہ گرفتاری ان کے لیے رحمت بن جاتی ہے اور تمہارے قریب رہ کر وہ اسلام کا اصل چہرہ دیکھ لیتے ہیں، اس طرح وہ اسلام اپنی خوشی سے قبول کر لیتے ہیں، اور انہیں دنیاوی و اخروی دونوں کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اعلیٰ درجہ یعنی قتال فی سبیل اللہ کرنے کی وجہ سے یہ امت افضل امت قرار پائی، کہ یہ انسانیت کی کامرانی و فلاح کا ضامن ہے۔ چرند و پرند اور

[1] صحيح البخاري (۲۸/۱۴)

[2] روح المعاني (۲۴۴/۲)

نباتات وجمادات کی بقا کا ذریعہ ہے، یہ کائنات کے نظام کی بقا کا ضامن ہے، یہ الارض کو فساد سے پاک کر کے اسے اس کی اصل فطرت پر قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قرآن نے ایک آیت کے حصے میں اسے یوں بیان فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورۃ البقرۃ:۲۵۱)

”اور اگر اللہ کی بعض کو بعض کے ذریعہ ختم کر کی سنت نہ ہوتی تو زمین فساد زدہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔“

سو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر اس طرح فضل فرمایا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کو قتال کا حکم دے کر بھیجا تا کہ ان قوتوں سے قتال کیا جائے جو رحمت والے نظام کو نافذ ہونے سے روکتی ہیں، ان کا خاتمہ کر کے سارا کا سارا نظام اللہ کا بھیجا ہوا نافذ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾(سورۃ الأنفال:۳۹)

”اور (مسلمانو!) ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آ جائیں تو ان کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔“

کیونکہ اللہ کی نازل کردہ شریعت پاک ہے اور غیر اسلامی نظام ناپاک۔ سو پاک و ناپاک ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اس لیے پہلے اسلام کے علاوہ ہر نظام کو ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاد کے ذریعہ اسلام اول تو یہی چاہتا ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں اور محمد ﷺ کے لائے طرزِ زندگی کو دین کے طور پر اختیار کر لیں۔ لیکن اگر وہ کلمہ پڑھنے پر راضی نہیں ہوتے لیکن جزیہ دینے پر راضی ہیں تو اب انہیں کلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیا جائے گا (اگر وہ ان کافروں میں سے ہیں جن سے جزیہ لینا جائز ہے)۔ جزیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے پرانے دین پر باقی رہیں گے لیکن ان کے ملک میں محمد ﷺ کی لائی شریعت نافذ ہوگی اور یہ جزیہ ادا کیا کریں گے، اس کے بدلے اسلامی حکومت ان کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنائے گی۔ لیکن اگر وہ جزیہ پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر ان سے جنگ کی جائے گی یہاں تک کہ مذکورہ باتوں میں سے وہ کسی پر راضی ہو جائیں۔

یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے کفر پر باقی رہنے کی اجازت دے رہا ہے (اگرچہ حقیقتاً یہ کفر پر باقی رہنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اسلام کے نظام کو قریب سے دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے، چنانچہ انہیں اسلام کی طرف لانے کے لیے یہ انتظام کیا گیا ہے)، جبکہ وہ جزیہ دے کر اپنے ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے تیار ہوں، لیکن اس کی ہرگز اجازت نہیں دے رہا کہ وہ اپنے ملک میں نفاذِ شریعت پر راضی نہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کافروں پر بھی محمد ﷺ کی لائی شریعت ہی بطورِ قانون بالا دست رہے، کیونکہ اسلام بلند اور غالب ہونے کے لیے آیا ہے، الإسلام يعلو ولا يعلى۔ اسلام کو غالب کرنے کے بعد ہی منکرات کو ہر سطح پر روکنا ممکن ہو گا، انفرادی سطح پر تذکیر و وعظ کے ذریعہ بھی اور جو اس سے نہ مانے اسے شریعت کی قوتِ حاکمہ کے ذریعہ روکا جائے۔ ان دروازوں کو بند کر دیا جائے جہاں سے منکرات پھیلائے جاتے ہیں۔ اور پھر معاشرے کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ اور درس و تذکیر کا سہارا لیا جائے۔ یوں انسان اپنی فطرت پر واپس آنا شروع ہوتا ہے اور اس کی طبیعت فساد سے پاک ہو کر اللہ کے رنگ میں رنگنی شروع ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکرات کو ختم کرنے کے لیے قوت کے استعمال کی اجازت دی، گندگی سے بھرے ماحول کو صاف کرنے کے لیے جہاد کو فرض فرمایا تاکہ اس کے ذریعہ کفر کے غلبے کو ختم کر کے اسلام کو غالب کر دیا جائے۔ کیونکہ معاشرے کو برائیوں سے بچانے کے لیے ضروری ہے ان اسباب کو پہلے ختم کیا جائے جو ان کے پھیلنے کا سبب بن رہے ہیں، اس ماحول کو تبدیل کیا جائے جو ماحول خود برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ جہاں ہر طرف برائیوں کی دعوت، ایسی دعوت کہ لپک لپک کر شرفاء کے دامن کو بھی اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کر رہی ہے، اس حقیقت کو سمجھنے میں کسی عقل مند کو مشکل نہیں کہ اگر کسی ماحول میں کوئی برائی عام ہو چکی ہو، تو وہاں کوئی کتنے صالح شخص ایسے ہوں گے جو اپنے نفس سے مطمئن ہو کر اس ماحول میں بے فکر بیٹھے رہیں۔ مثلاً ہمارے اس دور میں سود عام ہے۔ ریاست کے ذریعہ مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں سود ادا کریں۔ چنانچہ ایسے سودی ماحول میں کوئی شخص نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو کس طرح اس سود میں مبتلا ہونے سے بچا سکتا ہے؟ اسی طرح گانے بجانے اور موسیقی کا حال ہے۔

معاشرے میں موجود غالب ماحول پورے معاشرے کو جلد یا بدیر بالآخر اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اگر ہر جگہ زبانی دعوت و تبلیغ سے معاشرے کی اصلاح ہو جایا کرتی تو اللہ اپنے انبیاء کو گناہوں سے بھرے ماحول سے ہجرت و جہاد کا حکم نہ دیا کرتے۔

چنانچہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے نفاذ کی اہمیت کو یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ دین دے کر بھیجنے کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾(سورۃ الصف: ۹)

”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔“

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلام کافرِ اصلی کو کلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کرتا لیکن اس پر شریعت کے نظام کو لازم کرتا ہے۔ ان ملأ القوم (مقتدر طبقے) کی گردنیں اڑانے کا حکم دیتا ہے جو معاشرے میں ظلم و زیادتی، بے شرمی و بے حیائی اور بد دیانتی و ناانصافی کے ماحول کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

شریعت کے نفاذ کے لیے یہ جنگ کرنے کا حکم تو ان کافروں کے بارے میں ہے جو کہ ابھی اسلام بھی نہیں لائے، سو آپ ان حکمرانوں کے بارے میں شریعت کے حکم کا اندازہ لگایے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن اللہ کی نازل کردہ شریعت کے دشمن ہیں، اس کے نفاذ کو قوت سے روکتے ہیں، بلکہ اس کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں کہ اس جنگ کو مباح سمجھتے ہیں بلکہ اسے جہاد کہتے ہیں، مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کی سرزمینوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافروں کی مدد کرنا، انہیں اپنی زمین، اپنی فوج، اپنے اڈے فراہم کرنا، ان کی پارلیمنٹ کے نزدیک مباح قرار دیا گیا ہے۔

جن کا نظامِ حکومت کفر کا سرچشمہ ہے، جس میں اللہ کے ساتھ ایک کفر نہیں بلکہ کفر در کفر ہے۔ جن کی عدالتوں کا مرجع وہ قرآن نہیں جسے محمد ﷺ کو دے کر بھیجا گیا بلکہ وہ ہے جسے جمہوریت کی دیوی پسند کرلے، جن کی معاشیات و اقتصادیات کی روح اور بنیاد سود پر قائم ہے جسے ان کی پارلیمنٹ نے حلال (قانونی) قرار دیا ہے، یہ محمد ﷺ کی لائی شریعت کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

زمانہ تقاضا کر رہا ہے کہ انسانیت کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی تجلیات سے منور کر دیا جائے، جاہلی نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینک کر اللہ کے نازل کردہ نظام کو غالب کر دیا جائے، دنیا کی قیادت شیطانی ٹولے سے چھین کر اللہ کی کتاب کے حاملین کے سپرد کر دی جائے، اس ظالمانہ سودی نظام اور ان ملک و ملت کے غداروں سے نہ صرف مسلمانوں کو نجات دلائی جائے بلکہ کافروں کو بھی عظیم خسارے سے بچا کر انہیں ابدی کامیابی کی طرف لایا جائے۔ یہ ہر مسلمان سے قرآن کا تقاضا ہے، وقت کا تقاضا ہے، اس دین کا تقاضا ہے۔

اللہ کو دل میں اتار کر، اعمالِ صالحہ سے اپنے کردار کو سنوار کر، پورے کے پورے قرآن کی دعوت لے کر اٹھنا اور پھر اسی کی تبلیغ اور اسی پر ثابت قدمی، دنیا پھر سے آپ کی منتظر ہے، انسانیت کسی نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، امانت کا، دیانت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

سارے نظام ناکام ہو چکے، ہر طرزِ حکومت و طرزِ زندگی کا دجل آشکارا ہو چکا، سب ملمع سازی اور دجل و فریب کے سوا کچھ نہیں۔

بس امتِ توحید ہی ہے جو انسانیت کی ڈولتی اس کشتی کو اس منجدھار سے نکال سکتی ہے، ظلم و جبر کے اس سودی نظام میں آبلہ پائی کرتی اس دنیا کو امن و انصاف والے نظام میں داخل کر کے سکون پہنچا سکتی ہے، کیونکہ تمہارے علاوہ کوئی اس نظام کا حامل نہیں جو اللہ کا نازل کردہ ہو، رحمت والا ہو، طبقاتی تفریق اور لسانی و قومی تعصبات سے پاک ہو، جو انسان کو صرف مفادات پر نہ تولتا ہو۔

یہ درست ہے کہ انسانیت کو عالمی بھیڑیوں نے اپنے نرغے میں لیا ہوا ہے، وہ کسی طرح اسے چھوڑنا نہیں چاہتے، کہ ان کے جبڑوں کو انسانی خون لگ چکا ہے، اسی لیے ہر اس مسلمان سے انہوں نے اعلانِ جنگ کیا ہے جو ان کے نظام کو للکار رہا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ نظام کی دعوت دے رہا ہے، جو انسانیت کو دنیا و آخرت کے خسارے سے بچانا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی ساہوکار، عالمی سود خور اور انسانیت کو شیطان کا غلام بنانے والے کہاں یہ برداشت کریں گے کہ کوئی اور آکر انسانوں کو بچا کر لے جائے، اسی کے لیے تو دنیا بھر میں دہشت گردی کے نام پر جنگ چھیڑی گئی ہے، اسی شیطانی مشن کی خاطر تو دنیا بھر میں نئے نئے اتحادی، کوئی فرنٹ لائن تو کوئی خفیہ، بنائے گئے ہیں، اپنا آخری زور تک اس ہاری جنگ کو جیتنے کے لیے دنیا بھر میں لگایا جا رہا ہے، سو اس راستے میں کچھ تکالیف تو آئیں گی، کچھ مشکلات کا سامنا تو کرنا ہوگا، لیکن اگر سامنے عظیم مقصد ہو کہ انسان کو انسان بنانا، اسے اس کے رب کی پہچان کرانا، اسے مقتدر قوتوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا، پوری انسانیت کو عظیم خسارے سے بچانا ہے، اور اللہ کی ذات پر کامل ایمان، اعمالِ صالحہ سے کردار کی پختگی، اور وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کا منہج۔

اس میں اگر جان ہارنی پڑے تو پھر بھی بازی جیت گئے، اگر تکالیف اٹھانی پڑیں، جیل، کال کوٹھریاں، پھانسی کے پھندے، زمانے کی قسم! خير الناس للناس، لوگوں میں بہترین لوگ، سب سے شریف و کریم، سب سے مخلص و وفادار وہی تو ہے جو صرف اپنے بھائی یا اپنی قوم و قبیلے یا وطن کے لیے جنگ نہیں کرتا بلکہ اس لیے کرتا ہے جو نعرہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کرام لگایا کرتے تھے، لنخرج العباد من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد کہ ہم اس لیے قتال کرتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں داخل کر دیں، آج صحابہ کے جانشینوں نے اسی عظیم مشن کے لیے دنیا بھر کی دشمنی مول لی ہے، اسی کی خاطر مشقتیں، تکلیفیں، ہجرتیں اور دربدریاں، صرف اس غم میں کہ یہ امت سو

فیصد اللہ کی کتاب پر عمل کر کے سو فیصد کامیاب ہو جائے، یہ کافروں سے لڑ جھگڑ کر، انہیں جہنم میں گرنے سے روک رہے ہیں، حالانکہ ائمۃ الکفر انہیں مار رہے ہیں، ان پر بم برسا رہے ہیں، ان سے عالمی جنگ چھیڑے ہوئے ہیں، لیکن کیسے شریف ہیں، کیسے شفیق ہیں، خیر الناس للناس، انہیں اسی بات کا غم ہے کہ انسانیت خسارے سے بچ جائے، دینِ اسلام میں داخل ہو کر ابدی خسارے سے نجات پا جائے، یہ انہیں اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور کفر سے روکتے ہیں، یہ انہیں جہنم کی آگ سے روک کر اللہ کی ابدی جنت کی نعمتوں کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں، اپنی جان کی بازی لگا کر۔

انہی جیسے دیوانوں کے بارے میں تو اعلان ہوا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اعلیٰ درجہ یعنی قتال بھی کرنا پڑے تو قتال بھی کرتے ہیں۔
حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا: وتقاتلونهم عليه۔

یہی کامیاب لوگوں کی پہچان ہے، یہی اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنے والے ہیں جو کافروں کی ہدایت کے لیے بھی اپنی جانیں قربان کر جاتے ہیں، اللہ کی مخلوق کو فساد سے بچا کر فطرت پر واپس لوٹانے کے لیے دنیا بھر میں جانیں لٹاتے پھرتے ہیں، صحرا صحرا، وادی وادی، دشت و جبل اور بحر و بر، ہر طرف انہی کے لہو نے رونق سجائی ہے، یہی دیوانے ہیں جو سر دھڑ کی بازی لگا کر ظلم و جبر کے اس نظام کو ڈھانے لگے ہیں۔

ورنہ جب سے مسلمانوں میں یہ قربانی کا جذبہ ختم ہوا تو دنیا سے شریعت کی بالادستی بھی ختم ہو گئی، اور پھر خلافتِ عثمانیہ کو توڑ دیا گیا۔ تب سے عالمِ اسلام پر تاریکیوں نے ایسے ڈیرے ڈالے تھے کہ کچھ سجھائی ہی کہاں دیتا تھا کون اپنا ہے، کون پرایا، کون دوست ہے، کون دشمن، کون قاتل ہے، کون منصف، کون رہزن ہے، کون رہبر؟

لیکن الحمد للہ چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کا خاتمہ اور پندرہویں صدی ہجری کا سورج طلوع ہوا تو سرزمینِ خراسان سے اللہ نے قومِ افغان کو اپنا دین بچانے، اسے مضبوط کرنے اور اللہ کی کتاب کو اللہ کی سرزمین پر نافذ کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ اور غیور قوم کی غیرت مند سرزمین کو اسلامی تحریکات کے لیے ایک گہوارا بنا دیا۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اجتماعی طور پر کہیں جہاد کے لیے کھڑے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے قربانیوں کی ایک ایسی تاریخ رقم کی جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا، قومِ افغان نے جس طرح سوویت یونین کے مقابلے میں قربانیاں دیں، یہ تاریخِ اسلام کا ایسا سنہری باب ہے جو اہلِ قلم پر قرض ہے جسے دنیا کے سامنے لانا ان پر فرض ہے، داستانیں ہیں، قندھار و ہلمند کی داستانیں، کڑیل جوانوں، سفید ریش بزرگوں اور کمسن مجاہدوں کی بہادری کی داستانیں، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی ایسی قربانیاں جو اب پشتو ادب کا حصہ بن چکیں۔

اس حقیقت سے کوئی دیانت دار انکار نہیں کر سکتا کہ سرزمینِ افغان پر گرنے والے شہیدوں کے لہو نے وطن اور قومیت کی لکیروں میں بکھرے مسلمانوں کے دلوں میں امتِ محمدیہ ﷺ کا حصہ ہونے کا احساس زندہ کیا، یہ اس قوم کی قربانیاں ہی تھیں جس نے لٹی پٹی اور حیران و سرگرداں امت کو تمام مسائل کے حل کا ایک واضح راستہ دکھایا، سوشلزم و جمہوریت کی بھول بلیوں میں راہِ حق تلاش کرتی امت کو منزل کی جانب صراطِ مستقیم دکھایا، امتِ مسلمہ کو جہاد پر ابھارا، انہیں کمزوری کے باوجود طاقتور دشمن سے ٹکرانے کا حوصلہ عطا کیا، اللہ کی اس سنت کو سمجھایا کہ اللہ کمزوروں ہی کے ذریعہ طاقتوروں کو شکست کی ذلت سے دوچار کیا کرتا ہے، اللہ کے قرآن کو مساجد و مدارس کے ساتھ ساتھ ایوانوں، عدالتوں اور معاملات میں نافذ کیا، پھر ایک اور ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کے دعویدار امریکہ کو اسی کے قلب میں گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائیوں کے ذریعہ رسوا کیا، اور اس کے بعد اس کی ساری عزت کو افغانستان کے پہاڑوں اور صحراؤں میں دفن کرنے کا انتظام کیا۔

اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تواصوا بالحق کی راہ پر چلتے ہوئے اپنی زندگیاں جھونک دینے والوں کی تاریخ تو ایسی اُجلی ہے کہ انہی کے دم سے اس تاریک دنیا میں اجالا باقی ہے۔ یہ ہر دور میں اپنے خونِ جگر سے ایسے وقت میں چراغ جلاتے رہے جب کہ منہ زور طوفانوں کے سامنے کوئی ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، چراغ سے چراغ جلتے رہے، آسمان گواہ ہے کہ آندھی و طوفان اور اندھیری کالی گھٹاؤں کے باوجود ان چراغوں کے اجالے ہر دور میں تاریکیوں پر غالب رہے اور راہ نوردوں کو راہِ منزل دکھاتے رہے، انہی دیوانوں کے نقشِ قدم پر چل کر تو قافلے منزل پر پہنچتے رہے، اور الحمد للہ آج پہنچ رہے ہیں۔

یہ عملی تفسیر ہیں رحمۃ للعالمین ﷺ کے اس فرمانِ مبارک کی:

> لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ۔[3]
> ”میری امت کی ایک جماعت حق کے لیے قتال کرتی رہے گی، جو ان کی مخالفت کرے گا یہ اس پر غالب رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے آخر والے دجال سے قتال کریں گے۔“

(بقیہ صفحہ نمبر 98 پر)

[3] رواه الحاكم وقال هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاه

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

عفان غنی شہید رحمۃ اللہ علیہ [۱]

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

قارئین کی محبت و مستقل اصرار، موصول ہونے والے خطوط، تبصروں اور میسجز نے مجبور کیا کہ اس سلسلۂ مع الأستاذ فاروق کو جاری و ساری رکھا جائے۔ اللہ پاک سے خیر کا سوال ہے اور دعا ہے کہ وہ ہماری نیتوں کو خالص فرمائے اور شر و امورِ شر کو ہم سے دور فرمادے، آمین!

پچھلی محفلِ استاذ میں وعدہ کیا تھا کہ آئندہ محفل میں ریحان بھائی کا ذکر کروں گا۔ جس طریقے سے سلسلۂ مع الأستاذ کو چلایا ہے تو اسی اسلوب سے ریحان بھائی کا ذکر بھی کر دیتا ہوں، یعنی واقعاتی ترتیب سے، لیکن نہایت مختصر۔

محفلِ استاذ کی شروع شروع کی نشستوں میں کہیں لکھا تھا کہ فاروق بھائی سے تیسری ملاقات جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا کے ایک نواحی گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس گاؤں کا نام 'مانا' تھا، مانا پشتو زبان میں سیب کو کہتے ہیں۔ فاروق بھائی جب ہمارے مرکز میں آئے تو ان کے ساتھ ایک اور نوجوان ساتھی بھی تھے۔ یہ ساتھی ریحان بھائی تھے۔ پہلی ملاقات تھی، کچھ تکلف تھا اور اس ملاقات میں غم کی ایسی خبر ملی تھی کہ 'تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے' کہ مثل باقی دنیا سب بھولی ہوئی تھی۔ یہ خبر محمد خالد (ابنِ خالد خواجہ صاحب) کی شہادت کی خبر تھی۔ بچپن کے ایک دوست و واقف کار، ہم مکتب (school fellow) کی شہادت کی خبر، ایسی خبر جس کا ذکر اب پندرہ سولہ سال بیت جانے کے بعد بھی ہر دفعہ یاد کرنے پر ایسے تازہ ہو جاتا ہے جیسے ابھی ہی کا واقعہ ہو۔ لہٰذا ریحان بھائی سے علیک سلیک سے بڑھ کر کوئی بات نہ ہوئی۔ بعد میں ساتھیوں سے ہم نے ریحان بھائی کا ذکرِ خیر کئی بار سنا لیکن شاید اگلے سات آٹھ ماہ ریحان بھائی سے مزید ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

ہم اواخرِ اکتوبر یا اوائلِ نومبر ۲۰۱۰ء میں شمالی وزیرستان کے علاقے لواڑہ سے وانا کی طرف عازمِ سفر ہوئے، براستہ دتہ خیل و شوال۔ شوال سے انگور اڈہ پہنچے، اس واقعے کا ذکر پہلے کسی محفلِ استاذ میں گزر چکا ہے۔ انگور اڈہ سے وانا کی طرف ایک کچا راستہ جاتا ہے، جو منڈاؤ کے علاقے سے گزرتا ہے۔ منڈاؤ بڑا ہی سخت پہاڑی علاقہ ہے اور وہاں کی کچی سڑک انتہائی کھڑی چڑھائی ہے، اور ہمارے معاملے میں سخت ڈھلان کہ ہم اونچائی سے نیچائی کی طرف اتر رہے تھے۔ ہم ڈالے میں سوار تھے یعنی ٹویوٹا ہائیلکس نوے کی دہائی کا شروع شروع کا کوئی ماڈل اور ریحان بھائی اس کو چلا رہے تھے۔ یہ ریحان بھائی سے میری دوسری ملاقات تھی۔ عام سڑک پر ریحان بھائی کیسی گاڑی چلاتے تھے اس کا تو معلوم نہیں، لیکن منڈاؤ کی پہاڑیوں پر جیسے انہوں نے گاڑی چلائی وہ واقعی مہارت یا ضرورت سے زیادہ شجاعت کی متقاضی تھی اور وقت بھی رات کا تھا۔

وانا میں ہمارا نیا مرکز شین ورسک کے علاقے میں تھا، فاروق بھائی کی ذاتی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی اور اس کا ذکر بھی سابقاً گزر چکا ہے۔ اس مرکز کا نام ساتھیوں نے حنین مرکز رکھا تھا۔ یہاں گاہے ریحان بھائی سے تھوڑی تھوڑی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ پھر ہم اعظم ورسک چلے گئے، وہاں مرکز میں، میں اکیلا ہوتا تھا تو ریحان بھائی اکثر رات میں وہاں آ جایا کرتے تھے۔ ادیب تو میں نہیں تھا، لیکن اردو زبان سے لگاؤ بچپن سے تھا اور مادری زبانی بھی اردو ہے، اگرچہ پدری زبان نہیں ہے تو اسی ذوق کو دیکھ کر ریحان بھائی اعظم ورسک مرکز میں شروع شروع کی ملاقاتوں میں ہی میرے لیے اردو کی مشہور لغت 'فیروز اللغات' کا نسخہ خرید کر بطورِ تحفہ لائے۔ یہ اوائل ۲۰۱۱ء کی بات ہے، شاید جنوری یا فروری کی۔ یہیں ریحان بھائی سے تعلق دوستی والا ہو گیا۔

ریحان بھائی کا اصل نام عفان غنی تھا۔ ان کے والد کا نام عثمان غنی تھا جو ایک اعلیٰ گریڈ کے سرکاری افسر تھے۔ ریحان بھائی کے سگے چچا پاکستان کے مشہور پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ شخصیت ہیں جن کا نام سلمان غنی ہے۔ اسی طرح ان کے ایک اور رشتے کے چچا سجاد میر ہیں، وہ بھی مشہور صحافی ہیں۔ ریحان بھائی کی پھوپھیاں عاصمہ غنی اور عافیہ غنی ایک سیاسی مذہبی جماعت سے وابستہ تحریکی خواتین ہیں اور ان کی سگی خالہ عامرہ احسان صاحبہ ہیں جو فاروق بھائی رحمہ اللہ کی والدہ ہیں اور ہمارے قارئین کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں، ایک داعیہ و بلند پایہ مربیہ خاتون ہیں۔ ریحان بھائی کی پیدائش ۱۹۸۸ء کی تھی، ابتداءً ریحان بھائی راولپنڈی میں رہے اور لڑکپن و جوانی ان کی لاہور میں گزری۔ ماڈل ٹاؤن لاہور میں ان کی رہائش تھی۔ یو ای ٹی (University of Engineering and Technology) لاہور سے انہوں نے مکینیکل انجنیئرنگ میں بیچلرز کیا تھا۔ ۲۰۰۷ء میں ان کو فاروق بھائی کے سب سے چھوٹے بھائی جو ریحان بھائی سے دو سال چھوٹے تھے، جن کا نام راجہ محمد حمزہ تھا اور ہم انہیں حمزہ راجہ کے نام سے جانتے و پکارتے تھے نے دعوتِ جہاد دی تھی۔

حمزہ راجہ بھی راقم کے ہم مکتب تھے، حافظِ قرآن تھے اور سکول میں اپنی غیرت و حمیتِ ایمانی کے لیے معروف تھے۔ انہوں نے سکول میں اپنے بہت سے ہم صنفوں (class fellows)

کو جہاد کی دعوت دی۔ دراصل انہی کے ایک ہم صنف طارق خان بھٹنی بھائی تھے، جن کو حمزہ راجہ بھائی نے جہاد کی دعوت دی۔ اسلام آباد کے سیکٹر ای الیون میں قائم الفوز اکیڈمی زیرِ سرپرستی محمد خان منہاس صاحب میں، جب ڈاکٹر ارشد وحید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک درسِ قرآن 'جہاد کی فرضیت' رکھوایا گیا تو ان طارق خان بھٹنی بھائی کو حمزہ راجہ بھائی ہی اس درس میں شرکت کے لیے لے گئے۔ طارق خان بھائی اس درس سے بہت متاثر ہوئے۔ راقم الحروف کو بھی جہاد کی دعوت دینے والے طارق خان بھٹنی بھائی ہی ہیں، جنہوں نے بعداً ۲۰۰۸ء کے نصفِ آخر میں مجھے صائم الدہر بھائی (حفظہ اللہ) سے ملوایا۔ طارق بھائی میرے استاد بھی تھے اور میرے محسن بھی، ہم گھنٹوں گھنٹوں بیٹھ کر کاغذ پر افغانستان میں موجود امریکی فوج اور ان کے گرد حفاظتی حصار بنائے افغان ملی فوج کے کیمپوں کے نقشے بناتے اور ان کیمپوں پر حملے کرنے کے طریقے سوچا کرتے، اسلامی انقلاب اور جہاد و شہادت کا ذکر کیا کرتے، لیکن للأسف، اعلیٰ تعلیم اور حسین کیریئر کے خواب انہیں ۲۰۰۹ء میں کینیڈا لے گئے اور پھر وہ اس 'نئی دنیا' میں جا کر بس جانے والوں میں سے ہو گئے، فاِنّا للہ واِنّا اِلیہ راجعون! حمزہ راجہ بھائی بعداً ۲۰۰۸ء کے نصفِ اول میں انگور اڈہ میں مجاہدین کے ایک مرکز میں امریکی ڈرون حملے میں شہید ہو گئے اور اسی بمباری میں ان کے ساتھ کراچی کے عبد السلام (تنویر) بھائی بھی شہید ہوئے۔ حمزہ بھائی کا لاشہ ہوا میں بکھر گیا اور ان کو وہ موت حاصل ہوئی جس کی تمنا ہر گھر سے نکلنے والا مجاہد کرتا ہے، اے کاش کے یہی شہادت ہمیں بھی اپنی آغوش میں لے لے۔

ریحان بھائی نے مجھے بتایا کہ حمزہ نے جب مجھے جہاد کی دعوت دی تو میں سب سے زیادہ جس چیز سے متاثر ہوا وہ حمزہ بھائی کا فرضیتِ جہاد کے لیے بار بار قرآن کی آیات بطورِ دعوت و دلیل پیش کرنا تھا۔ اس وقت ریحان بھائی پر دنیا داری کا غلبہ تھا۔ لیکن حمزہ بھائی کی دعوت نے ان کا دل اللہ سے جوڑ دیا اور بس چند نشستوں کے بعد وہ عفان سے ریحان ہو گئے۔ اوائل ۲۰۰۸ء میں ریحان بھائی نے ہجرت کی اور مارچ ۲۰۰۸ء میں انہوں نے وانا کے اسی اولاً مذکور مضافاتی علاقے مانا میں دورۂ تاسیسیہ یا بنیادی تدریب (basic training) کی، ان کے شرکائے دورہ میں شہید عبد الاحد بھائی اور شہید ہشام گل بھائی بھی تھے، کئی اور ساتھی بھی تھے جن میں چند ابھی حیات ہیں۔

تدریب کے بعد سال یا کچھ زیادہ یا کم کا عرصہ ریحان بھائی نے مختلف جہادی تشکیلات میں گزارا، پھر ۲۰۰۹ء میں اپنے گھر گئے، ۲۰۱۰ء میں پھر آئے اور تادمِ شہادت میدان ہی میں رہے۔

ریحان بھائی کے گھرانے کا صحافتی پس منظر، ریحان بھائی کا سیاسی امور پر تبادلۂ خیال اور ان کی غم گساری و دوستی یاری کی صفت نے مجھے ان کا اور ان کو میرا دوست بنا دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ ریحان بھائی اور راقم ہم قوم بھی ہیں اور ان کے آباء اپنے علاقوں میں نمبر دار رہے تھے اس لیے چودھری کہلاتے تھے۔ ریحان بھائی مزاجاً و طبعاً قائد آدمی بھی تھے، شمعِ محفل بھی، جانِ محفل بھی اور اپنا قومی تعارف بیان بھی کیا کرتے تھے۔ ریحان بھائی کا تعلق پنجاب کی مشہور قوم آرائیں سے تھا۔ ان کا پورا نام چودھری عفان غنی تھا۔

۲۰۱۱ء کے وسط میں ریحان بھائی کو شمالی وزیرستان کے علاقے سپین قمر میں امیر تشکیل بنا کر بھیجا گیا۔ ریحان بھائی نے اس 'خط' پر رہتے ہوئے امریکی فرنٹ لائن اتحادی فوج کے خلاف دسیوں کارروائیوں میں بطورِ قائد حصہ لیا اور کئی کارروائیوں میں ساتھیوں کی تشکیلات کیں۔ بعض کارروائیاں تو شجاعت و بہادری کی تجسیم تھیں۔ ریحان بھائی ہی کی تشکیل کردہ (planned) ایک کارروائی میں، مجھے ایک ساتھی جو میرا دوست بھی ہے اور ہم عمر بھی اور فاضل عالم بھی، جو خود اس خط پر ان دنوں موجود تھا نے بتایا کہ ایک دفعہ انہوں نے دشمن کی ایک چوکی کی تفصیلی ریکی (Recon) کی اور معلوم ہوا کہ دشمن کے فوجی کچھ لمحوں کے لیے چوکی کو خالی چھوڑ کر جاتے تھے۔ ساتھی دشمن کے انہی چند لمحوں کے منتظر رہے۔ جیسے ہی دشمن کے فوجی چوکی سے باہر نکلے تو یہی واقعہ سنانے والا ساتھی، چوکی کے اندر گھس گیا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد پانچ یا چھ فوج چوکی میں داخل ہوئے، جیسے ہی یہ فوجی داخل ہوئے تو اس ساتھی نے اپنی کلاشن کوف سے ان فوجیوں پر دھاوا بول دیا اور یہ سب کے سب فوجی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اسی محاذ پر حضرت الأمیر مولانا عاصم عمر سنبھلی، خود فاروق بھائی، میجر عادل عبد القدوس خان اور دیگر نامی حضرات نے شرکت کی۔ بہت سے اور سعید و شہید ساتھی بھی اس محاذ پر موجود رہے۔ اسی محاذ پر ہمارے اعلام کے ایک سینئر ساتھی نے بھی وقت گزارا اور ادارہ السحاب کی دستاویزی فلم 'جاء الحق وزہق الباطل' (منشور ستمبر ۲۰۱۲ء) کے لیے مختلف مجاہد ساتھیوں کے انٹرویوز ریکارڈ کیے جو اس مذکورہ فلم کا حصہ ہیں اور کئی اور جگہوں پر بھی وہ ویڈیو کلپس نشر ہوتے رہے ہیں یا بعض اب تک ارشیفِ مجاہدین (Archive) کا حصہ ہیں۔ اسی محاذ کی کچھ یادیں ادارہ السحاب برِّصغیر نے قریباً دو سال قبل 'جہادی یادیں (۱۴): وزیرستان (علاقۂ محسود) کے ایک محاذ کی حسین یادیں' کے نام سے بھی نشر کی ہیں۔

۲۰۱۱ء میں اس محاذ کے بعد ریحان بھائی کے ساتھ مجھے کئی ہفتے گزارنے کا موقع ملا اور اس کے بعد ریحان بھائی میر ان شاہ میں فاروق بھائی کے مجموعے کے انتظامی مسئول مقرر کر دیے گئے۔

ریحان بھائی تنظیم القاعدہ کے عربی و عجمی مشائخ جہاد کی خدمت میں بہت عرصہ جتے رہے۔ جہاد اور پھر جہاد میں امورِ اداری و انتظامی ایک نہایت کٹھن کام ہوا کرتا ہے۔ لوگوں اور ساتھیوں سے تعامل جہاں انسان کو بہت کچھ معاشرتی و سیاسی لحاظ سے سکھاتا ہے تو انسان کے نفس کو توڑ کر اس کا تزکیہ بھی کرتا ہے۔ ریحان بھائی کو سفرِ جہاد میں بہت سی مشکلات بھی پیش آئیں، جن میں وہ نتیجتاً کامیاب ہی رہے، ان شاء اللہ۔

۲۰۱۲ء میں راقم مرشد اسامہ ابراہیم غوری، جن کو بلا تکلف ظہیر بھائی لکھنا میرے لیے آسان ہے، کے ساتھ پاکستان کے شہروں میں دعوتی و اعلامی تشکیل پر چلا گیا، وزیرستان سے نکلتے

ہوئے جس ساتھی سے آخری ملاقات ہوئی وہ ریحان بھائی تھے۔ پھر پاکستان جا کر ریحان بھائی سے کچھ کچھ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ۲۰۱۳ء کے وسط میں راقم کو ایک عسکری تشکیل پر وزیرستان و افغانستان کے علاقے پکتیکا جانے کا موقع ملا۔ اس تشکیل میں بھی کئی شب و روز ریحان بھائی کے ساتھ میران شاہ میں گزرے۔ یہی وہ ملاقات ہے جس کا ذکر پچھلی محفلِ استاذ میں ہوا تھا۔

میں عبد الودود بھائی اور طیب بھائی رحمہا اللہ کے کمرے میں تھا جب ریحان بھائی مجھے لینے کے لیے آ گئے۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ میں اٹھا، ریحان بھائی سے بغل گیر ہو گیا اور یہ معانقہ نجانے کتنی دیر تک جاری رہا۔ اس وقت چند ماہ کا ہجر ہم پر گراں گزرتا تھا اور وصالِ یار پر ہم بے دم ہو جاتے تھے، اور اب حالت یہ ہے کہ ہجرِ یار میں کئی کئی سال بیت جاتے ہیں اور کچھ ہجر تو ہم کو ایسے لاحق ہیں جن میں شامِ وصال نجانے کب، کہاں اور کیسے آئے، نہیں معلوم!
اللهم لا سهل إلا ما جعلته سهلاً وأنت تجعل الحزن إذا شئت سهلاً، آمین!

معانقہ ختم ہوا تو ریحان بھائی نے کہا کہ چلیں چلتے ہیں۔ میں نے اپنا سامان اٹھایا اور ان کے ساتھ اسی دم وہاں سے نکل آیا، بعداً معلوم ہوا کہ منزل فاروق بھائی کی جائے قیام ڈوگہ تھی، شمالی وزیرستان کے علاقے خڑ کمر کے پاس۔ ایک ڈالے، ٹویوٹا ہائیلکس میں بیٹھے اور روانہ ہوئے، اب راقم کو صد فیصد یاد نہیں ہے کہ گاڑی کا ڈرائیور کون تھا، شاید مولانا صابر تھے اور اگلی سیٹ پر کون تشریف فرما تھا صحیح سے یاد نہیں، بہر کیف ہم دونوں پیچھے بیٹھے۔ ریحان بھائی نے سب سے پہلے میرے قلمی نام 'معین الدین شامی' کے بارے میں پوچھا کہ بھئی یہ نام کیوں؟ میں نے وجہ بتائی کہ یہ نام مرشد ظہیر بھائی نے رکھا ہے، پھر یہی نام معروف ہو گیا۔ نجانے کن کن قصوں کے ساتھ یہ سفر جاری رہا اور ہم خدمتِ استاذ میں پہنچ گئے۔ استاذ سے اس ملاقات کا ذکر اگلی باقاعدہ کسی نشست میں بعون اللہ کریں گے۔

ہم اسی ڈوگہ والے گھر میں بیٹھے تھے، ساتھ میں ریحان بھائی اور مولانا صابر صاحب (شہید) تھے۔ فاروق بھائی گھر سے آم لے آئے۔ ساتھی آم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ سب نے محسوس کیا کہ مولانا صابر صاحب کچھ خفا خفا ہیں۔ مولانا صابر صاحب بڑے اصول پسند آدمی تھے اور غصے کے تیز بھی تھے۔ میں نے اکثر دیکھا کہ وہ اپنے غصیلے مزاج کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے تھے، بہر کیف غصہ کر جایا کرتے تھے۔ فاروق بھائی نے مولانا صابر صاحب کو مخاطب کیا اور مزاحاً قدرے رعب سے آواز کو ذرا موٹا کر کے بولے 'مولانا! خو شوه؟' (مولانا! کیا ہوا؟)۔ مولانا صابر بولے 'ساتھی گاڑی لے جاتے ہیں اور پھر واپس لاتے ہیں تو مرمت بھی نہیں کرواتے ایسے ہی گیراج میں کھڑی کر دیتے ہیں، ابھی گاڑی واپس آئی ہے تو اس کا فریم ٹوٹا ہوا تھا'۔ اشارہ ریحان بھائی کی طرف تھا۔ فاروق بھائی ہلکا سا مسکرا دیے۔ ریحان بھائی کو فاروق بھائی نے مشائخ میں سے کسی کے پاس بھیجا تھا، وہ علاقہ پہاڑی تھا اور گاڑی کا راستہ وہاں نہیں تھا، وہیں کسی گھاٹی یا چٹان سے گاڑی اتارتے ہوئے گاڑی کچھ پھسلی تھی اور جھٹکے کے سبب اس کا فریم یعنی شاسی (chassis) کا ایک حصہ ٹوٹ گیا تھا اور گاڑی کوئی اور نہیں ایک ڈالا ہی تھا۔ نجانے وہ کیسا دشوار گزار راستہ ہو گا اور جھٹکا بھی نجانے گاڑی کو کیسا شدید لگا ہو گا کہ گاڑی کا شاسی ہی کا ایک حصہ ٹوٹ گیا!

مولانا صابر صاحب تو اپنی اصول پسندی کے سبب خفا تھے جو اپنی جگہ درست اور دوسری طرف ریحان بھائی کی قربانی بھی ہے کہ شہر لاہور کا ایک جدید لڑکا اور کہاں وزیرستان کے دشوار گزار پہاڑ و درے اور اس میں جہاد کے لیے کسی کی خدمت کے لیے گاڑی چلانا۔

فاروق بھائی ان دنوں 'بے گھر' تھے، وہ اور ان کی اہلیہ، ان کے کپڑوں وپڑوں کا بیگ، ایک موبائل کچن جس میں ایک چھوٹا گیس سیلنڈر و اسی سیلنڈر کے سر پر لگنے والا چولہا، کچھ برتن وغیرہ، وہ سامان جو بنجو (کرولا سٹیشن ویگن، ۹۰ء کی دہائی کا ماڈل) کی ڈگی میں آ جائے۔ اب کے ہم جب ڈوگہ میں تھے تو فاروق بھائی نے اپنے اس مکان میں جانا تھا جہاں وہ آخری بار باقاعدہ گھر بسائے ہوئے تھے۔ یہ مکان شمالی وزیرستان کے علاقے مائزر میں تھا۔ فاروق بھائی نے ریحان بھائی کو ڈالا لانے کو کہا، وہ لائے، اور فاروق بھائی مع اہلِ خانہ اس پر سوار ہوئے اور میں بھی۔ میں گاڑی کی اگلی مسافر سیٹ پر بیٹھا، ریحان بھائی گاڑی چلا رہے تھے اور فاروق بھائی مع اہلِ خانہ پیچھے۔

سفر شروع ہوا شام کا وقت تھا۔ مختلف امور پر بات چیت شروع ہو گئی۔ اسی بات چیت میں ہماری منزل یعنی مائزر میں فاروق بھائی کا مکان آ گیا۔ فاروق بھائی نے اپنی اہلیہ کو اندر سامان سمیٹنے کو بھیجا اور خود آہستہ آہستہ سامان باہر نکالنے لگے۔ فاروق بھائی سامان نکالتے اور ریحان بھائی اور میں سامان اٹھا کر ڈالے کے پچھلے حصے میں رکھتے جاتے۔ اسی میں شاید ایک دو گھنٹے لگ گئے۔ سامان سارا رکھا گیا، پھر باندھا گیا اور ہم دوبارہ وہاں سے چل پڑے۔ مزید چند گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم دتہ خیل کے قریب 'نوا اڈہ' پہنچے۔ فاروق بھائی نے جس نئے علاقے میں منتقل ہونا تھا، اس کے بارے میں ریحان بھائی نے شفر (codes) میں بذریعہ مخابرہ (واکی ٹاکی وائرلیس) ساتھیوں سے پوچھا کہ وہاں ڈرون وغیرہ کی صورتِ حال کیسی ہے۔ جواباً معلوم ہوا کہ وہاں ڈرون کافی ہے۔ اس وقت نوا اڈہ میں بھی ڈرون تھا۔ لہٰذا کچھ انتظار کے بعد فیصلہ ہوا کہ رات یہیں نوا اڈہ میں گزاری جائے۔ وہیں ایک ہوٹل تھا، اس میں پیچھے کی طرف رہائشی کمرے تھے، انتہائی خستہ حال۔ فاروق بھائی مع اہلِ خانہ وہاں چلے گئے اور ریحان بھائی اور میں اس ہوٹل کے ریستوران والے حصے میں آ گئے۔ رات بہت ہو چکی تھی، شاید بارہ بج رہے تھے یا اس سے زیادہ۔ ہوٹل میں بھی سوائے خشک روٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہی خشک روٹی ریحان بھائی نے کچھ لی اور جا کر فاروق بھائی کو دے دی۔ تھوڑی دیر بعد فاروق بھائی نے مجھے بلایا۔ اسی خشک روٹی میں سے کچھ مجھے دی اور ساتھ میں انناس کا ایک کین (can) دیا اور کہا کہ آپ دونوں روٹی اور انناس کھا لیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 82 پر)

علامہ محمد اقبالؒ

تشریح و ترجمانی: محمد عفان عثمان جے پوری

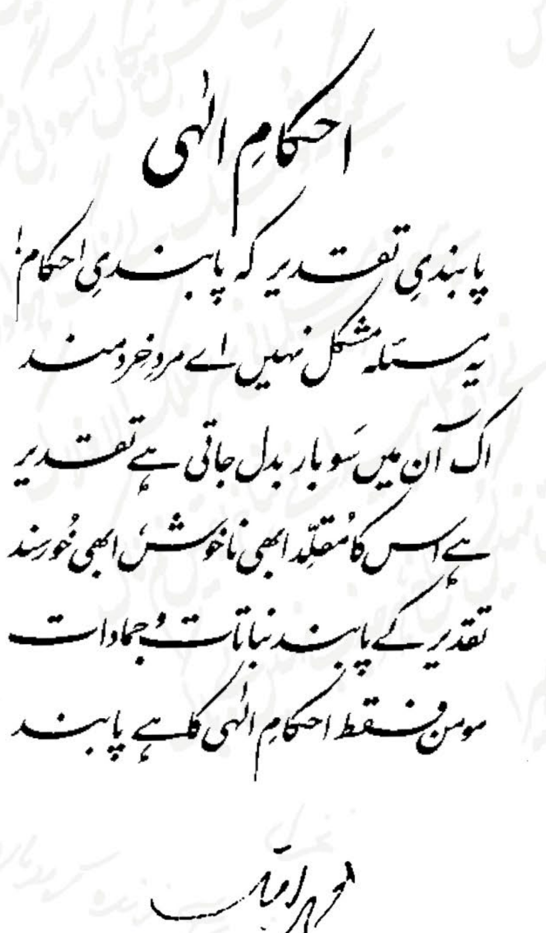

اقبال کہتے ہیں کہ احکامِ الٰہی کی پابندی کر کر کے بندۂ مومن اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اوامر تکوینی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تقدیر کی پابندی، بایں معنیٰ کہ سورج نے صبح نکلنا ہے اور شام کو غروب ہو جانا ہے سے لے کر ذرّے اور اس کے اجزاء کی حرکتوں کی محدودیت، بندۂ مومن کے لیے نہیں ہے۔

بندۂ مومن تو خدا کی محبت اور اس پر یقین کی کیفیت میں غزوۂ بدر میں اللہ کے دشمنوں سے لڑنے کی خاطر شاخ اٹھاتا ہے تو درخت کی یہی کچی ٹہنی جو ابھی لکڑی بھی شاید نہ تھی، اس کے ہاتھ میں فولادی تلوار بن جاتی ہے۔ اسلام کی پچھلی ساڑھے چودہ صدیوں کی تاریخ ایسے ہی اوامر و واقعات سے بھری پڑی ہے۔ غزوۂ خندق میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کدال چٹان پر مار کر اس کو پارہ پارہ کرتے ہیں، تو اس پتھر پر لوہا لگنے سے جو چمک اٹھتی ہے تو اس میں قیصر و کسریٰ کے محلات نظر آتے ہیں۔ یوں تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مسجدِ نبویؐ میں منبرِ رسولؐ پر تشریف فرما محوِ خطبہ ہیں، لیکن تمام قوانین کونیہ ان کے سامنے زیر ہیں:

اللہ! اللہ! یہ اعجاز روحانیت
نظمِ حکمت میں آیا یکایک خلل
"مردِ مومن" نے منبر پہ جب یہ کہا
ساریہ ساریہ! الجبل الجبل!

سیکڑوں میل دور ساریہ کو کہہ رہے ہیں کہ دشمن پہاڑ پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔

فارس و روم کا تہہ تیغ ہونا ہو یا عقبہ بن نافع کا بحرِ اوقیانوس میں گھوڑے ڈال دینا۔ پہلی صدی ہجری کے معرکوں سے پندرہویں صدی ہجری تک روس و امریکہ کا افغانستان میں ٹوٹ ہار کر شکست خوردہ ہونا۔ ان بڑے بڑے سیاسی و عسکری معرکوں سے لے کر بندۂ مومن کی ذاتی زندگی تک، تقدیر اس کے نگوں رہتی ہے۔ جب تعلق مع اللہ اس اوج کو پہنچ جاتا ہے، جہاں بندہ مقامِ احسان پر ہوتا ہے، تو اسی کو اقبال نے اس پیرائے میں بیان کیا ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے؟

بے شک بندۂ مومن کی دعا اور اعمالِ حسنہ اس کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں (اور اس امر کو سمجھنے کے لیے علمائے کرام کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے، یہاں اقبال کی جو مراد ہمیں سمجھ میں آئی وہ ہم نے واضح کر دی)۔

☆☆☆☆☆

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: جولائی ۲۰۲۵ء

تمام تعریف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور اپنے محبوبؐ کا امتی بنایا، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم! اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر دے، اپنے دین کی خدمت کی مبارک محنت کا کام لے لے اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے۔ بے شک مانگنے والے کو نہ مانگنا آتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اہلیت ہم میں پائی جاتی ہے!

یہ فرضِ عین بھی آخر ہمیں ہی تو نبھانا تھا

زندگی کا لطف تو اپنے پیاروں کے ساتھ، اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں، یاروں دوستوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے اے بے وفا زندگی! ہم نے ان پیاروں سے جنتوں کے ابدی وصال کی خاطر، اس دنیا میں ہجر اختیار کر لیا......

اُنہیں یہ بھی بتا دینا جو ہم اس راہ پہ نکلے\
سوائے دردِ اُمّت کے، ہمیں درپیش غم نہ تھے\
وگرنہ زندگی کے امتحاں کچھ اور ـــــــ کم نہ تھے\
ابھی بہنوں کی رُخصت کا ہمیں سامان کرنا تھا\
ابھی بیمار ماں کو بھی معالج کو دکھانا تھا\
ضعیف اک باپ کا بھی ہاتھ پھر ہم کو بٹانا تھا\
مگر ہم سر ہتھیلی پر لیے، فی اللہ نکل آئے\
یہ فرضِ عین بھی آخر ہمیں ہی تو نبھانا تھا!

ظہران ممدانی: نیو ورلڈ آرڈر کا ایک مہرہ

ظہران ممدانی اس وقت امریکہ میں امریکی اسٹیبلشمنٹ یا ڈیپ سٹیٹ کے خلاف ایک مشہور آواز ہے۔ کہنے کو مسلمان (اصلاً ایک اثنا عشری شیعہ)، غزہ میں جاری قتلِ عام کا مخالف، ٹرمپ کا نقاد و ٹرمپ اس کا نقاد، سوشلسٹ نظریات کا حامی اور LGBTQ+ کا وکیل۔ ظہران ممدانی کا پچھلی تین چار سطور میں تعارف ہی اس کی شخصیت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ظہران ممدانی کو نیو ورلڈ آرڈر جو اصل میں ڈیپ سٹیٹ ہی ہے جعلی ووٹوں سے اقتدار میں لایا ہے، البتہ بلی چوہے کے کھیل میں اصل مالک بلی کو سامنے لاتے ہیں تو کبھی چوہے کو اور اس کے لیے الیکشن انجنیئرنگ کو استعمال کیا جاتا ہے جس میں مؤثر ترین آلہ میڈیا ہے۔ ممدانی کا اقتدار بھی اسی کھیل اور پلان کی ایک شکل ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر مسلمانوں یا دنیا کے دیگر مظلوموں یا اپنے مخالفوں کو ایک لالی پاپ دیے رکھنے یا ٹرک کی بتی کے پیچھے لگائے رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی ایسا نمونہ ہمیشہ سامنے لائے رکھتا ہے۔ پہلے لندن کا صادق خان اور اب نیو یارک کا ظہران ممدانی۔ تاکہ دنیا کے سادہ لوحوں کا اس نظام پر بھروسہ قائم رہے۔ یقین مانیے اگر ممدانی آج اور اسی وقت امریکی صدر بھی بن جائے، تو قولاً تو وہ بھی برنی سینڈرز، براک اوبامہ، کاملا ہیرس، جو بائیڈن جیسا ہو گا لیکن عملاً اس کی پالیسی بھی بش و ٹرمپ جیسی اینٹی مسلم، اینٹی سوشلسٹ، پرو اسرائیل ہی ہو گی۔ رہ گیا یہ اے بی سی میں سے LGBTQ+ کا مسئلہ تو یہ کوئی ایسی بات ہی نہیں ہے جس کے لیے ڈیپ سٹیٹ ایک کو ہٹا کر کسی دوسرے کو لائے۔

اصل کامیابی

لوگوں کی ایک کثیر تعداد ہے جن تک جہاد کی دعوت پہنچتی ہے۔ ان میں سے بہت قلیل تعداد اس دعوت کو سنتی ہے۔ پھر سن کر قبول کر لینے والوں کی تعداد اور بھی کم ہوتی ہے۔

جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہیں تو ان میں سے بہت کم اس راہ کے راہی بنتے ہیں۔ پھر جو اس راہ کو عملاً اختیار کرتے ہیں، ان میں سے بھی ایک قلیل تعداد اس راہ پر استقامت اختیار کرتی ہے۔

پھر اس راہ پر استقامت اختیار کرنے والوں میں سے بھی ایک قلیل تعداد ہے جو شہادت سے سرفراز ہوتی ہے۔

اے ہمدمِ دیرینہ!

شہادت شہادت کرنے سے شہادت نہیں ملا کرتی، اس شہادت سے قبل یہ سبھی مراحل، یہ سب گھاٹیاں طے کرنا لازم ہے!

اس شہادت سے قبل، کبھی دنیا کے جاہ و مناصب پیش ہوں گے، کہیں احباء، شادیاں اور بیویوں کی محبت زنجیرِ پا ہو گی، کہیں والدین کی خدمت و اطاعت کا ہمارے ہی نفس کا گھڑا بہانہ ہو گا،

کہیں اولاد کی محبت اور روشن مستقبل ہو گا، کہیں تجارت و وائٹ کالر جاب ہو گی، کہیں آرام دہ گھر ہوں گے، کہیں کچھ تو کہیں کچھ......

ہمدمِ دیرینہ، جانِ جاں، راز داں!

اس نفس کو ان سب گھاٹیوں اور دشتوں سے ہانک کر صحیح سلامت نکل گئے اور اس صحرائے الفت میں لیلائے شہادت سے عروسی ہو گئی تو......

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ○

"تو خوشیاں مناؤ اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔"

ورنہ......اللہ نہ کرے......بڑا خسارہ ہے!

اللهم اهدِنا فيمن هديت وعافِنا فيمن عافيت وتولَّنا فيمن توليت وبارِك لنا فيما أعطيت وقِنا شر ما قضيت فإنك تقضي ولا يُقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت، آمین!

یمن میں شیخ صالح حنتوس کی شہادت

ایک طرف روافض اسرائیل و امریکہ کے خلاف نعرے بلند کرنے والے ہیں اور اسرائیل کے خلاف ایک calculated محاذِ جنگ کھولے ہوئے ہیں تو ساتھ ہی اہلِ سنت کے خلاف ان کے مظالم بلکہ دشمنی بھی عیاں ہے۔ حالاً یمن میں خادمِ قرآن و سنت شیخ صالح حنتوس کی شہادت اسی دشمنی کا مظہر ہے۔ یمنی حوثی روافض ایک طرف اسرائیل و امریکہ کے دشمن ہیں تو یہی رافضی یمن میں مقامی اہلِ سنت کے خلاف سب سے بڑا محاذِ جنگ کھولے ہوئے ہیں، بلکہ مقامی اہلِ سنت کے خلاف اس جنگ میں عرب امارات اور بعض مواقع پر براہِ راست امریکی کمانڈوز کے لیے اپنی سرزمین پیش کرتے رہے ہیں، قاتلھم اللہ!

نظروں کی حفاظت اصل بات ہے!

ایک نہیں چار شادیاں کر لیجیے، لیکن اگر آپ نظروں کی حفاظت نہیں کرتے تو یہ چار بھی آپ کو کفایت نہیں کریں گی۔

کسی کا قول ہے کہ "جس نوجوان کی نظر بہک جائے تو وقت کا جنید بغدادیؒ بھی اس کی اصلاح نہیں کر سکتا!"

جن وانس میں سے اہلِ حق کے دشمن

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ○ (سورۃ الأنعام: ۱۱۲)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیاطین (میں سے) انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا، جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، پس انہیں اور ان کے جھوٹ گھڑنے والوں کو چھوڑ دے۔"

اس آیت کے تحت امام ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں:

"یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں، اور یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو ان انبیاء کی راہ پر چلتے ہیں... یہ دشمن انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور جنوں میں بھی، اور یہ سب مل کر حق والوں کے خلاف مکر و فریب کرتے ہیں۔"

اور مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

"یہ سنتِ الٰہی ہے کہ ہر زمانے میں حق والوں کے مقابلے پر شیاطینِ انس و جن سازش کرتے ہیں۔ انبیاء کے بعد علماء اور صالحین بھی اس آزمائش کا شکار ہوتے ہیں۔"

یا اللہ ہمیں اپنے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن رکھ، نادان لوگوں کو بھی معاف فرما اور ہمیں بھی، آمین!

سوشل میڈیا پر مصروفِ دعوت حضرات و خواتین کی خدمت میں

سوشل میڈیا پر دعوتِ دین و جہاد دینے والے بعض حضرات و (خصوصاً) خواتین میں کچھ عجیب باتیں در آئی ہیں۔ یہاں ان امور کا ذکر، خیر خواہی اور ان غلط امور سے بچنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

اللهم وفقنا لما يحبّه ويرضاه من القول والعمل والفعل والنية والهدي إنك على كل شيء قدير، آمین!

فری مکسنگ

جس طرح حقیقی معاشرے میں نامحرم مرد و عورت کا اختلاط فتنے کا دروازہ ہے، تو سوشل میڈیا کی ورچوئل دنیا میں یہ اختلاط اور بھی زیادہ سنگین ہے۔ اگر جنسِ مخالف سے بات کرنی ہی ہو تو

انہی آداب کا خیال رکھا جائے جو حقیقی دنیا میں ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ بے جا "دل" وغیرہ کے ایموجیز، لُوز اندازِ گفتگو، اپنے حجابوں اور ہاتھوں کی تصویریں، گپ والا اسلوب، ان امور سے بچنا چاہیے۔

-گالم گلوچ

بظاہر بعض گالیاں ہمارے معاشرے میں زبانِ زدِ عام ہو گئی ہیں، لیکن اس کو جس قدر بھی نارملائز کر لیا جائے، گالی بہر حال گالی ہے۔ چاہے یہ گالیاں کفار اور ان میں سرِ فہرست یہودیوں اور صہیونیوں ہی کو کیوں نہ دی جا رہی ہوں۔ پھر اگر یہی الفاظ گالی خواتین کی زبان و قلم سے ظاہر ہوں تو اور بھی قبیح ہیں کہ عفت و حیا صنفِ نازک سے زیادہ منسوب ہے۔

-الزام تراشی

عام مشاہدہ ہے کہ سوشل میڈیا پر کسی کی، کسی سے بحث ابھی ہوئی نہیں اور قومی و مسلکی و تنظیمی بنیادوں پر الزام تراشی شروع ہو گئی۔ یہ ایک قبیح فعل ہے۔

-آخری بات

قوت ہجو میں نہیں دلیل میں ہے۔ مومن اور مومن اگر داعی ہو تو اس کا وصف و کمال اس کے عالی اخلاق ہیں۔ دعوت کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جب بھی کچھ لکھیے تو خیال رکھیے کہ آپ دینُ اللہ و امورِ دین کے ''ترجمان'' بن کر بات کر رہے۔

اللہ پاک ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلائے، آمین!

بڑا دشمن، شیخ ابو سامی کی ایک ٹویٹ کی ترجمانی

یہ کہنا درست ہے کہ شیعوں نے مسلمانوں کا اسرائیل سے زیادہ قتل کیا ہے، لیکن پوری تاریخ میں یہودیوں نے مسلمانوں کا شیعوں سے زیادہ قتل کیا ہے۔ خاص طور پر جو کچھ انہوں نے صلیبی حملوں، عیسائیوں کی مسلم علاقوں پر یلغار و قبضوں میں مالی معاونت، اور سیاسی اثر و رسوخ کے ذریعے کیا۔

آلاء النجار کے ساتھ انٹرویو

نو شہیدوں کی ماں، غزہ کی آلاء النجار سے مشہور داعی و عالم شیخ ایاد قنیبی نے اپنے ایک ساتھی کے ذریعے انٹرویو کیا، اردو میں نذرِ قارئین ہے:

میں یہ جاننے کے لیے بے حد مشتاق تھا کہ آلاء النجار نے کس چیز کے سہارے اتنا صبر کیا، جب وہ اس عظیم سانحے سے دوچار ہوئیں کہ ان کے نو بچوں کی دردناک طریقے سے شہادت ہوئی، پھر شوہر بھی چل بسے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان سب پر رحم فرمائے، ان کو شہداء میں شمار فرمائے، اور ان کے قاتلوں سے بدلہ لے۔

یہ جو آلاء النجار کا صبر ہے، یہ اللہ کی رحمت کی ایک جھلک ہے، جس پر میں غور و تدبر کیا کرتا ہوں۔ مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آلاء النجار کو میڈیا میں آنا، یا کیمروں کے سامنے بات کرنا پسند نہیں۔ یہاں تک کہ مجھے ایک جاننے والے ڈاکٹر کی طرف سے ایک پیغام موصول ہوا، جو فلسطین میں ہی موجود تھے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اُن لوگوں میں شامل تھے جو آلاء النجار کے ساتھ سفر کے لیے ان کو دوسرے ملک لے جانے میں شریک رہے۔ اس دوست نے مجھ سے گزارش کی کہ اس کا نام ظاہر نہ کروں۔

وہ کہتا ہے: ہم نے ہچکچاتے ہوئے آلاء النجار سے پوچھا، کیونکہ ہم ان کی تکلیف کو مزید تازہ نہیں کرنا چاہتے تھے، ''آپ نے کیسے صبر کیا، اے دکتورہ؟''

تو دکتورہ آلاء النجار، جو اپنے وقار اور نقاب کی پابندی کے لیے معروف ہیں، نے ایک ایسا جواب دیا جس میں کئی سبق اور عبرتیں تھیں، جنہیں ہم خلاصے کے طور پر یوں نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا:

''بلاشبہ ہم انسان ہی ہیں، ہم دکھ محسوس کرتے ہیں اور غمگین ہوتے ہیں...... لیکن ہم خود کو صبر دلاتے ہیں۔ اور جو چیز صبر دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ 'اللہ کو خوشحالی میں پہچانو، وہ تمہیں تنگی میں پہچانے گا' جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوسری بات، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد آیا:

> ''جب کسی بندے کا بچہ وفات پا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے: کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ پوچھتا ہے: کیا تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اس سے چھین لیا؟ وہ جواب دیتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے کیا کہا؟ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں: اُس نے آپ کی حمد کی اور 'إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ' کہا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ، اور اس کا نام 'بیت الحمد' رکھو۔''

تیسری بات، آلاء النجار نے کہا: الحمدللہ، میرے بچے نیک تھے، اور اُن میں سے بڑے بچے قرآن کے حافظ تھے، سوائے آدم کے...... اگرچہ وہ بھی حافظ تھا، لیکن اُس نے ابھی قرآن مکمل ایک دن میں سنایا نہیں تھا۔

ہمارے دوست ڈاکٹر نے کہا:

مجھے اس بات سے گہرا اثر ہوا، جیسے یہ کوئی کمی ہو، کہ آدم...... جس کی عمر صرف ۱۱ سال تھی، اگرچہ حافظ تھا، مگر اُس نے مکمل قرآن ایک ہی دن میں نہیں سنایا تھا۔

اسی طرح آلاء النجار نے یہ آیت بھی ذکر کی وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ، صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو۔

انہوں نے کہا، میرے دو شفٹیں تھیں، صبح کا وقت فیلڈ ہسپتال میں اور شام کا وقت ایمرجنسی میں، اور میرے ساتھ میرا مصحف (قرآن) ہوتا تھا، میرا ارادہ سورۂ کہف پڑھنے کا تھا، اور میں ابھی اذکار شروع ہی کر رہی تھی کہ مجھے اپنے بچوں کی شہادت کی خبر ملی۔

پھر ہمارے دوست نے پوچھا، 'آدم کی عمر کیا تھی جب اس نے قرآن مکمل حفظ کیا؟'

دکتورہ نے کہا 'سات سال'۔

میرے ڈاکٹر دوست نے پوچھا 'سات سال؟ تو پھر اس نے حفظ کب شروع کیا؟'

وہ بولیں 'پانچ سال کی عمر میں'۔

میرے دوست نے حیرانی سے کہا 'پانچ سال؟'

دکتورہ نے کہا 'ہاں، یہ آسان کام نہ تھا، اور اس کے والد (رحمہ اللہ) اسے خوب ترغیب دیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی کرتے تھے۔ اس کے لیے ہمیں بہت محنت کرنا پڑی'۔

یہ یاد رکھیں کہ آلاء النجار خود ایک مصروف ڈاکٹر ہیں، اور طب کا پیشہ کتنا وقت طلب ہوتا ہے، یہ سب جانتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے بچے کو پانچ سال کی عمر سے قرآن یاد کروانا شروع کیا۔

آلاء النجار نے مزید کہا 'جب آدم کے بڑے بھائی (غالباً یحییٰ) نے قرآن حفظ کیا تو اُس نے آدم کو ترغیب دی، اور پھر سب بھائی ایک دوسرے کو حوصلہ دینے لگے'۔

ہمارے دوست نے پوچھا 'لیکن اے دکتورہ! ایک چھوٹا بچہ صرف دو سال میں کیسے قرآن مکمل حفظ کر لیتا ہے، چاہے ترغیب و نگرانی ہو تب بھی؟'۔

آلاء النجار نے کہا 'قرآن کریم تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر بچہ روزانہ ایک صفحہ یاد کرے، اور مسلسل دہرائی بھی کرے، تو وہ دو سال میں مکمل حفظ کر لیتا ہے۔'

میرے دوست ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں ڈاکٹر آلاء نے یہ بات جس انداز میں کہی، اُس نے مجھے حیران کر دیا۔ ایسے جیسے یہ کام بہت آسان ہو "بس روز ایک صفحہ!"۔

ہمارے دوست ڈاکٹر صاحب کہنے لگے "اللہ ہی مددگار ہے! ہمارے بچے تو وقت کھیل کود میں گزار دیتے ہیں، اور کچھ کچھ اوقات میں کبھی کچھ قرآن یاد کر لیتے ہیں، جبکہ ان بچوں کی زندگی کا مرکز ہی قرآن تھا"۔

پھر میرے اس ڈاکٹر دوست نے اپنے آڈیو پیغام کے آخر میں بہت دردناک لہجے میں، جیسے رونے کے قریب ہو، کہا:

"اللہ ان کی مصیبت کو دور کرے۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل ان لوگوں پر جنہوں نے ان کو تنہا چھوڑا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل ان پر جنہوں نے ان کے ساتھ کوتاہی کی۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل ان پر جنہوں نے ان کا محاصرہ کیا۔ ہاں، اللہ کی قسم! حسبنا اللہ ونعم الوکیل!"

پھر کہا "کیا ڈاکٹر آلاء نے اپنے شوہر اور بچوں کو کھو دیا؟ نہیں، ہرگز نہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اُن سے پہلے جنت میں داخل ہو چکے ہوں۔ ہم یہی دعا کرتے ہیں۔ لیکن اصل خسارہ تو امت کا ہے۔ امت نے ایسے ہیروں کو کھو دیا، جو اب پوری دنیا میں نایاب ہیں۔"

یارب! ہمیں اُن کی مدد کے قابل بنا، ایسی مدد کہ جو ہماری طرف سے کوتاہی کا گناہ ختم کر دے۔ ڈاکٹر آلاء النجار کے بچوں اور شوہر پر رحم فرما، اور ہمیں ان سب کے ساتھ علیّین میں اکٹھا فرما۔ اور اس امت کے لیے ہدایت کا راستہ ہموار فرما۔

آزمائش وہیں آتی ہے جہاں کوئی اثاثہ ہو

ہمارے رہائشی مکان میں سات آٹھ درخت ہیں اور کوئی چار درجن دیگر پودے۔ انہی میں ایک درخت پھل دار ہے، اور اکثر پودے پھول دار ہیں۔ بعض پر نہ پھل ہیں نہ پھول۔

آج صبح، عجیب مشاہدہ ہوا۔ جو درخت پھل دار ہے سب سے زیادہ اسی پر کیڑا لگا ہوا تھا۔

پھر پھول دار پودوں پر اور جن درختوں/پودوں پر نہ پھل تھے نہ پھول، ان پر کوئی کیڑا نہیں۔

مثل مشہور ہے کہ نقب اسی گھر میں لگتی ہے جہاں دولت ہو۔

آزمائش وہیں آتی ہے جہاں کوئی اثاثہ ہو۔

سب سے بڑی دولت و اثاثہ ایمان ہے، اللہ ہمیں اہلِ ایمان میں اور اہلِ ایمان کے ساتھ شامل رکھے، آمین!

موت اس حالت میں آئے گی جس میں زندگی گزری ہو

جنگِ یمامہ میں انصاری صحابی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يا أنصارُ لا تظنّوا أنّ المدينة تُنتظر
وإن المَدى بيدِ اللهِ فاقبضوا على الجُندِ المُسطر

(اے انصار! یہ نہ سمجھو کہ مدینہ واپس لوٹنے کا وقت ہے، زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، پس تم اپنی صفوں میں مضبوطی سے ڈٹے رہو۔)

(بقیہ صفحہ نمبر 94 پر)

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

آرمی چیف کا ٹرمپ کے ساتھ لنچ اور ٹرمپ کی نوبل امن ایوارڈ کے لیے نامزدگی

جون میں امریکی صدر ڈانلڈ ٹرمپ کا ۱۸ جون کو پاکستان کے آرمی چیف جنرل عاصم منیر کو وائٹ ہاؤس میں لنچ پر مدعو کرنا ایک اہم موضوع رہا۔ چونکہ امریکی صدر نے روایت سے ہٹ کر حکومتی سربراہ کو نہیں بلکہ صرف فوجی سربراہ کو مدعو کیا (کیونکہ ٹرمپ کو علم ہے کہ پاکستان کا اصل حکمران فوج کا سربراہ ہوتا ہے)، اور اس غیر معمولی ملاقات کے بعد ٹرمپ نے عاصم منیر کی میڈیا پر تعریف بھی کی اور کہا کہ اس کے لیے جنرل عاصم منیر سے ملنا ''اعزاز'' کی بات ہے۔ لیکن یہ غیر روایتی اور غیر معمولی ملاقات، ایک ایسے موقع پر جبکہ اسرائیل اور ایران کے درمیان جنگ جاری تھی، موضوع بحث بن گئی۔ وائٹ ہاؤس میں دیا گیا نہ تو کوئی لنچ مفت کا ہوتا ہے اور نہ ہی کی گئی کوئی تعریف بے مقصد۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو یہ دیکھا گیا کہ اس دورہ کے فوراً بعد پاکستان نے ٹرمپ کو سرکاری طور پر (پاک انڈیا جنگ رکوانے پر) ''امن کے نوبل انعام'' کا حقدار ٹھہرا دیا۔ ڈونلڈ ٹرمپ، جس کے ہاتھ ہمارے فلسطینی بھائیوں کے خون سے رنگین ہیں، جس نے اسرائیل کی فلسطینی نسل کشی میں نہ صرف معاونت کی بلکہ فلسطینیوں کو غزہ کی سرزمین سے نکال کر غزہ پر قبضہ کرنے کا آئیڈیا بھی پیش کیا۔ کس بے شرمی اور بے غیرتی سے حکمرانوں نے ''امن'' کے نوبل انعام کے لیے نامزد کر دیا، جس کے بعد ناجائز ریاست اسرائیل نے بھی ٹرمپ کو امن کے نوبل انعام کے لیے نامزد کر دیا۔ پاکستانی حکمرانوں میں اور نیتن یاہو میں بھی کیا قدر مشترک نکلی!

اس متعلق صحافی حضرات کیا کہتے ہیں ایک جھلک ملاحظ فرمائیں:

گڈ بائی ٹرمپ | حامد میر

''میں نے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ ٹرمپ کی شخصیت اور کردار کو صرف پاک بھارت جنگ رکوانے کے تناظر میں نہ دیکھا جائے، انہوں نے غزہ میں فلسطینیوں کے قتل عام پر صرف آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ فلسطینیوں کو غزہ سے بے دخل کرنے کی تجویز بھی پیش کر دی، اب انہوں نے ایران پر حملہ کر دیا ہے اور عالمی امن کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے، وہ امن کے نہیں جنگ کے پیامبر بن چکے ہیں۔ اُن کی سیاسی و اخلاقی ساکھ بُری طرح مجروح ہو چکی ہے اور اب وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ثالث کا کردار ادا کرنے کے بھی قابل نظر نہیں آتے۔ پاکستان کو ٹرمپ سے کوئی اچھی توقع نہیں رکھنی چاہیے اور اپنے گھر کے معاملات کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، ٹرمپ نے جس بین الاقوامی لاقانونیت کو فروغ دیا ہے وہ بھارت کی حوصلہ افزائی کا باعث بنے گی، پاکستان نے اس خطے کو ایک نئی جنگ سے بھی بچانا ہے اور بھارتی سازشوں کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ نیتن یاہو کا دوست اور اتحادی پاکستان کا دوست نہیں ہو سکتا، ٹرمپ سے کسی اچھے کی اُمید نہ رکھیں اپنی ایٹمی صلاحیت بچائیں۔''

[روزنامہ جیو نیوز]

دوست ہوتا نہیں...... | محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

''غزہ کے بعد ایران جا گھسا۔ پہلے دو ہفتے کی حتمی تاریخ دی کہ ایران پر حملہ کرنے، نہ کرنے کا فیصلہ ایرانی سفارتی تعاون کے مطابق ہوگا۔ دو ہفتے کے بیچ یکا یک ۳۰ ہزار پاونڈ کے ۱۴ ابلاک بسٹر بم گرا کر کہانی تمام کی۔ یہ صلاحیت اسرائیل کے پاس نہ تھی لہٰذا یکا یک دماغ میں کیڑا سر سرایا، دو ہفتے کی ڈیڈ لائن فراموش کر دی اور ۳ منٹ کی پریس کانفرنس میں دنیا کو اپنے تازہ ترین کارنامے سے آگاہ کر کے چلتا بنا۔ ایرانی ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کے بعد ۲۲ جون کو قوت کے نشے میں دھت امریکی سیکریٹری دفاع اور سینئر جرنیل نے قوم اور دنیا بھر کو تکبر، فخر و ناز سے بھری بریفنگ دی۔ (جس کام کے لیے دس بارہ جہاز بھی درکار نہ تھے، ۱۲۰ جہاز اڑا کر اپنے جنگی تجربات اور مہارت کو آزمایا)۔ گفتگو گلوب یا امریکہ نہیں اس سیارے (Planet Earth) پر اپنی حکمرانی اور ہیبت جتانے کے پیرائے میں تھی! پھر دو دن بعد ٹرمپ نے اسرائیل، ایران جنگ بندی اور مذاکراتی عمل کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ تمام تر تباہی برسانے کے بعد امن قائم کرنے کا ایک اور سہرا!

یہ ہے دیوانہ ٹرمپ اور اس کا خونخوار بغل بچہ (پراکسی) اسرائیل! کمزور قوموں پر دنیا کے وسائل لوٹ کر سائبر، خلائی قوت کا رعب گانٹھنا صرف فرعونی قارونی تکبر ہے! حالانکہ دو ہفتے کی ڈیڈ لائن کا اعلان کرتے ہوئے پریس سیکریٹری نے کہا تھا: صدر ہمیشہ

سفارتی حل چاہتے ہیں۔ وہ بہت بڑے امن پسند، امن جو، امن خو ہیں!' اور اب؟ صرف بموں کی خوبو باقی ہے!

غزہ میں بھی سفارتی امن جوئی نہیں، امدادی خونخواری جاری ہے۔ تاریخِ عالم میں بے رحمانہ بھوک مسلط کر کے، خوراک کی تلاش میں آنے والوں پر گولیاں کب کسی نے برسائیں! ایک ہی ماں کے سات ننھے بچے یک لخت اور ایک اور ماں کا شوہر اور ۹ بچے یک لخت، بہ چشم زدن مارنے کی امن جوئی اور امن خوئی دنیا میں کہاں ملے گی! یہ سارے کمالات مشترکہ اثاثہ ہیں ٹرمپ اور نتین یاہو کے۔ سو امن عالم کے ان دونوں امینوں کو مشترکہ نوبل امن انعام ملنا چاہیے۔ تاہم انگریزی میں 'پیس'' (امن) کے ہجے درست کر کے 'Peace' کی بجائے نوبل 'Piece' پرائز ہو۔ (اس میں بائیڈن بھی شریک ہو۔ 'Pieces' جو ہم نے خود دیکھے۔ باپ جو اپنے شہید چھوٹے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے تھیلے میں (جس سے خون رس رہا ہے) اٹھائے لا رہا ہے۔ ایک نوعمر لڑکا۔ گلے میں بستہ ڈالے اسے محبت سے سینے سے لگائے ہے۔ پوچھنے والے کو بتاتا ہے، یہ ٹوٹا ہوا میرا شہید منا بھائی ہے۔ سو پریس سیکریٹری درست فرماتے ہیں۔ ٹرمپ عالمی امن کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔''

[روزنامہ نئی بات]

آیئے شیطان کو امن کا نوبل انعام دلاتے ہیں|شاہنواز فاروقی

''اقبال نے اپنی ایک نظم میں ابلیس کی زبان سے یہ شعر کہلوایا ہے:

ابلیس کے جمہور ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہہِ افلاک

اقبال کا یہ شعر ویسے تو عہد حاضر کے اکثر سیاست دانوں کے لیے درست ہے مگر امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ تو ایک چلتا پھرتا شیطان ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ان کی شیطنت ڈھکی چھپی بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود جنرل عاصم منیر کی بادشاہت میں حکومت پاکستان نے ڈونلڈ ٹرمپ کو امن کے نوبل انعام کے لیے نامزد کیا ہے۔ حکومت پاکستان نے اس نامزدگی کے لیے جواز جوئی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈونلڈ ٹرمپ نے حالیہ پاک بھارت جنگ کو رکوانے کے سلسلے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ حالانکہ پوری پاکستانی قوم گواہ ہے کہ جنگ میں جب تک بھارت کا پلڑا بھاری تھا امریکہ کے وزیر خارجہ مارکو روبیو فرما رہے تھے کہ ہمیں پاک بھارت تصادم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن جیسے ہی پاکستان نے بھارت کی ٹھکائی شروع کی ڈونلڈ ٹرمپ میدان میں کود پڑے اور انہوں نے بھارت کو مزید پٹائی سے بچانے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان ''جنگ بندی'' کا اعلان کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے پاکستان کو خوش کرنے کے لیے یہ بھی فرما دیا کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ''ایک ہزار سال'' پرانے مسئلہ کشمیر کو بھی حل کرا دیں گے۔

یہ حقیقت ساری دنیا کے سامنے ہے کہ اسرائیل تقریباً دو سال سے امریکہ کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ غزہ میں فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ وہ اب تک ۵۶ ہزار فلسطینیوں کو شہید کر چکا ہے۔ ان میں ۲۰ ہزار سے زیادہ بچے اور ۱۵ ہزار سے زیادہ خواتین ہیں۔ اسرائیل اب تک ایک لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کو زخمی کر چکا ہے۔ ہزاروں افراد ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔ غزہ کی ۹۵ فی صد عمارتیں تباہ ہو چکی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اسرائیل نے غزہ کے مظلوم لوگوں پر غذا اور پانی کے دروازے تک بند کر دیے ہیں۔ ٹرمپ اتنے حساس ہیں کہ انہیں چار دن میں بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ بندی کا خیال آ گیا مگر فلسطین کے سلسلے میں ان کی شیطنت کا یہ عالم ہے کہ انہیں دو سال کے بعد بھی اسرائیل اور حماس کے درمیان جنگ بندی یقینی بنانے کا خیال نہیں آیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر حماس اسرائیل پر بھاری پڑنے لگے تو ٹرمپ ایک دن میں غزہ میں جنگ بندی کرا دیں گے۔ ایسے شخص کو جنرل عاصم منیر کے پاکستان نے امن کے نوبل انعام کے لیے نامزد کیا ہے۔ کیا یہ عملاً ایک شیطان کو امن کا نوبل انعام دلانے کی خواہش اور کوشش نہیں ہے؟ سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ٹرمپ کو امن کا نوبل انعام دلانا چاہتے ہیں ان کا باطن، ان کی روح، ان کا دل اور ان کا دماغ کیسا ہو گا؟''

[روزنامہ جسارت]

پاکستان کی ابراہیمی معاہدوں میں ممکنہ شمولیت

ایک اور بات جو عاصم منیر کے دورہ کے بعد میڈیا پر زیر بحث آ رہی ہے وہ پاکستان کے ''ابراہیمی معاہدہ'' میں شمولیت ہے۔ حالانکہ غزہ میں جاری ناجائز ریاست اسرائیل کی قصداً فلسطینیوں کی مسلسل نسل کشی کو بیس ماہ ہو گئے ہیں لیکن ظلم رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ اور امریکہ اس کا پشتی بان بنا ہوا ہے۔ بار بار اسے موضوع بحث بنایا جا رہا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف اور دیگر وزراء کے بیانات سامنے آ رہے ہیں کی اگر پاکستان پر ابراہیمی معاہدے میں شمولیت کے لیے دباؤ آیا تو پاکستان اپنے قومی مفادات کو ترجیح دے گا۔ یہ باتیں بھی سامنے آ رہی ہیں کہ امریکہ کے ساتھ ساتھ سعودی عرب بھی پاکستان پر اس سلسلے میں دباؤ ڈال رہا ہے۔

اس وقت پاکستانی میڈیا پر بیٹھے نجم سیٹھی جیسے تجزیہ کار کہہ رہے ہیں کہ معاہدے کا مقصد تمام مسلم ممالک سے اسرائیل کو تسلیم کروانا ہے اور پاکستان کو بھی یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اگر مسلم ممالک اسے قبول کر لیں تو پاکستان کو بھی تیار رہنا ہو گا۔

نجم سیٹھی نے ایک پاکستانی ٹی وی چینل پر بات کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ:

"میرا خیال ہے کہ ہماری طرف سے یہ جواب دیا گیا ہو گا کہ جب وقت آئے گا، اگر باقی سب مسلمان ممالک تیار ہیں تو ہم تو بہت دور بیٹھے ہیں، اگر وہ لوگ جن کے وہاں مفادات ہیں، وہ تیار ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

دراصل ہمیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے کہ اسرائیل نے انڈیا کے ساتھ اتنے اچھے تعلقات بنائے ہوئے ہیں کہ ٹیکنالوجی کا تبادلہ بھی ہو رہا ہے، مدد بھی ہو رہی ہے، ہماری ملٹری اسٹیبلشمنٹ تو کب سے کہہ رہی تھی کہ کسی طریقے سے یہ انڈیا اور اسرائیل کے تعلقات کمزور کیے جائیں، ورنہ ہمارا بہت نقصان ہو گا، یہاں بڑے لوگ ہوں گے جو یہ سوچتے ہوں گے کہ اگر سعودی عرب، اسرائیل کو تسلیم کر لیتا ہے تو ہم بھی ان کے ساتھ مل کر کھڑے ہو جائیں گے، ایسی کیا بات ہے، اب ظاہر ہے اگر جن کے مسائل ہیں، وہ تسلیم کر لیتے ہیں تو ہمارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ اب تو یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ مزاحمتی تحریکوں کو بھی کسی نہ کسی سٹیج پر تیار کر لینا ہے کیونکہ بالآخر ان تنظیموں کو بھی عرب ممالک سے وسائل ملتے ہیں، خاص طور پر ایران سے، اگر ایران مانے یا نہ مانے لیکن اگر باقی مسلمان ممالک مان لیتے ہیں تو آپ کس کھاتے میں کھڑے ہیں، آپ کا مسئلہ کشمیر ہے، فلسطین نہیں۔ بنیادی طور پر فلسطین مسلمانوں کا مسئلہ بھی نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ کمٹمنٹ ہم کر آئے ہیں یا یہ اشارہ کر آئے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو ہم دوسرے مسلمان ممالک کی لائن میں ہوں گے، آپ ان کو منا لیں، ہمارا ایشو نہیں۔"

امریکہ کی طرف سے سعودی عرب اور پاکستان سمیت دیگر مسلم ممالک کی وفاداری کو خریدنے کی بولی لگ رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون کتنے "مفادات" میں بکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ تاریخ میں نقش ہوا ایک ایسا سیاہ باب ہو گا، کہ آئندہ آنے والی نسلیں اس پر شرمندہ ہوں گی اور چاہ کر بھی وہ یہ دھبا نہیں مٹا سکیں گی کہ مسلمان ممالک نے ایک ایسے دشمن کے ساتھ اس وقت ساز باز کی جبکہ وہ قبلہ اول کی مقدس سرزمین پر معصوم مسلمانوں کا علی الاعلان قتل عام کر رہا تھا۔

ایران اسرائیل جنگ

۱۳ جون ۲۰۲۵ء کو ناجائز ریاست اسرائیل نے ایران پر بھرپور فضائی حملہ کیا جس میں نہ صرف ایران کی اعلیٰ عسکری قیادت کو نشانہ بنایا بلکہ ایران کی جوہری و عسکری تنصیبات اور جوہری سائنس دانوں کو بھی نشانہ بنایا۔ بارہ دن جاری رہنے والی جنگ میں اگرچہ ایران کو خاطر خواہ نقصان ہوا لیکن ایران کی طرف سے جوابی ہائپر سونک میزائل حملوں میں اسرائیل نے بھی نقصان کا کافی مزہ چکھا۔

خطے میں ایران کا کردار اور ماضی میں ایران اور اس کی پراکسیز کی جانب سے شام، عراق اور یمن میں کیا جانے والا ظلم ایک علیحدہ سے موضوع ہے اس لیے اسے ہم یہاں زیر بحث نہیں لا سکتے۔ لیکن فی الوقت جو بارہ روزہ جنگ ہوئی یہ خطے کے حال اور مستقبل میں بننے والے حالات کے لیے بہت اہم موڑ تھا۔ جس میں امریکہ نے بھی اپنا حصہ ڈال کر جنگ بندی کی نوید سنا دی جس کی وجہ سے تینوں ممالک کو فیس سیونگ کا موقع مل گیا۔ یہ جنگ اس لحاظ سے بھی اہم تھی کہ اگر اسرائیل ایران کو شکست دے دیتا تو اس کا پورے خطے کے حالات پر بہت گہرا اثر پڑتا۔ پورے خطے پر اسرائیل کی دھاک بیٹھ جاتی اور یہاں انڈیا کے ساتھ مل کر پھر باری پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی آنی تھی۔ اور صہیونی "گریٹر اسرائیل" کی جانب ایک اور قدم بڑھ جاتا۔

اس جنگ کے متعلق پاکستانی میڈیا پر متضاد آراء پائی جا رہی تھیں۔ لیکن یہاں چند ایک کا ہی انتخاب کیا گیا ہے:

مشرق وسطیٰ میں اب کیا ہو گا؟|ڈاکٹر عبد اللہ محسن

"تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ ۱۲ دن کے حملوں کے بعد جنگ بندی سے امریکہ، اسرائیل اور ایران تینوں کو فیس سیونگ مل گئی ہے اور اچھا ہے۔ اب سب فریقوں کے پاس اپنی اپنی کامیابیوں کا اعلان کرنے کا موقع ہے۔ ٹرمپ نے تو اپنا اعلان کرتے ہوئے "گاڈ بلیس ایران" بھی کہہ دیا ہے۔......

......اسرائیل نے بھی جنگ کا مزہ اچھی طرح چکھ لیا ہے۔ اس کی آبادیوں اور شہریوں کا اچھا خاصا نقصان ہوا ہے۔ آئرن ڈوم سسٹم کی قلعی بھی کھل گئی ہے۔ صہیونی ریاست کے شہریوں نے مالی و نفسیاتی نقصان بھی اٹھایا ہے۔ جب کوئی میزائل اسرائیل کی دھرتی پر گرتا ہے تو دل کو سکون ملتا ہے کہ بدمعاش ریاست کو بھی بارود کا مزہ تو چکھایا ہے۔ اسے بھی پتا چلے کہ اس کے ہاتھوں تباہ ہونے والوں پر کیا بیتی ہے۔ صرف سویلین عمارتوں کے نقصان کا اندازہ ڈیڑھ سے دو بلین کا لگایا گیا ہے۔ نشانہ بننے والی فوجی مقامات اور تیل کی تنصیبات کے نقصانات کا اندازہ سنسر ختم ہونے کے بعد لگے گا۔ معیشت کا بے اندازہ نقصان اس کے علاوہ ہے۔ اس کے حفاظتی میزائلوں کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو چکا ہے جن کو دوبارہ بنانے کے لیے کثیر رقم درکار ہو گی۔ اسرائیل سے لاکھوں یہودیوں کے فرار ہونے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کے ناقابل تسخیر ہونے کا تصور ناکام ہو چکا ہے۔

......اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایران کی موجودہ رجیم مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ ایران کا خوف پیدا کر کے ہی امریکہ اپنا قیمتی اسلحہ عرب ممالک کو بیچ کر اپنی معیشت کو سنبھالا دے سکتا ہے۔ ایرانی حکومت کا خاتمہ وہ واحد معاملہ ہے جس پر امریکہ اور اسرائیل کے درمیان واضح اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسرائیل موجودہ ایرانی حکومت کا فوری خاتمہ چاہتا ہے جبکہ امریکہ اس کو قائم رکھ کر

اپنے فائدے اٹھانا چاہتا ہے۔ اسرائیل کے وزیر دفاع کا جنگ بندی کے بعد بیان آیا ہے کہ ہمیں ایران کے سپریم لیڈر کو قتل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ نے سپریم لیڈر کی جان لینے کی اجازت نہیں دی اور اسرائیل کو ان کے ٹھکانے کی اطلاع فراہم نہیں کی۔"

[روزنامہ جسارت]

پس ثابت ہوا جھوٹ کے بھی پاؤں ہوتے ہیں| وسعت اللہ خان

"حالانکہ ایران کا کوئی میزائل یورپ اور امریکہ تک مار نہیں کر سکتا، مگر یورپ اس لیے خوش ہے کیونکہ رائے عامہ کے بوجھ سے مجبور ہو کر برطانیہ اور فرانس جیسے ممالک کی اسٹیبلشمنٹ نے فلسطینیوں کے بارے میں جو ہمدردانہ زبانی جمع خرچ شروع کر دیا تھا اور نسل کشی بند کرنے کے لیے ممکنہ اقتصادی پابندیاں حرکت میں لانے کی اسرائیل کو جو نیم دلانہ دھمکیاں دی جا رہی تھیں، اب ایران کی صورت میں نیا ولن مل جانے کے بعد یورپ کو "ضمیر" کے بوجھ سے نجات مل گئی ہے اور وہ پہلے کی طرح آنکھ بند کر کے اسرائیل کی حمایت کر سکتا ہے۔ کہاں دو ہفتے پہلے تک فرانس اسرائیل کو فلسطینی ریاست تسلیم کرنے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور کہاں اب صدر میخواں ایرانی خطرے کے سدِباب کے لیے اسرائیل کے "پیشگی حقِ دفاع" کے وکیل بن چکے ہیں۔

اسرائیل کو فوری فائدہ تو یہ ہوا کہ بین الاقوامی میڈیا کی توجہ ایران سے جنگ پر مرکوز ہو گئی اور غزہ فی الحال پس منظر میں چلا گیا۔ وہاں اسرائیلی امداد کے متلاشی بھوکے فلسطینیوں کو روزانہ سو دو سو کے حساب سے اطمینان سے ختم کر رہا ہے۔

طویل المیعاد فائدہ یہ ہوا کہ لبنان میں حزب اللہ کے خاتمے، شام میں حکومت کی تبدیلی اور عراق کے معلق ہونے کے نتیجے میں لبنان تا ایران جو اسرائیل دشمن ہلال (کریسنٹ) قائم تھی اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ اب اگر اسرائیلی خواہش کے مطابق ایرانی حکومت بھی معزول ہو جاتی ہے تو خطے میں اسرائیل کو زک پہنچانے والا ایک بھی قابلِ ذکر ملک باقی نہیں بچے گا۔

یوں اسرائیلی اثر و نفوذ زاہدان کی سرحد تک آ جائے گا۔ اگلی منزل پاکستان ہے جو اسرائیل سے خوفزدہ مشرقِ وسطیٰ اور بھارت کے درمیان سینڈوچ کے کباب میں آخری ہڈی ہے۔"

[روزنامہ ایکسپریس]

فریڈم فلوٹیلا اور کاروان صمود کی ناکامی

غزہ میں جاری ظلم و ستم نے دنیا کے باضمیر انسانوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ غزہ کے محاصرے کو توڑنے اور وہاں کے لوگوں تک غذا اور بنیادی سہولیات پہنچانے کے لیے پہلا قدم فریڈم فلوٹیلا کولیشن (FFC) کے زیر اہتمام میڈلین جہاز کی روانگی تھی۔ یکم جون کو بنیادی خوراک، طبی سامان اور ادویات لے کر بارہ امدادی کارکنوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ جن میں معروف ماحولیاتی کارکن گریٹا تھنبرگ (Greta Thunberg)، فرانسیسی رکن یورپی پارلیمنٹ ریما حسن (Rima Hassan)، اور دیگر ممالک (برازیل، آئرلینڈ، نیدرلینڈز، سپین وغیرہ) سے تعلق رکھنے والے کارکن شامل تھے۔ یہ لوگ جان کی پرواہ کیے بغیر غزہ کی غیر قانونی ناکہ بندی توڑنے کی غرض سے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن غزہ سے ۱۸۵ کلومیٹر دور ہی صہیونی فوج نے حملہ کر کے تمام عملے کو حراست میں لے لیا اور امداد کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور انہیں زیر حراست رکھنے کے بعد وقفے وقفے سے واپس ان کے ممالک میں روانہ کر دیا۔

جبکہ جون ہی میں تیونس سے قافلۃ الصمود (کاروان استقامت) کا بھی آغاز ہوا جس میں ۱۵۰۰ عام افراد اور مغربی انسانی حقوق کے کارکن شامل تھے، جن کا ہدف رفح بارڈر پر پہنچ کر غزہ کی ناکہ بندی پر احتجاج کرنا اور امدادی سامان وہاں روانا کروانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی غزہ کی طرف گلوبل مارچ (Global March to Gaza) شروع ہوا۔ جو مصر کے شہر قاہرہ سے رفح بارڈر تک مارچ تھا۔ جس میں شرکت کے لیے دنیا کے مختلف کونوں سے لوگ قاہرہ پہنچنا شروع ہوئے۔ اس کاروان نے ۱۵ جون کو رفح کی طرف مارچ کرنا تھا۔ لیکن مصری حکومت نے چار سو کے قریب افراد کو حراست میں رکھنے کے بعد ڈی پورٹ کر دیا۔ بہت سوں کے پاسپورٹ ضبط کر لیے اور بزور طاقت اس کاروان کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ اور اس طرح مصر نے ثابت کیا کہ غزہ پر ظلم اور امدادی ناکہ بندی میں مصر بھی پورا پورا شریک جرم ہے۔

اگرچہ عوام الناس کی یہ کوششیں بار آور ثابت نہیں ہوئیں لیکن یہ امید بن گئی کہ یہ بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوں گی، اور باضمیر لوگوں کو عمل پر ابھاریں گی۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اگلی فریڈم فلوٹیلا ۱۳ جولائی کو اٹلی کے ساحل سے غزہ کے لیے روانہ ہو گی جس کا نام "حنظلہ" ایک فلسطینی بچے کے کارٹون پر مبنی ہے اور یہ امدادی جہاز فلسطین کے بچوں کے نام ہو گا۔

غزہ ہیومینی ٹیرین فاؤنڈیشن (GHF) کی قتل گاہیں

امریکہ اور ناجائز ریاست اسرائیل کے باہمی تعاون سے چلنے والی یہ تنظیم، جس نے اقوام متحدہ کے توسط سے چلنے والی تنظیموں انروا UNRWA اور ریڈ کراس کو اس لیے کام سے روک دیا اور ان کے غزہ میں موجود ۴۰۰ مراکز تباہ کر دیے تاکہ غزہ کی آبادی کو بھوکا مار کر ان کے حوصلے توڑ دیے جائیں، جب دنیا میں ہر طرف سے اسرائیل کے خلاف صدائیں بلند ہونے لگیں تو اس تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ امداد اور خوراک کی آڑ میں کام کرنے والے اس ادارہ نے ۲۷ مئی کا کام شروع کیا اور امداد تقسیم کرنے کے پورے غزہ میں چار مراکز بنائے۔

جس کا بنیادی مقصد غزہ کے لوگوں کو بنیادی خوراک مہیا کرنا نہیں بلکہ ایک موت کا پھندہ (death trap) ہے جہاں بے بس و مظلوم فلسطینیوں کو آٹا اور امداد کی لالچ میں بلایا جاتا ہے، کنسنٹریشن کیمپس کی طرح خاردار تاروں سے بنی تنگ راہداریوں سے گزار کر ان کی تذلیل کی جاتی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے لیے چند سو امدادی کارٹن رکھ کر امداد کی چھینا جھپٹی سے "محظوظ" ہوا جاتا ہے جس کے بعد تاک تاک کر انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ اس قدر تکلیف و تذلیل صرف شیطان کے صہیونی پجاری اور دجال کے آلہ کار ہی کرسکتے ہیں۔

۲۷ مئی سے کام شروع کرنے والی اس تنظیم نے اب تک امدادی اڈوں پر ۷۵۰ سے زائد لوگوں کو شہید کیا ہے جبکہ چار ہزار سے زائد لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ ابتداء میں یہ تنظیم اس بات سے بالکل ہی انکار کرتی رہی کہ امدادی جگہوں پر فلسطینیوں کو قتل کیا گیا ہے لیکن ویڈیو شواہد اور اسرائیلی اخبار میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ نے ان جھوٹے دعووں کی قلعی کھول دی۔ جس میں خود قابض فوج نے اقرار کیا ہے کہ کس طرح انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ امداد کے لیے آئے ہوئے نہتے شہریوں کو براہ راست نشانہ بنائیں۔ اور کس طرح "انجوائے" کرنے کے لیے وہ معصوم لوگوں کو تاک تاک کر نشانہ بناتے ہیں۔ ذیل میں اس موضوع پر میڈیا پر آنے والے کالموں میں سے چند کے اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

Gaza's hunger crisis is not a tragedy – it's a war tactic | Fuad Abu Saif

"کسی قوم کا عزم توڑنے کے لیے انہیں خوراک کے حصول کی صلاحیت سے محروم کرنا کوئی ضمنی نقصان نہیں بلکہ پالیسی ہے۔ آزاد بین الاقوامی اداروں کی رپورٹس کے مطابق، غزہ کی ۹۵ فیصد سے زیادہ زرعی زمین تباہ یا ناقابل استعمال ہو چکی ہے۔ یہ اعداد و شمار صرف معاشی نقصان نہیں ہیں، یہ خوراک کی خود مختاری کو دانستہ طور پر ختم کرنے اور اس کے ساتھ مستقبل میں آزادی کی کسی بھی امید کو چھیننے کا عمل ہے۔

یہ ایک منظم تباہی ہے۔ بیجوں تک رسائی روک دی گئی ہے۔ واٹر انفراسٹرکچر کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ماہی گیروں اور کسانوں پر، جو پہلے ہی شدید محاصرے میں کام کر رہے ہیں، بار بار حملے کیے گئے ہیں۔ یہ اقدامات بے ترتیب نہیں ہیں، یہ اسرائیل کے طویل مدتی اسٹریٹیجک مقاصد کے مطابق غزہ کے آبادیاتی اور معاشی مستقبل کو دوبارہ سے ترتیب دینے کے وسیع تر منصوبے کا حصہ ہیں: یعنی (غزہ پر) مکمل کنٹرول اور (اہل غزہ کی مکمل) سیاسی تابعداری۔

عالمی برادری کی ملی بھگت اسے اور بھی تشویشناک بنا دیتی ہے، خواہ وہ خاموشی کے ذریعے ہو یا مبہم سفارتی بیانات کے ذریعے جو صورتحال کو 'انسانی بحران' قرار دیتے ہیں، عالمی کرداروں نے بھوک کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کو معمول کی بات بنانے میں مدد کی ہے۔ ان اقدامات کو ان کے اصل نام، 'نسل کشی کے طور پر کیے گئے جنگی جرائم'، سے نہ پکارنے سے اسرائیل کو یہ سب بغیر کسی سزا کے جاری رکھنے کا بہانہ مل گیا ہے۔

غزہ کو مکمل طور پر بیرونی امداد پر منحصر کرنے پر مجبور کرکے اور مقامی طور پر زندہ رہنے کے ذرائع کو منظم انداز میں ختم کرکے اسرائیل نے ایک جال بنا ہے جس میں فلسطینیوں سے ہر طرح کی سیاسی و معاشی خود مختاری چھین لی گئی ہے۔ انہیں ایک ایسی آبادی میں تبدیل کیا جا رہا ہے جسے کنٹرول اور سودے بازی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

غزہ سے ملنے والے تمام اعداد و شمار کو اب اسی عدسے سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہاں کی ۱۰۰ فیصد آبادی جو غذائی عدم تحفظ کا شکار ہے یہ صرف افسوس ناک بات نہیں ہے، بلکہ یہ اس حکمت عملی میں پیش رفت کی ایک علامت ہے۔ معاملہ اب بھوکوں کو کھانا کھلانے کا نہیں ہے، یہ ایک قوم کے جذبے کو توڑنے اور انہیں قابض کی شرائط پر نئے حقائق کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے ہے۔

لیکن پھر بھی غزہ کی مزاحمت برقرار ہے۔ محاصرے اور بھوک کے باوجود یہ مزاحمت عالمی نظام کے اخلاقی زوال کو بے نقاب کر رہی ہے، جو سیاسی جوابدہی کی بجائے منظم بحرانوں کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ قحط کسی خشک سالی کا نتیجہ نہیں، یہ کسی ناکام ریاست میں انتشار کی وجہ سے نہیں، یہ ایک مستقل جاری جرم ہے، جو پورے ہوش و حواس کے ساتھ عالمی لاتعلقی کے تحفظ میں انجام دیا جا رہا ہے۔

غزہ میں جو ہو رہا ہے، تاریخ اسے یاد رکھے گی، یہ ان لوگوں کو بھی یاد رکھے گی جنہوں نے خاموش رہنے کا انتخاب کیا۔ انصاف میں تاخیر ہو سکتی ہے، لیکن وہ آکر رہے گا، اور وہ پوچھے گا کہ جب بھوک کو ایک قوم کو توڑنے کے لیے استعمال کیا گیا تو کون خاموش تماشائی بنا رہا۔"

[Al Jazeera English]

Food aid or firing squad: How the Gaza Humanitarian Foundation became Gaza Assasination Trap | Jamal Kanj

"غزہ میں آج، بھوک کی ایک قیمت ہے، اور بہت سے شہریوں کے لیے یہ قیمت موت ہے۔ اسرائیلی اخبار ہارٹز نے غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن (GHF) کے تقسیم مراکز کو 'قتل گاہ' قرار دیا ہے، جہاں اسرائیلی فوجیوں کو معمولی امداد کے لیے قطار میں کھڑے شہریوں پر گولی چلانے کا حکم دیا گیا۔ مائیں، باپ، بچے اور بزرگ، غیر مسلح شہری جو ضروری خوراک کے راشن حاصل کرنے کی کوشش میں مارے گئے، وہ آٹا یا کھانے کا ایک تھیلا لینے آتے ہیں، لیکن لاشوں کے تھیلوں میں چلے جاتے ہیں۔

...... ایسے حملے صرف جسمانی نقصان سے کہیں زیادہ نقصان دیتے ہیں، یہ گہرے نفسیاتی زخم، ذلت، خوف اور مایوسی پیدا کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب بنیادی خوراک

حاصل کرنے کا سادہ سا عمل ہی جان لیوا بن جاتا ہے، تو یہ انسانی نفسیات کو توڑ کر رکھ دیتا ہے اور ساری امیدیں ختم کر دیتا ہے۔ بھوکوں کو نشانہ بنانا صرف تشدد نہیں، یہ انسانی روح کو توڑنے، ان کی عزت نفس چھیننے اور صرف بقا کو ہی ایک نہ ختم ہونے والی، خوفناک جدوجہد بنانے کی کوشش ہے۔ امداد اور ہمدردی فراہم کرنے والی جگہوں کو اسرائیل زہر اور صدمے کے مقامات میں تبدیل کر رہا ہے۔ بھوک کی اس مہم کو گھروں، پناہ گاہوں، تعلیمی نظام، صحت کی سہولیات اور پانی و بجلی کے انفراسٹرکچر کی دانستہ تباہی کے ساتھ ملائیں، یہ اقدامات نفسیاتی صدمے اور معاشرتی انہدام کو بڑھانے کے لیے ہیں۔ یہ حربے شہریوں کی نسلی تطہیر کی راہ ہموار کرتے ہیں، تاکہ مزید یہودیوں کے لیے خصوصی کالونیاں بنائی جا سکیں، جنہیں خوشنما انداز میں 'ہجرت' یا 'ٹرمپ کا ویژن' کہا جاتا ہے۔

غلط نام کے حامل 'غزہ ہیومینی ٹیرین فاؤنڈیشن' عملی طور پر بھوکوں کو اپنے دام میں پھنسانے کا ایک موت کا پھندہ بن چکا ہے۔ اس نے انسانی امداد کی تقسیم کو زندگی بچانے والے سے 'فائرنگ سکواڈ' میں تبدیل کر دیا ہے۔ غزہ میں غذائی قلت کے شکار بچوں کے والدین کے لیے تلخ انتخاب اب کھانا یا قحط نہیں رہا، بلکہ بھوک سے موت یا امریکی فنڈز سے چلنے والے، اسرائیل کے تیار کردہ 'غزہ قتل کے پھندے' میں گولی سے موت ہے۔"

[Middle East Monitor]

قحط، بھوک، بارودی اور کیمیائی ہتھیاروں سے تباہی، امدادی مراکز پر امداد لینے کے لیے آنے والوں کا قتل عام، صہیونی درندوں کے لیے یہ سب کام ابھی کافی نہیں تھے تو انہوں نے امداد کے نام پر بھیجے جانے والے آٹے میں نشہ آور دوا Oxycodone کی گولیاں ملانا شروع کر دی ہیں۔ اس حوالے سے ایک کالم سے اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

Oxycodone laced flour is not 'Humanitarian Aid' it is bioterrorism | Dr. Emma Keelan

"بھوک سے مرتی ہوئی شہری آبادی کو نامعلوم مقدار میں آکسی کوڈون ملا ہوا آٹا فراہم کرنے کو صرف حیاتیاتی دہشت گردی کی ایک شکل کے طور پر ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک انتہائی نشہ آور درد کی دوا کا دانستہ طور پر، نامعلوم مقدار میں، آٹے کے پیکٹوں میں چھپا کر استعمال کے لیے چھوڑنا، جو بھوک سے نڈھال اور مایوس آبادی کھائے گی۔ اوپی ایٹس (Opiates) کے مضر اثرات میں متلی، الٹی، فریب نظر، قبض، چکر آنا وغیرہ شامل ہیں، بالخصوص بچوں، بوڑھوں اور حاملہ خواتین کے لیے اس میں حساسیت زیادہ ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ حمل کے دوران آکسی کوڈون کے استعمال سے جنین کی نشو نما میں تبدیلی اور قبل از وقت پیدائش کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، جبکہ بزرگ افراد یا سانس کی مرض کا شکار افراد میں سانس کی کمی کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

...... حتیٰ کہ کم مقدار میں بھی اگر اس کا کوئی استعمال کرے تو وہ سست جذباتی ردعمل یا مکمل بے حسی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، ایک ایسی حقیقت جس پر اسرائیلی حکام فلسطینی آبادی کے عزم کو توڑنے کی کوشش میں بھروسہ کر رہے ہوں گے، جو اپنی زمین چھوڑنے کے بارے میں شدت سے انکاری ہے۔

...... افراد کی جسمانی، ذہنی اور مجموعی طاقت کے منظم زوال کے ذریعے حاصل ہونے والی اجتماعی معاشرتی 'بے حسی'، ناکام قابض فوج کی طرف سے فلسطینی مزاحمت کو دبانے کی ایک مایوس کن کوشش ہے، جسے وہ پچھلے ۲۱ ماہ میں عسکری طور پر شکست دینے میں ناکام رہے ہیں۔ ایسی حکمت عملیاں اسرائیلی ریاست کی عمر جتنی پرانی ہیں، اسرائیلی ریاست ۱۹۴۸ء میں بھی فلسطینیوں کی نسلی تطہیر مکمل کرنے کی کوشش میں حیاتیاتی دہشت گردی آزما چکی تھی، تب اس نے فلسطینی آبادی کے کنوؤں میں ٹائیفائڈ کرنے والا زہر ڈال دیا تھا۔"

[Middle East Monitor]

جنگ بندی معاہدے کی بازگشت

اس وقت غزہ کی جو صورتحال ہے وہ اس قدر ابتر ہے کہ الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہے۔ غاصب صہیونی فوج روزانہ کے حساب سے ۱۰۰ سے ۲۰۰ فلسطینیوں کو شہید کر رہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف نیتن یاہو امریکہ کے دورے پر ہے جہاں ٹرمپ نے ایک اور جنگ بندی معاہدہ حماس کو پیش کیا ہے اور اس پر دونوں اطراف سے قطر میں مذاکرات شروع ہیں۔ ٹرمپ کی طرف سے پیش کردہ جنگ بندی پلان ۶۰ روزہ جنگ بندی پر مشتمل ہے جس دوران مکمل جنگ بندی پر مذاکرات، اسرائیلی اور فلسطینی قیدیوں کا تبادلہ اور غزہ میں امداد کی ترسیل پر بات کی گئی ہے۔ اس متعلق حماس اور دیگر جہادی تنظیموں کی جانب سے مثبت اشارہ دیا گیا ہے لیکن حماس نے تین بنیادی مطالبے رکھے ہیں:

۱. شہریوں کا قتل عام کرنے والی غزہ ہیومینی ٹیرین فاؤنڈیشن (GHF) کا خاتمہ اور بغیر کسی روک ٹوک کے غزہ میں اقوام متحدہ کے اداروں کی سرپرستی میں امداد کے ترسیل
۲. قابض فوج کا غزہ سے مکمل انخلاء
۳. مستقل جنگ بندی کے لیے بین الاقوامی برادری کی گارنٹی

تجزیہ نگاروں کی نظر میں اس جنگ بندی منصوبے کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ قطر یونیورسٹی کے بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر عدنان ہیاجنہ کے مطابق:

"اسرائیل جو چاہتا ہے وہ بالکل واضح ہے: ایک ایسی زمین جہاں لوگ نہ ہوں، لہٰذا فلسطینیوں کو تین میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا: بھوک سے مرنا، قتل ہونا یا

زمین (علاقہ) خالی کر دینا (چھوڑ دینا)۔ لیکن فلسطینیوں نے اب تک ثابت کیا ہے کہ وہ کسی بھی قیمت پر زمین نہیں چھوڑیں گے“ (الجزیرہ)

ایک طرف جنگ بندی معاہدے کی باتیں تو دوسری طرف نیتن یاہو وائٹ ہاؤس میں ٹرمپ سے مل کر غزہ سے فلسطینیوں کو بے دخل کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر غور کر رہا ہے۔ لہٰذا نہ تو امریکہ نہ ہی ناجائز قابض اسرائیل سے کسی بھی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔ غزہ کے حالات بد ترین ہو چکے ہیں۔ خوراک ادویات اور بنیادی ضروریات کی قلت نے ایک ایسا بحران کھڑا کر دیا ہے کہ اگر ہم ابھی بھی اٹھ کھڑے ہوں تب بھی اس کا مداوا کرنے میں سالوں لگ جائیں۔ لیکن وہاں کے مجاہدین اس بے سر و سامانی کی حالت میں بھی جس طرح ڈٹے ہوئے ہیں اور حتی المقدور دشمن کو نقصان بھی پہنچا رہے ہیں، یہ شہید یحیٰ سنوارؒ کے شیر ہیں، یہی امت کا سرمایہ ہیں اور اللہ کے بعد انہی سے امید ہے کہ آخری سانس اور خون کے آخری قطرے تک ڈٹے رہیں گے۔ اللہ امت مسلمہ میں جہاد و شہادت سے محبت رکھنے والوں کو غزہ کے بہادر مجاہدین کے ساتھ صف بستہ ہو کر لڑنے اور غزہ سمیت قبلہ اول کو صہیونیوں کے ناپاک وجود سے آزاد کروانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

اب وقت آگیا ہے کہ دنیا کے ہر خطے سے جہاد و شہادت کی صدا بلند کرتے مجاہدین کے دستے اپنے علماء و قائدین کے قیادت میں غاصب صہیونیوں اور اس کے چوکیدار امریکہ کو جہاں ممکن ہو نشانہ بنائیں، اپنے فلسطینی بھائیوں کے ہاتھ مضبوط کریں اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل کریں:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ(سورة البقرة: ۱۹۱)

”اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انھیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا، اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔“

اب وقت ہے کہ انہیں دوبارہ خیبر کی وہی شکست یاد دلائیں:

خیبر خیبر یا یھود
جیش محمد سوف یعود!

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

اگلے عرصے میں سلاخوں کے پیچھے ثقافتی، مذہبی اور تعلیمی نشستیں عام ہو گئیں۔ ایک کمرے میں ایک نشست ہو رہی تھی، جس میں فلسطینی تاریخ کے بارے میں بات کی جا رہی تھی، دوسرے کمرے میں ایک سیاسی نشست ہو رہی تھی جس میں تازہ ترین حالات پر بات ہو رہی تھی، تیسرے کمرے میں فتح تحریک کے اصول، نعرے اور مقاصد پر بات ہو رہی تھی، اور چوتھے کمرے میں اشتراکی فکر اور مارکسی فلسفے پر بات ہو رہی تھی۔ اس طرح جیل ایک ترقی یافتہ اسکول میں تبدیل ہو گیا جہاں سیکھنے والا دوسروں کو سکھاتا تھا اور ناتجربہ کار لوگوں کو مناظرے اور سیاسی تفکر کی تربیت دی جاتی تھی اور قیدیوں کے درمیان واضح سیاسی اور نظریاتی فکر تشکیل پانے لگی۔ ان کی سیاسی وابستگیوں کے مطابق تین واضح گروپ نمایاں ہو گئے: لینن ازم کے ساتھ عوامی آزادی کے دستے، قومی تحریک کے ساتھ فتح اور مارکسی یساری کے ساتھ عوامی محاذ۔[1]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اللینن ازم: ایک سیاسی نظریہ ہے جو روسی رہنما ولادیمیر لینن کی تعلیمات اور نظریات پر مبنی ہے، یہ نظریہ مارکسزم کے اصولوں کو وسعت دیتا ہے اور کمیونزم کے قیام کے لیے مخصوص حکمت عملیوں پر زور دیتا ہے۔ لینینزم کا بنیادی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنا اور ایک سوشلسٹ ریاست کے قیام کو ممکن بنانا ہے۔

قوات التحرير الشعبية: ایک عسکری گروپ قوات التحریر الشعبیۃ کے حوالے سے معروف ہے جو فلسطینی آزادی کے لیے کام کرتا ہے، یہ تنظیم ۱۹۶۰ء کی دہائی میں تشکیل پائی اور اس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق کا دفاع کرنا اور اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کرنا ہے۔ اس کی بنیاد مارکسی-لنینی نظریات پر رکھی گئی تھی، اور یہ فلسطین میں کمیونسٹ تحریکوں کا حصہ رہی ہے۔

الوطنی المجرد: ایک فلسطینی سیاسی تحریک ہے جو فلسطینی خود مختاری اور حقوق کے حصول کے لیے کام کر رہی ہے، یہ تحریک بنیادی طور پر ایک سیاسی اور سماجی تحریک ہے جس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق اور ان کی خود مختاری کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

تحریک فتح: فلسطینی سیاسی اور فوجی تنظیم ہے جس کی بنیاد ۱۹۶۵ء میں یاسر عرفات اور ان کے ساتھیوں نے رکھی۔ یہ تنظیم فلسطینی قومی تحریک کا ایک اہم حصہ ہے اور اس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق کی جدوجہد اور فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے کام کرنا ہے۔

المارکسی الیساری: ایک خاص تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی دھارے یا سیاسی تحریک کی نمائندگی کرتی ہے جو مارکسزم پر مبنی سوشلسٹ خیالات کو فروغ دیتی ہے۔

”الجبهة الشعبية لتحرير فلسطين“ (Popular Front for the Liberation of Palestine - PFLP) ایک فلسطینی سیاسی اور فوجی تنظیم ہے، جو ۱۹۶۷ء میں تشکیل دی گئی۔ یہ تنظیم فلسطینی آزادی کی تحریک کا حصہ ہے اور اس کا مقصد فلسطینیوں کا حقوق اور خود مختاری حاصل کرنا ہے۔ یہ تنظیم مختلف طریقوں سے اپنی جدوجہد کرتی ہے، جن میں سیاسی فعالیت، عوامی تحریکیں، اور کبھی کبھار مسلح کارروائیاں شامل ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس تنظیم نے فلسطینی تنازع کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے کئی ادوار میں مختلف روابط اور اتحاد بنائے۔

اسرائیل و امریکہ میں شیطان پرستی اور بچوں کا قتل!

اریب اطہر

یہودیوں میں بچوں سے جنسی زیادتی کا رجحان

شوشنا سٹروک(Shoshana Strook) کیس

اسرائیلی بستیوں کی وزیر اورٹ سٹروک (Orit Strook) کی بیٹی شوشنا سٹروک (Shoshana Strook)نے اپنے والدین اور ایک بھائی پر بچپن میں اس کے ساتھ زیادتی کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ اس نے ایک ویڈیو شائع کی ہے جس میں الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس کی عصمت دری کو چائلڈ پورنوگرافی کے طور پر استعمال کرنے کے لیے فلمایا اور ویڈیو کی اشاعت کی دھمکی دے رہے ہیں۔ سٹروک نے اپنے الزامات کا انکشاف کرنے کے لیے اٹلی کا سفر کیا لیکن اب وہ اسرائیل واپس آگئی ہیں، جہاں اس نے اسرائیلی پولیس سے کہا ہے کہ وہ اسے اپنے والدین اور بلیک میلرز سے محفوظ رکھے۔

اسرائیلی آبادکار بستیاں: 'پیڈوفائلز' کی پناہ گاہیں

اسرائیلی سائیکو تھراپسٹ اور صدمے کی ماہر اور بار-ایلان یونیورسٹی (Bar-Ilan University)کے ٹراما تھراپی پروگرام کی سربراہ ڈاکٹر انات گور(Dr. Anat Gur)نے کہا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ اسرائیل میں بچوں سے منظم عصمت دری بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ بچوں کا منظم ریپ ان سب سے ہولناک چیزوں میں سے ایک ہے جس کا میں نے سامنا کیا ہے۔ یہ ممکنہ طور پر ہمارے خیال سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ یہ ان جگہوں پر ہو رہا ہے جن کی ہم توقع نہیں کرتے۔ بچوں کے تحفظ کے گروپ ہیومینیم (Humanium) کی گزشتہ سال کی ایک رپورٹ میں نشاندہی کی گئی تھی کہ مقبوضہ مغربی کنارے میں غیر قانونی اسرائیلی بستیاں دوسرے ممالک بالخصوص امریکہ میں انصاف سے بھاگنے والے پیڈوفائلز کے لیے 'پناہ گاہ' بن چکی ہیں۔[1]

بہت سے جنسی مجرموں کو مغربی کنارے میں الٹرا آرتھوڈوکس بستیوں میں پناہ ملتی ہے۔[2] ان علاقوں میں سات لاکھ سے زیادہ اسرائیلی آبادکار مقیم ہیں، جو فلسطینیوں کی زمین پر ۱۵۰ سرکاری امدادی بستیوں کی صورت میں قابض ہیں، جنہیں بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی سمجھا جاتا ہے۔ حکومتی فنڈنگ غیر مجاز چوکیوں تک کے علاقوں کو بھی ملتی ہے جس سے سزا یافتہ مجرموں کو کم سے کم مداخلت کے ساتھ رہنے کی اجازت ملتی ہے۔[3]

نتیجے کے طور پر، مغربی کنارے کی بستیوں کو بچوں کے جنسی استحصال، بشمول عصمت دری اور چائلڈ پورنوگرافی کے سنگین الزامات پر طویل جانچ پڑتال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ کیسز، جن میں آن لائن استحصال اور ذاتی حملوں کی وسیع پیمانے پر مثالیں شامل ہیں، ایک سنگین رجحان کو اجاگر کرتے ہیں، کیونکہ یہ بستیاں طویل عرصے سے جنسی جرائم کے ملزمان کو پناہ دینے کے لیے مشہور ہیں۔[4]

مالکہ لیفر(Malka Leifer) کیس

مالکہ لیفر(Malka Leifer)جو ایک انتہائی قدامت پسند یہودی کمیونٹی سے تعلق رکھتی تھی اور اڈاس اسرائیل اسکول(Adass Israel School)، جو میلبرن، آسٹریلیا میں ایک الٹرا آرتھوڈوکس یہودی اسکول ہے، کی پرنسپل تھی۔ مالکہ لیفر پر اڈاس اسرائیل اسکول میں زیرِ تعلیم کم عمر طالبات کے ساتھ جنسی زیادتی کے الزامات عائد کیے گئے۔ اس پر کل ۷۴ الزامات تھے، جن میں ریپ، غیر اخلاقی حملہ، اور بچوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی جیسے جرائم شامل تھے۔ یہ الزامات تین بہنوں، ڈاسی ایرلک(Dassi Erlich)، ایلی ساپر (Elly Sapper)، اور نیکول میئر (Nicole Meyer)، نے عائد کیے، جو اس وقت اسکول کی طالبات تھیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ لیفر نے ۲۰۰۱ سے ۲۰۰۸ء کے دوران اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ جنسی بدسلوکی کی۔ جب ۲۰۰۸ء میں ان الزامات کی تحقیقات شروع ہوئیں، مالکہ لیفر آسٹریلیا سے فوراً اسرائیل فرار ہو گئی۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ اسرائیل کے ایک قدامت پسند یہودی علاقے، ایمانوئل(Emmanuel) سیٹلمنٹ، میں روپوش ہو گئی۔ آسٹریلوی حکام نے ۲۰۱۱ء میں اسکے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا اور اسرائیل سے اس کی حوالگی (extradition) کا مطالبہ کیا۔ تاہم، لیفر نے اسرائیل میں اپنی حوالگی سے بچنے کے لیے متعدد قانونی حربے استعمال کیے جس نے حوالگی کے عمل کو طویل کر دیا۔

---

[1] Exposing pedophilia and legal failures in Israel – Humanium (22 October 2024)

[2] Emmanuel, the town in Israel where pedophiles find safe haven – The Jewish Independent (4 March 2024)

[3] Who are Israeli settlers, and why do they live on Palestinian lands? – AlJazeera (6 November 2023)

[4] Exposing pedophilia and legal failures in Israel – Humanium (22 October 2024)

اس دوران، اس کے کیس نے آسٹریلیا اور اسرائیل دونوں میں تنازع کھڑا کر دیا، کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ دانستہ طور پر قانون سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مالکہ لیفر کی گرفتاری ایک طویل اور پیچیدہ عمل کے بعد ممکن ہوئی۔ ۲۰۱۴ء میں آسٹریلوی حکام نے اسرائیل سے باضابطہ طور پر اس کی حوالگی کا مطالبہ کیا، لیکن اسرائیلی عدالتوں میں لیفر کے وکلاء نے مسلسل تاخیری حربے استعمال کیے۔ آسٹریلیا واپسی کے بعد، مالکہ لیفر پر ۷۴ الزامات کے تحت مقدمہ چلا۔ ۲۰۲۳ء میں، میلبرن کی ایک عدالت نے اسے ۲۹ الزامات میں قصوروار پایا، جن میں سے کچھ سنگین جرائم جیسے کہ ریپ شامل تھے۔ اگست ۲۰۲۳ء میں، مالکہ لیفر کو ۱۵ سال قید کی سزا سنادی گئی۔

برطانوی حکومت میں نابالغوں سے جنسی زیادتی کے مجرمین

برطانیہ میں جنوری ۲۰۲۵ء میں یہودی لیبر موومنٹ کے سابق سربراہ آئیور کیپلن (Ivor Caplin) کو بھی نابالغوں کے ساتھ جنسی زیادتی، یا منصوبہ بند جنسی زیادتی کے شبے میں گرفتار کیا گیا۔ ۲۰۲۳ء میں ہیکنی، لندن کے سابق لیبر کاؤنسلر تھامس ڈیوی (Thomas Dewey) کو تشدد اور حیوانیت سمیت بچوں کی عصمت دری کی تصاویر رکھنے کا اعتراف کرنے کے باوجود صرف ۱۵۰ گھنٹے کی کمیونٹی سروس کی سزا سنائی گئی۔ لیبر پارٹی کے سربراہ اور بعد میں برطانیہ کے وزیر اعظم بننے والے کیئر سٹارمر (Keir Starmer) نے تھامس ڈیوی کی گرفتاری کے بعد بھی مقامی انتخابات میں امیدوار کے طور پر کھڑے ہونے کی اجازت دی اور وہ گرفتاری کے ایک ہفتے بعد بطور کاؤنسلر منتخب بھی ہو گیا۔ برطانوی میڈیا اور سیاستدان ایسے الزامات کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔

ٹرونیوز (TruNews) کے بانی رک وائلز (Rick Wiles) کے الزامات

رک وائلز ٹرونیوز ویب سائٹ کے بانی ہیں، انہوں نے یہ الزام لگایا کہ یہودی امریکی سیاستدانوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک مبینہ اسرائیلی موساد کے زیر اہتمام بلیک میلنگ آپریشن کا استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہودی، خاص طور پر صیہونیوں کے ذریعے، امریکی سیاستدانوں کو جنسی اسکینڈلز میں پھنسایا جاتا ہے، جن کی ویڈیوز بنائی جاتی ہیں تاکہ انہیں بلیک میل کیا جا سکے اور وہ اسرائیل کے مفادات کی حمایت کریں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے دعویٰ کیا کہ جفیری ایپسٹین (Jeffrey Epstein) ایک اسرائیلی ایجنٹ تھا جو امریکی سیاستدانوں اور کاروباری افراد کو نابالغ لڑکیوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی پیشکش کرتا تھا تاکہ انہیں بلیک میل کیا جا سکے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ "قبالہ" (Qabalah/Kabbalah) جادو کا استعمال کرنے والے صیہونی ہیں جنہوں نے امریکی معاشرے کو کنٹرول کر لیا ہے۔ حال ہی میں جب ایلون مسک اور ٹرمپ کے مابین کشیدگی ہوئی تو ایلون مسک نے سوشل میڈیا پوسٹ میں لکھا کہ سرکاری دستاویزات میں ٹرمپ کے فنانسر کے طور پر بدنام زمانہ جنسی مجرم جیفری ایپسٹین (Jeffrey Epstein) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بچوں کے قتل کی حریص اسرائیلی فوج

فرانس ۲۴ کو انٹرویو دیتے ہوئے امریکی یہودی سرجن ڈاکٹر مارک پرلمٹر (Dr. Mark Perlmutter) نے دعویٰ کیا کہ اسرائیلی اسنائپرز غزہ میں جان بوجھ کر بچوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ پرلمٹر نے کہا کہ جب وہ اس سال کے شروع میں جنوبی غزہ میں خان یونس کے یورپی ہسپتال میں رضاکارانہ طور پر کام کر رہے تھے تو انہوں نے "دو بچوں کو دیکھا جنہیں دو بار گولی ماری گئی تھی۔" انہوں نے مزید کہا: "کسی بچے کو غلطی سے دو بار گولی نہیں لگ سکتی۔ میں اپنا سٹیتھو سکوپ بچے کے سینے پر سو فیصد صحیح جگہ نہیں رکھ سکتا، جہاں اسرائیلی سنائپرز نے پرفیکشن کے ساتھ گولی ماری۔ یونیسیف کے مطابق، اسرائیل نے ۲۰۲۳ء سے غزہ میں پچاس ہزار سے زیادہ بچوں کو شہید اور زخمی کیا ہے۔ یہ مسلسل ۵۷۵ دنوں تک ہر ۴۵ منٹ میں ایک بچے کی شہادت کے برابر ہے!

کیا بچوں سے جنسی زیادتی اور پورنوگرافی کا تعلق شیطان پرستی سے ہے؟

ٹریسا (Teresa) کیس

مشہور صحافی آئن لیسلی (Ian Leslie) نے ۱۹۸۹ء میں "۶۰ منٹس آسٹریلیا" (60 Minutes Australia) کے پروگرام "شیطان چلڈرن" (Satan's Children) میں ایک ۱۵ سالہ برطانوی لڑکی ٹریسا (Teresa) کا انٹرویو کیا تھا۔ یہ انٹرویو ایک انتہائی چونکا دینے والے خوفناک انکشافات پر مبنی تھا، جس میں ٹریسا نے اپنے ساتھ ہونے والے Satanic Ritual Abuse (SRA) کے تجربات کی تفصیلات بیان کیں۔ آئن لیسلی نے اسے اپنے ۲۷ سالہ صحافتی کیریئر کی "سب سے تکلیف دہ اور پریشان کن کہانی" قرار دیا۔

انٹرویو میں ٹریسا نے بتایا کہ وہ دو سال کی عمر سے اپنی دادی کے ساتھ رہ رہی تھی، جو ایک شیطانی کلٹ کی سرغنہ تھی۔

اس نے اس کلٹ کی عجیب و غریب، خوفناک اور دل دہلا دینے والی رسومات اور منظم جنسی استحصال (systematic sexual abuse) کی تفصیلات بیان کیں، جو اس کے ہوش سنبھالنے سے قبل کم عمری سے ہی اس کی روز مرہ زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اسے ۱۲ سال تک اس کلٹ میں پھنسائے رکھا گیا، جہاں اسے خوفناک رسومات اور تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ دو سال کی عمر سے یہ بچی اپنے سامنے دوسرے بچوں کے ساتھ جنسی تشدد و زیادتی دیکھتی اور یہی اس کے ساتھ بھی ہوتا۔ کئی بچوں کو ذبح کیا گیا۔ بچوں کو اذیت دینے کے لیے ان پر زہریلے بچھو اور سانپ بھی چھوڑے جاتے۔ ان سے جانوروں کے ساتھ جنسی عمل

کروایا جاتا۔ ٹریسا نے اس کلٹ کے شکنجے میں رہتے ہوئے ۷ بچوں کو جنم دیا۔ یہ بنیادی طور پر اسقاطِ حمل ہوتا تھا۔ پیدا ہونے والے بچوں کو اس کے سامنے قتل کیا جاتا۔ ایک دفعہ اس کے نومولود بچے کو قتل کے بعد ٹریسا کو اسے کھانے پر مجبور کیا گیا۔ ٹریسا نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو اس پر کتے چھوڑ دیے گئے۔ پکڑے جانے پر اسے کئی دنوں تک باندھ کر رکھا گیا۔ ٹریسا کے بقول اسے شہر سے دور کسی قلعہ نما بڑی عمارت میں لے جایا جاتا تھا جہاں بہت امیر لوگ اس شیطانی کلٹ کی تقریب میں شرکت کرتے۔ شیطان کو لوسیفر (Lucifer) کہا جاتا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ لوسیفر بچوں کے قتل سے بہت خوش ہوتا ہے۔ آئن لیسلی نے پوچھا کہ وہ قتل کیے جانے والے بچوں کا کیا کرتے تھے تو ٹریسا نے بتایا کہ انہیں ایک بڑے سے ڈرم میں تیزاب ڈال کر ختم کر دیا جاتا تھا جو ہڈیوں تک کو گلا دیتا تھا۔[5]

آئن لیسلی نے، جو ۶۰ منٹس آسٹریلیا کے ابتدائی رپورٹرز میں سے ایک تھے، اپنی رپورٹنگ میں بچوں سے متعلق مسائل پر ہمدردانہ انداز کے لیے جانے جاتے تھے۔ آئن لیسلی نے ٹریسا کی میڈیکل رپورٹس بھی چیک ہیں جس میں اس پر ہونے والے جنسی تشدد، زچگی اور اسقاطِ حمل کی تصدیق کی گئی تھی۔ آئن لیسلی نے ٹریسا کی کہانی کی صداقت کو جانچنے کے لیے ان رپورٹس اور ٹریسا کی ریکارڈنگ کے ہمراہ مشہور ماہر نفسیات رے وائر (Ray Wyre) سے مشاورت کی، جو Satanic Ritual Abuse (SRA) کے متعلق معلومات رکھتے تھے اور اس موضوع پر ماہر تصور کیے جاتے تھے۔ وائر نے ٹریسا کی کہانی کی تصدیق کی اور بتایا کہ انہوں نے دو سال کے عرصے میں ۲۱ دیگر SRA متاثرین سے بھی اسی طرح کی کہانیاں سنی تھیں۔ آئن لیسلی نے پوچھا کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ یہ بچوں کا نفسیاتی مسئلہ ہو یا یہ سب خواب دیکھا ہو۔ تو رے وائر نے بتایا کہ ایسا ممکن نہیں کہ تین چار سال کے بچے اس طرح کے جنسی عمل کے متعلق بات کریں۔ یقینی طور پر ان بچوں نے یہ سب مشاہدہ کیا تھا۔ آئن لیسلی نے اس کیس کی تفتیش کرنے والے تفتیشی افسر سے بھی انٹرویو کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا انہیں ٹریسا کی آپ بیتی پر یقین ہے کہ وہ سچ کہہ رہی ہے؟ تو اس کا جواب ہاں میں تھا۔ اس افسر نے یہ بھی بتایا کہ وہ ایسے دوسرے کیسز کی بھی تفتیش کر رہے ہیں۔ آئن لیسلی اس کلٹ کے رہنماؤں سے بھی انٹرویو کرنے میں کامیاب ہوا۔ جس میں سے ایک نے اپنے کلٹ کے حوالے سے تو انکار کیا کہ وہ بچوں کو قتل کرنے کی کوئی رسم ادا کرتے ہیں لیکن اس نے اس بات کا اقرار ضرور کیا کہ ایسے شیطانی گروپ یقیناً موجود ہیں جو یہ فعل سر انجام دیتے ہیں۔ اس کلٹ کے دوسرے ممبران نے قدرے مبہم انداز میں بات کرتے ہوئے اسے حق آزادی قرار دیا کہ انہیں اس کی بھی آزادی ہونی چاہیے۔ انہوں نے بچوں سے جنسی تعلق کے حق کی بھی حمایت کی۔ اتنے ٹھوس ثبوتوں کے باوجود اس کیس کے متعلق دوسرے چینلز اور اخبارات نے رپورٹنگ نہیں کی اور خاموشی اختیار کی۔ اور اکثر جگہوں پر ان واقعات کو سازشی تھیوری کہہ کر رد کر دیا گیا۔ اس کیس کے متعلق اور اس سے ملتے جلتے دوسرے سکینڈلز جن میں شیطانی کلٹ اور بچوں سے جنسی زیادتی اور ان کے بطور رسم قتل کے متعلق جب مختلف پلیٹ فارمز کے آرٹیفیشل انٹیلی جنس سسٹمز سے رہنمائی لینا چاہی تو سب نے کیس کو سازشی نظریہ قرار دیا گیا، صرف اس بنیاد پر کہ شیطانی ٹیمپلز کے ترجمان ان الزامات کی نفی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ وہ ایسا قانونی گرفت سے بچنے کے لیے کرتے ہیں۔

شیطان پرستی سے منسلک اہم کیسز اور افراد

شیطان پرستی سے منسلک افراد پر بچوں سے جنسی زیادتی یا قتل کے الزامات اکثر ۱۹۸۰ء کی دہائی میں سامنے آئے۔ کچھ اہم کیسز اور افراد درج ذیل ہیں:

میک مارٹن پری اسکول (McMartin Preschool) کیس (۱۹۸۳ء):

لاس اینجلس، کیلیفورنیا میں، میک مارٹن پری اسکول کے سات اساتذہ، جن میں سکول کی بانی ورجینیا مک مارٹن (Virginia McMartin) کی بیٹی پیگی مک مارٹن بکے (Peggy McMartin Buckey)، اس کے نواسے رے بکے (Ray Buckey) اور نواسی پیگی این بکے (Peggy Ann Buckey) شامل تھے، پر ۳۰۰ سے زائد بچوں سے جنسی زیادتی اور شیطانی رسومات کے الزامات لگے۔ یہ مقدمہ امریکی تاریخ کا سب سے طویل اور مہنگا مقدمہ تھا۔ ساتھ سال سے زائد عرصے پر محیط اس مقدمے پر ۱۶ ملین ڈالر کی لاگت آئی۔ تاہم، تمام الزامات ۱۹۹۰ء میں خارج کر دیے گئے، اور ملزمان کو بری کر دیا گیا کیونکہ ثبوت ناکافی تھے اور بچوں کے بیانات میں تضادات پائے گئے۔

لوئی الفریڈو گاراویٹو کوبیلوس (Luis Alfredo Garavito Cubilos)

یہ لاطینی امریکی سیریل کلر تھا، جسے "حیوان" (The Beast) کہا جاتا تھا۔ اس پر ۳۰۰ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور پھر قتل کے الزامات تھے۔ ۱۸۰ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور پھر قتل کے الزامات ثابت ہوئے جس کے بعد اسے سزا سنادی گئی۔ لوئی نے دعویٰ کیا کہ اس کے جرائم کی وجہ "شیطان کا اثر" تھا۔

ویسٹ مفس تھری (West Memphis Three) کیس

۱۹۹۴ء کے ویسٹ مفس تھری کیس میں تین نوجوانوں ڈیمین ایکولز (Damien Echols)، جیسی مسکیلی جونیئر (Jessie Misskelley Jr.) اور جیسن بالڈون (Jeson Baldwin) پر شیطانی رسومات کی ادائیگی کرتے ہوئے تین آٹھ سالہ لڑکوں سٹیو برانچ (Steve Branch)، مائیکل مور (Michael Moore)، اور کرسٹوفر بائیرز

---

[5] یہ بالکل وہی طریقہ کار تھا جو پاکستان میں سو بچوں کو قتل کرنے والے جاوید اقبال نے اختیار کیا تھا۔

(Christopher Byers) کو قتل کرنے کے الزامات لگے۔ اس کیس میں ڈیمین ایکلز کو سزائے موت جبکہ باقی دونوں کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ لیکن ۱۸ سال بعد ۲۰۱۱ء میں انہیں تمام الزامات سے بری کر دیا گیا۔

امریکہ شیطان پرستی کا مرکز

امریکہ میں جدید شیطان پرستی (Satanism) کی ابتدا ۱۹۶۶ء میں ہوئی جب انٹن زینڈر لاوی (Anton Szandor LaVey) نے چرچ آف سیٹن (Church of Satan) کی بنیاد سان فرانسسکو، کیلیفورنیا میں رکھی۔ یہ تنظیم جدید شیطان پرستی کی سب سے نمایاں شکل سمجھی جاتی ہے، جو لاوین شیطانیت (LaVeyan Satanism) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ لاوی نے ۱۹۶۹ء میں شیطانی بائبل (The Satanic Bible) شائع کی، جس نے شیطان پرستی کو ایک منظم فلسفے کے طور پر متعارف کرایا۔ یہ فلسفہ شیطان کو ایک علامتی شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے جو انفرادیت، خود مختاری، اور مادی لذتوں کی ترجمانی کرتا ہے، نہ کہ ایک لفظی شیطانی ہستی کی عبادت۔ اس کے علاوہ، ۲۰۱۳ء میں دی سیٹانک ٹیمپل (The Satanic Temple) کی بنیاد رکھی گئی، جو ایک الگ تنظیم ہے اور سیاسی و سماجی ایکٹوازم پر زیادہ توجہ دیتی ہے، خاص طور پر مذہبی آزادی اور سائنسی عقل پر مبنی نظریات کو فروغ دینے کے لیے۔

اس سے قبل، شیطان پرستی کے تصورات امریکہ میں زیادہ تر عیسائی روایات کے تناظر میں منفی طور پر دیکھے جاتے تھے، لیکن کوئی منظم شکل موجود نہیں تھی۔

موجودہ شیطانی کلیساؤں یا ٹیمپلز کی تعداد

دقیق اعداد و شمار کے مطابق موجودہ شیطانی کلیساؤں یا ٹیمپلز کی تعداد کا تعین مشکل ہے کیونکہ یہ تنظیمیں اکثر نجی طور پر کام کرتی ہیں، اور ان کی شاخیں یا ممبر شپ عوامی طور پر مکمل طور پر ظاہر نہیں کی جاتی۔ تاہم، کچھ اہم تنظیمیں یہ ہیں:

چرچ آف سیٹن (Church of Satan):

یہ تنظیم اب بھی فعال ہے، لیکن اس کی شاخوں کی تعداد عوامی طور پر واضح نہیں ہے۔ اس کے ممبران دنیا بھر میں ہیں، لیکن کوئی مخصوص "چرچ" کی عمارتوں کی تعداد رپورٹ نہیں کی جاتی۔

دی سیٹانک ٹیمپل (The Satanic Temple):

یہ تنظیم امریکہ میں زیادہ نمایاں ہے اور اس کی کئی شاخیں (Chapters) ہیں۔ ۲۰۲۳ء تک، دی سیٹانک ٹیمپل کی کم از کم ۳۰ شاخیں امریکہ کے مختلف شہروں میں فعال تھیں، جیسے کہ بوسٹن، سیئٹل، اور ڈیٹرائٹ۔ یہ شاخیں اکثر کمیونٹی سینٹرز یا آن لائن پلیٹ فارمز کے ذریعے کام کرتی ہیں۔

شیطان پرستوں کا اجتماع

۲۰۲۳ء میں شیطان پرستوں کا سب سے بڑا اجتماع امریکہ کے شہر بوسٹن میں میریئٹ ہوٹل میں ہوا۔ اس اجتماع میں شرکت کرنے والے ایک شخص نے نیوز رپورٹر کو بتایا کہ ایک شیطان پرست نے مجھے اس رسم کو اس شرط پر دیکھنے کی اجازت دی تھی کہ یہاں موجود کسی فرد کا نام یا شناخت ظاہر نہیں کی جائے گی۔ ان افراد نے چہروں پر ایک کالا ماسک اور بدن پر لمبا چوغا پہن رکھا تھا جو زمین کو چھو رہا تھا۔ ان کے ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے جسے کاٹ کر اُن کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ مسیحیوں کی مقدس کتاب بائبل سے صفحے پھاڑ کر علامتی طور پر ان افراد کی مسیحی مذہب سے وابستگی ختم کر دی گئی۔ امریکی حکومت 'دی سیٹانک ٹمپل' کو ایک مذہب کے طور پر تسلیم کرتی ہے جس کے اجتماعات امریکہ کے علاوہ یورپ اور آسٹریلیا میں بھی منعقد ہوتے ہیں۔ مسیحی مذہب کے ماننے والوں کے لیے یہ مذہب کی سنگین توہین ہے۔ اور دی سیٹانک ٹمپل کے میڈیا تعلقات کے ماہر ڈیکس ڈس جارڈنز (Dex Desjardins) نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ ہماری بہت سے چیزیں توہین آمیز ہیں۔ اس کے بقول ہمارے بہت سے لوگ الٹا کراس پہنتے ہیں۔ ہماری ابتدائی رسم میں بائبل کے صفحے پھاڑے جاتے ہیں کیوں کہ اسے 'ایل جی بی ٹی کیو' اور خواتین پر ظلم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ہوٹل کے باہر احتجاج کرنے والے بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک، قدامت پسند کیتھولک گروہ کے رکن مائیکل شیولر (Michael Shivler)، نے اندر موجود افراد کو تنبیہ کی کہ ہم خدا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم اس توہین کو نہیں مانتے اور یہ کہ کیتھولک لوگ عوامی مقامات شیطان پرستوں کے حوالے نہیں کرنے دیں گے۔ 'دی سیٹانک ٹمپل' کی شناخت کا ایک لازمی جزو سیاسی عمل میں شرکت ہے۔ موجودہ سیکولر جمہوری نظام کے دلدادہ افراد کی طرح ان کا بھی ماننا ہے کہ مذہب اور ریاست کو الگ ہونا چاہیے اور یہ اکثر امریکہ میں اس معاملے پر عدالتوں میں کیس دائر کرتے رہتے ہیں۔ اوکلوہوما ریاست میں انہوں نے شیطان کا آٹھ فٹ کا مجسمہ نصب کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکی آئین میں لکھا ہوا ہے کہ تمام مذاہب سے یکساں سلوک ہوگا۔ اس شیطانی کلٹ میں اسقاط حمل کے حق کی بھی حمایت کی جاتی ہے کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ ہر کسی کو اپنے جسم پر اختیار ہونا چاہیے۔ نیو میکسیکو میں ان کی جانب سے ایک آن لائن کلینک کا آغاز کیا گیا جو ڈاک کے ذریعے اسقاط حمل کی گولیاں فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے اسقاط حمل کی ایک رسم بھی ایجاد کی ہے جو ایسے افراد کے لیے ہے جو حمل گرانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس تنظیم کا ایک اور منصوبہ سکول کے بعد کلبوں کا انعقاد ہے جن کو شیطان کے ساتھ تعلیم کا نام دیا گیا ہے۔ ویسے تو یہ مذہب کو تعلیم اور سکول سے باہر رکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ماننے والے مذہبی گروہوں سے نمٹنے کے لیے تیار رہیں جو ان کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک آفٹر سکول

شیطان کلب شروع کرنے کے لیے بھی کوشاں ہیں جہاں توجہ کمیونٹی سروس، سائنس، دستکاری اور تنقیدی سوچ پر مرکوز ہوگی۔ اس کلٹ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ بچوں کو شیطان پرست بنانے پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے ایک گانا 'میرا پال شیطان' بنایا ہے، جس میں ایک اینیمیٹڈ بکری ہے، اور یہ سطور ہیں کہ 'شیطان کوئی برا آدمی نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم سیکھو اور سوال کرو کہ کیوں؟ وہ چاہتا ہے کہ تم مزہ کرو اور جیسے چاہو ویسے رہو اور کوئی جہنم وغیرہ نہیں ہے'۔

کیلیفورنیا سے اس اجتماع میں شرکت کے لیے یہاں آنے والی آرسیلی روز(Arcely Rose) کا کہنا تھا کہ اس کو لگتا ہے کہ ان کے اصول اس کے لیے ہیں اور ان پر عمل کرنا آسان ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ میں ہمیشہ سے ایک شیطانی فرد رہی ہوں، مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ کہتی ہے کہ اس نے اس گروہ کے بارے میں پہلی بار ۲۰۲۰ء میں ٹک ٹاک کے ذریعے جانا تھا۔ ٹائسن نیکولز Is(Tyson Nichols)، جس کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ ہے، اس کلٹ کے بہت سے ممبروں میں سے ایک تھا اس کا کہنا ہے کہ وہ حال ہی میں لادینیت سے شیطان پرستی کی طرف راغب ہوا ہے۔

میڈیا کا کردار

شیطان کی پرستش کرنے والوں پر جو الزامات لگائے گئے اور جن کیسز میں ٹھوس ثبوت بھی میسر تھے اور ان پر عدالتوں میں کیس چلے، یہ سب مین سٹریم عالمی میڈیا نظر انداز کرتا رہا۔ لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کہ شیطانی رسومات کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ہر چینل اور اخبار نے اس کو شائع کیا۔ ایک خبر پاکستانی چینل آج ٹی وی کی بھی نظر سے گزری جس میں شیطان پرستوں پر لگنے والے الزامات کی تردید کی گئی تھی۔

کیا پاکستان میں بھی شیطان پرستی کا وجود ہے؟

یہ بات تو یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ شیطانی کلٹ سے وابستہ لوگ دنیا بھر میں بچوں کے جنسی استحصال اور پورنوگرافی کا کام نہایت منظم انداز سے کر رہے ہیں جس میں لوگوں کو بچوں سے جنسی زیادتی کی ویڈیو بنا کر آن لائن بیچنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ گزشتہ سال کراچی میں ایک ایسا ہی کیس منظر عام پر آیا تھا جس میں طاہر عباس نامی شخص اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ کی گئی غیر فطری حرکات اور زیادتیوں کی ویڈیو بنا کر انہیں آن لائن بیچ رہا تھا۔ واقعے کی رپورٹ متاثرہ خاتون کی بہن کی جانب سے جمع کروائی گئی تھی۔ جس کے بعد گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ قصور میں ۲۰۱۵ء میں بچوں سے زیادتی کا ایک سکینڈل سامنے آیا جس کے مطابق ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۴ء تک سینکڑوں بچوں سے جنسی زیادتی کی ویڈیو بنا کر بیچی گئی۔ یہ معاملہ یہیں تک نہیں رکتا ہے بلکہ ان جرائم میں ملوث افراد متاثرہ بچوں کے والدین کو سالوں تک بلیک میل کر کے لاکھوں روپے بٹورتے رہے۔ ایسا ہی کیس کرم میں بھی سامنے آیا تھا۔ گرفتار شخص سے سینکڑوں ویڈیو برآمد ہوئیں۔ سب سے اہم بات اس کیس میں ایک اعلیٰ فوجی افسر کا بھی نام لیا جاتا رہا شاید یہی وجہ تھی کہ چند دن سوشل میڈیا پر رہنے کے بعد یہ کیس دب گیا۔ پاکستان میں بچوں کی نازیبا ویڈیوز کو ڈارک ویب پر بیچنے کا مکروہ دھندا کرنے والے گینگ کے کارندے کو حال ہی میں مظفر گڑھ سے گرفتار کیا گیا، اسکول ٹیچر سے ۱۴ سو سے زائد ویڈیوز برآمد ہوئیں۔ بچوں سے زیادتی کے واقعات کے علاوہ پاکستان اور بھارت میں ایسے کیسز کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جس میں کالے جادو کے عامل نے یا تو خود بچوں کو قتل کیا یا ان کے کہنے پر لوگ بچوں کو قتل کرتے رہے۔ بہر حال پاکستان میں ان شیطانی تنظیموں اور نیٹ ورکس کا بچوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں کتنا شئیر ہے اس موضوع کو ایک طرف رکھتے ہیں اور اسے مجموعی حیثیت میں دیکھتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حال ہی میں سسٹین ایبل سوشل ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن(SSDO) نے پاکستان کے ۴ صوبوں پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات پر مبنی ۵ سالہ رپورٹ جاری کی ہے، جو ۲۰۱۹ء سے ۲۰۲۳ء تک کے اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ ایس ایس ڈی او کی رپورٹ کے مطابق ۵ سال کے عرصے میں بچوں کے خلاف جنسی زیادتی کے ۵۳۹۸ واقعات رپورٹ ہوئے، جن میں سے ۶۲ فیصد واقعات صوبہ پنجاب سے رپورٹ ہوئے جن کی تعداد ۳۳۲۳ ہے۔ یہ تعداد دیگر صوبوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ بچوں سے جنسی زیادتی کے خیبر پختونخوا میں ۱۳۶۰ واقعات رپورٹ ہوئے جو کہ ۲۵ء۱ فیصد ہیں۔ اسی طرح سندھ میں ۴۵۸ واقعات رپورٹ ہوئے جو کہ ۸ء۵ فیصد ہے جب کہ بلوچستان سے ۲۵۷ واقعات رپورٹ ہوئے جو کہ ۵ فیصد ہے۔ رپورٹ میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ۵ برس کے دوران ۲۰۱۹ء سے ۲۰۲۳ء میں رپورٹ ہونے والے واقعات میں ۲۲۰ فیصد اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔ پنجاب کے ضلع لاہور میں بچوں سے زیادتی کے سب سے زیادہ ۱۱۷۶ واقعات رپورٹ ہوئے جب کہ خیبر پختونخوا کے کم آبادی والے ضلع کولائی پالس کوہستان، جہاں ۱۸ سال سے کم عمر افراد کی آبادی محض ۱ لاکھ ۵۸ ہزار رہے، جس میں ۸۴ واقعات رپورٹ ہوئے۔ اگر ہم ان جرائم کی جڑ تک پہنچنا چاہیں تو مذکورہ بالا اعداد و شمار اس جڑ کی نشاندہی بھی کر رہے ہیں۔ بعض احباب اس بات پر ممکن ہے تعصب کا لیبل لگا دیں کہ پنجاب کو ہر معاملے میں ناجائز تنقید کا نشانہ بنانا پڑتا ہے لیکن آپ کسی بھی ایسے شخص سے اس متعلق دریافت کر لیں جس نے پاکستان کے چاروں صوبوں میں وقت گزارا ہو۔ بے حیائی کا جو لیول پنجاب میں نظر آتا ہے پاکستان کے دوسرے صوبے اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ جس طرح ایک بدبودار کمرے میں رہنے والے افراد بدبو کے عادی ہو جاتے ہیں اسی طرح ایسا لگتا ہے بہت سی چیزیں معاشرے کا جزو بن چکی ہیں۔ جن پر لوگوں کو ناگواری بھی محسوس نہیں ہوتی۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر گھر کی خواتین اور بچوں کے ہمراہ بیٹھ فحش نیم برہنہ عورتوں کا ناچ گانا دیکھنے والے اپنے گھر کی

خواتین اور بچوں کو کیا پیغام اور تربیت دے رہے ہیں؟ پھر سوشل میڈیا کی بیہودگی معاشرتی اقدار کی جڑوں کو جس طرح اکھاڑ کر پھینک رہی ہے معاشرے کا درندوں سے بھرے جنگل کا منظر پیش کرنا اب اچنبھے کی بات نہیں۔ اگرچہ میڈیا یہ سیلاب پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بھی پہنچا رہا ہے جس کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں ایسے کیسز میں ملوث مجرموں میں زیادہ تر نشے کے عادی افراد ہوتے ہیں۔

سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ حالات میں ان مسائل سے انفرادی حیثیت میں نمٹا جا سکتا ہے؟ جبکہ موجودہ حکمران اس جلتی پر تیل چھڑکتے ہوئے کبھی ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دلوانے کے لیے ٹرانس جینڈر بل پاس کرواتے ہیں تو کبھی کم عمری کی شادی کی روک تھام کا بل۔ اور بے حیائی کے فروغ کے لیے سینما اور شوبز انڈسٹری کو مراعات اور ٹیکس سبسڈی۔ ہمارے پاس دو ہی راستے بچے ہیں۔ یا تو اس غلیظ نظام سے بچتے بچتے اس کا ایندھن بن جائیں اور قسمت کو قصوروار ٹھہرائیں یا پھر اس غلیظ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور شریعت کے پاکیزہ نظام کے نفاذ کے لیے اپنی زندگی کھپا دیں۔ اگر اس ملک میں شریعت کے نفاذ کا ہدف ہماری زندگیوں میں پورا نہ بھی ہو سکا تو ہمیں اللہ سے امید رکھنی چاہیے کہ ہماری اس کوشش، جدوجہد اور قربانی کے سبب اللہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو گندگی کے اس سیلاب سے محفوظ فرمائے گا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اصلاحِ معاشرہ

”حدود الٰہیہ میں داخل ہو جانے والے اس کو پامال کرنے والے اور اس میں مداہنت کرنے والے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کچھ لوگوں نے کشتی پر سوار ہونے کے لیے قرعہ ڈالا، کچھ لوگوں کا نام بالائی منزل کے لیے نکلا اور کچھ لوگوں کا نیچے کے لیے، نیچے والے پانی لینے کے لیے اوپر جاتے تو اوپر والوں کو تکلیف ہوتی، نیچے والوں نے اس کو محسوس کیا تو کلہاڑی لی اور کشتی میں سوراخ کرنے لگے، اوپر والوں نے آکر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہوں تو انہوں نے جواب دیا کہ اوپر آنے جانے میں تم لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور پانی ہمارے لیے ضروری ہے، اب اگر اوپر والوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور سوراخ کرنے سے روکا تب تو وہ اپنے لیے بھی نجات کا سامان کریں گے اور ان کو بھی بچا لیں گے، ورنہ خود بھی ہلاک ہوں گے اور ان کو بھی ہلاک کریں گے۔“[6]

برائیوں سے روکنا ایک مذہبی فریضہ ہے، یہ مسلمانوں کے فرض منصبی میں داخل ہے، لیکن کسی کی برائیوں کو اچھالنا اور اس کو بے عزت کرنا سخت گناہ کی بات ہے، یہ حکم شرعی ہے کہ برائیوں کو چھپایا جائے، ان کا چرچا نہ کیا جائے، اس کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اچھے لوگوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگتا ہے اور ان میں بھی یہ برائیاں گھسنے لگتی ہیں۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: موت ومابعد الموت

حشر کے دن کے بہت سے مرحلے ہیں جن میں سے ایک کائنات کا انقلاب بھی ہے اور اسی مرحلے سے قیامت کے دن کا آغاز ہو گا۔ پھر ایک مرحلہ لوگوں کے جمع ہونے کا، یعنی حشر ہے۔ پھر شفاعت بھی ایک علیحدہ مرحلہ ہے۔ پھر حساب کا مرحلہ ہے جو قیامت کے دن کا سب سے اہم اور ممتاز واقعہ ہے۔ حساب کتاب ہی کے لیے تو قیامت قائم ہو گی۔ اس مرحلے میں لوگوں کے اعمال ناموں کی پڑتال ہو گی اور اسی کی بنیاد پر کسی شخص کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ ہو گا۔ اللہ رب العزت یوم حساب کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ (سورۃ الکھف: ۴۸)

”اور وہ سب کے سب صف بستہ تیرے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے۔“

لوگ اپنے رب کے سامنے حساب کتاب کے انتظار میں صف در صف کھڑے ہوں گے۔

آئندہ حصے میں ہم ان شاءاللہ یوم حشر کے چند اصولوں یا اساس پر بات کریں گے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى صحبه وسلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: مدرسہ ومبارزہ

آزادی حاصل کرنے کے بعد ہم پر ایسے نظام اور حکومتیں مسلط کی گئیں جن کی اکثریت بیرونی طاقتوں سے وابستہ تھیں اور بجائے اس کے کہ وہ مجاہدینِ آزادی کی قدر دانی کرتے اور آزادی کی حفاظت کرتے، انہوں نے الٹا ان مجاہدین کو دبایا اور آزادی کی قیمت پر دشمنوں کے ساتھ خفیہ یا علانیہ سودے کیے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

[6] صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب القرعة في المشكلات

تاجر حضرات اور ہماری عوام کے لیے کم از کم درجۂ ایمان یہ ہے کہ وہ مغربی مصنوعات اور صہیونی کمپنیوں کا بائیکاٹ کریں، چاہے وہ کھانے پینے کی اشیاء ہوں، مٹھائیاں ہوں، مشروبات ہوں، کپڑے، ٹیکنالوجی، ایئر لائنز، گھریلو سامان، گاڑیاں یا گھڑیاں وغیرہ ہوں۔ کسی بھی مسلمان کی کوشش کو چھوٹا یا بے وقعت نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ انفرادی کوششوں نے ہمیشہ سے سیاسی نقشے بدلے ہیں اور اندھیرے حالات کو روشنی میں بدلا ہے۔

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

فضيلة الشيخ

سيفُ العَدل

وحرّض المؤمنین

شیخ سعد بن عاطف العولقی
امیر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے فریضۂ جہاد کو عزت و شرف کا ذریعہ بنایا، اسے کفار اور مفسدین کو کچلنے اور مخالفین پر اسلام کی عزت و عظمت قائم کرنے کا وسیلہ قرار دیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، جس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا‌ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ ۝ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ‌ؕ (سورۃ الحج: ۳۹،۴۰)

”جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انھیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انھوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔“

اور فرمایا:

وَمَا لَـكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا‌ۚ وَاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ۝ (سورۃ النساء: ۷۵)

”اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

اور درود و سلام ہوں رسول اللہ ﷺ پر جنھوں نے فرمایا:

إن الله بعثني بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبد الله لا يشرك به، وجعل رزقي تحت ظل رمحي وجعل الذل والصغار على من خالف أمري ومن تشبه بقوم فهو منهم.

”اللہ تعالیٰ نے مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر مبعوث کیا ہے تاکہ خالص اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور میرا ارزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے اور جو کوئی میرے حکم کی نافرمانی کرے گا، ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے، اور جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين أصابعه

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک ایسی عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو آپس میں جوڑ لیا ہے۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضو تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.

”تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف و نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو باقی جسم کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہ بخار زدہ ہو جاتا ہے۔“

امابعد:

مشرق و مغرب میں موجود امتِ مسلمہ اور روئے زمین پر بسنے والے دو ارب سے زیادہ میرے مسلمان بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میری محبوب امت! آپ کے سامنے گزشتہ ڈیڑھ سال سے غزہ جیسی جہاد، قربانی، رباط، صبر و ثبات اور استقامت کی سرزمین پر ایک ایسی شدید ترین، سفاکانہ، ظالمانہ، اور ناپاک عالمی صہیونی–صلیبی جنگ مسلط کی گئی ہے، جس کی مثال معاصر تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی۔ ایک ایسی جنگ جس میں ان تمام قوانین، مقدسات، ممنوعات، روایات، اقدار اور اخلاقیات کو پامال

کیا گیا ہے، جو جنگوں میں تسلیم شدہ ہیں اور عموماً ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ زمانۂ جاہلیت کی جنگوں میں بھی ان قوانین و روایات کی خلاف ورزی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن غزہ کی اس جنگ میں بے گناہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کیا گیا اور پانی، خوراک اور ادویات تک پر پابندی لگا دی گئی۔

درحقیقت آج غزہ میں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس تباہی و بربادی سے تین گنا زیادہ ہے جو جاپانی شہر ہیروشیما پر امریکہ کے ایٹم بم گرانے سے پیدا ہوئی تھی۔ پس غزہ میں ڈھائے جانے والے مظالم، عالمی صہیونی-صلیبی جنگ کے سوا کچھ نہیں ہیں جو اپنی انتہا پر ہیں۔ اس جنگ میں ہر طرف موت، تباہی اور تخریب ہے۔ فضا اور سمندر سے جنگی طیاروں اور ڈرونز کے ذریعے بمباری کی جا رہی ہے اور توپوں، ٹینکوں، ہر قسم کے ہتھیاروں اور گولہ بارود سے آتش و آہن برسایا جا رہا ہے، غرض تباہی و بربادی کی تمام مشینیں اور آلات اس جنگ میں آزمائے جا رہے ہیں۔

اے لوگو! غزہ میں ہر جگہ شہداء کی کٹی پھٹی لاشیں نظر آتی ہیں، کچھ کے سر اور دیگر اعضاء نہیں ہوتے۔ اہلِ غزہ کے گھر، ان کے سروں پر گرائے جا رہے ہیں، ہر روز بیسیوں، بعض اوقات سینکڑوں افراد تک شہید ہو رہے ہیں۔ غزہ کے لوگ جب اپنے خستہ حال خیموں میں سو رہے ہوتے ہیں تو انہیں بمباری سے زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ ان کے گھروں کو بارودی سرنگوں اور دھماکہ خیز مواد سے بھر کر اڑا دیا جاتا ہے تاکہ ان کے مکین دوبارہ ان میں واپس نہ آ سکیں۔

غزہ کے علاقوں میں دراندازی کر کے ان پر قبضہ کر لیا گیا ہے، جس کا آغاز رفح اور شجاعیہ سے ہوا، اس کے بعد بیت حانون، لاہیا، جبالیا اور خان یونس کی باری آئی اور پھر آہستہ آہستہ پورے غزہ کو خالی کرا کے اس پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ وحسبنا الله ونعم الوكيل۔

غزہ میں ہزاروں افراد بغیر کسی پناہ کے سڑکوں پر سو رہے ہیں۔ بھوک سے موت اور بمباری سے موت، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی لاشوں کا تعاقب کرتی ہے، جبکہ وہ ایسی حالت میں ہیں کہ انہیں روٹی، کھانا یا دوا تک میسر نہیں۔ غذا و دوا تو چھوڑیے، ان کے پاس تو شہداء کے لیے کفن اور تدفین کے لیے کوئی جگہ بھی مختص نہیں، قبرستان شہداء سے پُر ہیں اور زمین ملبے، کھنڈرات اور بڑے بڑے گڑھوں سے بھری ہوئی ہے۔

غزہ میں یہ سب تباہی و بربادی امریکی ساختہ میزائلوں اور گولہ بارود کے ذریعے کی جا رہی ہے، جو بچ جانے والے انسانوں اور شجر و حجر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔

میری محبوب امت! میں غزہ کی جنگ کے روزمرہ مصائب و تکالیف اور مظالم کو مزید بیان نہیں کروں گا کیونکہ یہ سب آپ کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ جنگ سے غفلت و لاپرواہی، تاخیر کی وجہ سے ہونے والی تباہی اور پہلے سے جنگ کی شدت کے بقدر استعداد نہ ہونے کو سمجھ لینے اور دیکھ لینے کے بعد، جو کچھ میں نے بیان کیا وہ ایک یاد دہانی، ایک تمہید اور ہمارے نقطۂ نظر سے حل کے بارے میں بات کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں ”ہم“ سے میری مراد، رحمتِ دو عالم اور جنگوں والے نبی حضرت محمد ﷺ کی، پوری امتِ مسلمہ ہے۔

میرے اس بیان کا مقصد دکھوں کی تجدید یا آپ کے سامنے مصائب و آلام کا تذکرہ کرنا نہیں ہے، کیونکہ جو کچھ آپ ہر لمحہ دیکھ اور سن رہے ہیں اس کا ایک ایک منظر، ہر ہر فرد، ہر جماعت اور ہر گروہ کے لیے، چاہے وہ ہلکے ہیں یا بوجھل، ہماری مسجد الاقصیٰ اور بیت المقدس کے لیے، ہمارے مسلمان بھائیوں کے لیے جو مسلسل نسل کشی کی جنگ کا شکار ہیں اور اسلام کے باوقار قلعے، قربانیوں کی سرزمین غزہ کے لیے، نفیرِ عام کی یاد دہانی کے لیے کافی ہے۔

حالانکہ ہم تک پہنچنے والے صوتی و بصری دستاویزی مناظر (ویڈیوز)، سانحات کی وسعت، سنگینی اور سفاکی کی ایک جھلک ضرور دکھاتے ہیں مگر ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ وہاں سے منتقل ہو رہا ہے وہ وہاں کے سنگین زمینی حقائق کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے جبکہ مکمل حالات کیمرے کی پہنچ سے دور ہیں۔

لہٰذا، اگر ہم معاملات کو فوری طور پر درست نہیں کرتے، ایک امت، ایک مومن روح اور ایک جسم کی حیثیت سے اکٹھے ہو کر آگے نہیں بڑھتے تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ غزہ اور دوسری جگہوں پر جاری یہ ہولناک جنگ آئندہ مزید شدت اختیار کر جائے گی۔ چنانچہ ہمیں اپنے رب کی نصرت پر اور اپنے معبودِ برحق کے وعدوں پر کامل یقین رکھنا چاہیے، جو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور کوئی چیز اسے کبھی عاجز نہیں کر سکتی۔

جو فرماتا ہے:

> اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ○
> (سورۃ غافر: ۵۱)
>
> ”یقین رکھو کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہی، اور اس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔“

اور فرماتا ہے:

> وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ○اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ○وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ○(سورۃ الصافات: ۱۷۱-۱۷۳)

”اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں۔ کہ یقینی طور پر ان کی مدد کی جائے گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔“

اور اسی طرح کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

اے میری محبوب، زخمی اور بے بس امت! خدا کی قسم، تنظیم القاعدہ کی معزز قیادت نے آپ کو کتنا پکارا؟ اللہ انہیں قبول فرمائے۔ انہوں نے آپ کے سامنے کتنی تدابیر اور کتنے حل پیش کیے، آپ کو ایک کے بعد ایک نصیحت کی، جس بھنور میں ہم اُس وقت تھے اور جس گرداب میں آج ہم پھنس چکے ہیں اس سے نکلنے کا ایک کے بعد ایک راستہ تیار کر آپ کے سامنے رکھا۔ اب بھی اگر آپ چاہیں تو مشائخ جہاد کے اُن پیغامات کی طرف لوٹ کر ہم اِن مصائب سے نکلنے کی راہ تلاش کر سکتے ہیں۔ خصوصاً مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام، شیخ المجدد اسامہ بن لادن، حکیم الامت شیخ ایمن الظواہری اور جزیرۃ العرب اور دوسری جگہوں پر القاعدہ کے رہنماؤں کے پیغامات ورسائل کی طرف متوجہ ہونا ازبس ضروری ہے۔

جیسا کہ شیخ ایمن الظواہری نے فرمایا:

”امریکہ اپنے جرائم، جبر، ظلم اور جارحیت سے، اس بین الاقوامی قانونی جواز کے سامنے، کسی صورت پیچھے نہیں ہٹے گا جسے اس نے خود پیدا کیا ہے اور اس کی مالی امداد کی ہے (یعنی اقوام متحدہ اور نام نہاد عالمی انسانی حقوق کے ادارے)، نہ ہی ان کٹھ پتلی ایجنٹ حکمرانوں کے سامنے جنہیں اس نے خود نصب کر کے مستحکم کیا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کے سامنے جو اس کی طاقت اور درجہ بندی (Designation) سے خوف زدہ ہیں (یعنی دہشت گرد قرار دیے جانے سے ڈرتے ہیں)۔ اسے تو صرف اور صرف جہاد فی سبیل اللہ، ہتھیاروں، نیزوں، دلائل وبراہین، دعوت، تبلیغ، صدقہ وخیرات، توکل، زہد وتقویٰ، اسلام کے عقائد ونظریات اور احکام شریعت پر ثابت قدمی واستقامت کے ساتھ ہی شکست دی جائے گی۔ مجاہدین فی سبیل اللہ، باعمل علمائے کرام، مخلص داعیانِ دین اور توحید کے جھنڈے تلے متحد امتِ مسلمہ کے ہاتھوں ہی ان شاء اللہ امریکہ ہزیمت اٹھائے گا۔

پس اے ہماری محبوب امتِ مسلمہ! آیئے ہم ہر جگہ امریکہ سے لڑیں جس طرح وہ ہر جگہ ہم پر حملہ آور ہے، آیئے ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو جائیں، فرقوں میں نہ بٹیں، مجتمع ہوں، منتشر نہ ہوں، اور متفق ہوں، منقسم نہ ہوں۔“

ان قائدینِ جہاد نے امت کی خاطر اپنی عمریں خرچ کر ڈالیں تاکہ ہمیں اس ذلت ورسوائی سے بچایا جاسکے جس تک آج ہم بدقسمتی سے پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ یہ حضرات تقریباً تیس سالوں سے امریکہ کو کفر کا سرغنہ اور برائیوں کا منبع قرار دے رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ امریکہ، دنیا کی ان تمام مصیبتوں کا سبب ہے جو خاص طور پر امتِ مسلمہ پر آپڑی ہیں یا پڑیں گی۔ انہوں نے اپنے اکثر بیانات وتقاریر میں امریکہ کو اس امت کا فرعون، صلیب کا علمبردار اور انبیاء ورسل کے قاتل یہودیوں کا محافظ قرار دیا ہے اور انہوں نے اسے ہمارے زمانے کا سب سے بڑا بت 'ھُبَل' قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس! کہ صرف چند ہی لوگوں نے اس بات کو سمجھا، والحمد للہ علی کل حال۔

اے امت مسلمہ! یہ وقت ملامت، گلے شکوے، لعن طعن، سستی اور تاخیر کرنے والوں کی سرزنش اور امت کے علمبرداروں اور قافلۂ جہاد کے قائدین کی پکار پر لبیک کہنے میں ناکامی پر افسوس کرنے کا نہیں ہے جنہوں نے اس لیے اپنی دنیا قربان کر دی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تاکہ ان کی امت باوقار، باعزت اور فاتح بن کر زندگی بسر کر سکے۔

آج عمل کا دن ہے، آیئے ہم بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے آگے بڑھیں اور جو کچھ ہو چکا، اس کی تلافی کریں، لہٰذا براہ کرم ہماری بات غور سے سنیں، ممکن ہے کہ جس مصیبت میں ہم ہیں اس سے نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔

میری محبوب امت! آج فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ردِ عمل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ یہ ان کفار کی دینِ اسلام سے دشمنی اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے ان کے کفر کی توسیع ہے۔ ان کے اس یقین کے باوجود کہ حضرت محمد ﷺ وہی نبی ہیں جن کا اسم گرامی، حلیہ مبارک اور عمدہ صفات ان کی کتاب تورات میں بیان کی گئی ہیں اور یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، جن کے ظہور کی خوش خبری ان یہودیوں کے علماء سنایا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ ان میں سے نہ ہوئے (اور بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں مبعوث ہوئے) تو انہوں نے آپؐ سے کفر کیا، آپؐ سے دشمنی کی، آپؐ کو شہید کرنے اور آپؐ کے ساتھ غداری کرنے کی کوشش کی، پھر آپؐ سے جنگ کی اور لوگوں کو آپؐ سے لڑنے کے لیے راضی کیا اور آپؐ کے خلاف اور ہر اس شخص کے خلاف جو آپؐ پر ایمان لایا، جنگ لڑنے کے لیے جماعتیں بنائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل وخوار کیا اور انہیں شکست دے کر واپس پلٹا دیا اور جب ان کے قبیلہ بنو نضیر نے عہد ومیثاق کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم اور اس کے عادلانہ فیصلے کے مطابق انہیں جلاوطن کر دیا۔ قرآن مجید نے ہمیں ان کی خیانت، کفر اور امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) سے نفرت کے بارے میں بتایا ہے۔ اور ان کے عیسائی بھائیوں کا بھی یہی حال ہے، اللہ ان سب کو رسوا کرے۔

چنانچہ امتِ مسلمہ سے یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور بت پرستوں کی دشمنی ایک ایسے دین اور عقیدے سے جنم لیتی ہے جس کی جڑیں ان کے دلوں میں پیوست ہیں جسے آپ دور نہیں کر سکتے، سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ کی رحمت نے ڈھانپ لیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے قیامت تک بنی آدم سے شیطان کی دشمنی، عداوت اور سازشوں کو دور نہیں کیا جاسکتا، پس ان سب کفار کی مثال ابلیس کی طرح ہیں جس کے نفس نے اسے گمراہ کیا، جس کے تکبر نے اسے دھوکے میں ڈالا اور جس کے حسد نے اسے اندھا کر دیا۔ آپ ایک لمحے کے لئے بھی شیطان کو دوست نہیں سمجھ سکتے، نہ اس کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لا سکتے ہیں اور نہ ہی باہمی احترام کی بنیاد پر اس کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ شیطان کے دھوکے میں آگئے، اس کے ہاتھوں گمراہ ہو گئے اور اس نے اپنے ساتھ آپ کو بھی ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں گھسیٹ لیا۔

پس ان کفار کے ساتھ جنگ کے سوا کچھ بھی جائز نہیں، یعنی جنگ، پھر جنگ اور پھر جنگ، یہاں تک کہ قیامت آجائے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں ہمارے رب نے ان کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کو بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کفار کے بارے میں فرماتا ہے:

> وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۷)
>
> ”اور یہ کافر ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخی ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

لہٰذا اے ملتِ اسلامیہ! غزہ اور فلسطین کے حوالے سے بالخصوص اور خطے (مشرقِ وسطیٰ) میں ہمارے حالات کے حوالے سے بالعموم مؤثر ترین حل کو یہاں بیان کیا جاتا ہے:

۱. جہاں تک خطے (مشرقِ وسطیٰ) کے مسلمان عوام کا تعلق ہے تو ان کا ادنیٰ ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ غزہ میں جاری مظالم کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کریں اور مرکزی شاہراہوں کو مستقل قیام اور رہائش کے ذریعے بند کر دیں، یعنی ملک کے لیڈروں اور اعلیٰ ریاستی حکام کی رہائش گاہوں کو جانے والی اہم شاہراہوں اور ریاست کی وزارتوں، ہوائی اڈوں، سمندری و زمینی بندر گاہوں کی طرف جانے والی اہم سڑکوں کو بند کر دیں۔ اس طرح کے اقدامات فوری طور پر تمام مسلم ممالک میں عموماً جبکہ مصر اور اردن میں خصوصاً شروع کیے جائیں۔

۲. خطے کے تمام ممالک اور بالخصوص حرمین شریفین کی سرزمین، جسے آج کل سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، عراق اور کویت کہا جاتا ہے، میں موجود تیل اور معدنیات کی وزارتوں اور ان کی برآمدات کے شعبے میں کام کرنے والے ہر مسلمان یا بینکوں، کمپنیوں، مالیاتی اداروں اور دیگر وزارتوں یا سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے ہر مسلمان کو اجتماعی طور پر ہڑتال کرنی چاہیے اور اللہ کی توفیق سے بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے، اجتماعی و انفرادی طور پر، سوشل میڈیا اور دیگر ممکنہ اعلامی ذرائع سے اس عمل کی تحریض و تشہیر کی جائے۔

۳. خلیجی ریاستوں، عراق اور شام کے قبائل اور قبائلی عمائدین کو، ہر قسم کے ہتھیار حاصل کرنے کے لیے اور آنے والے ناگزیر دنوں کی تیاری کے لیے وسائل و اسباب مہیا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔ انہیں آپس میں اتحاد، یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے اور ان قبائل کے فرزندوں اور نوجوانوں کو نفیرِ عام کی تیاری کے لیے وسائل کے حصول کو بڑھانا چاہیے تاکہ جب بھی فلسطین یا دشمن کے حملے کا سامنا کرنے والے کسی بھی ملک میں اپنے بے بس مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے پکارا جائے تو وہ پہلے سے تیار ہوں۔

۴. علماء، مبلغین، داعیانِ دین اور قبائلی عمائدین کو چاہیے کہ وہ امت بالخصوص اس کے نوجوانوں کو متحرک کریں، ان کے عزم و ہمت کو بڑھائیں اور انہیں اعداد و جہاد کے میدانوں کی طرف راغب کریں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۵. امت کے تاجروں کو بالخصوص اور ہر مقتدر و مال دار مسلمان کو بالعموم، جس قدر بھی ہو سکے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، بغیر کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے، اعداد و جہاد کے میدانوں میں اپنا مالی حصہ ضرور ڈالنا چاہیے۔

۶. امت کے نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور سچے مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو جائیں، خصوصاً تنظیم القاعدہ کے اپنے ان بھائیوں کے ساتھ جنہوں نے دہائیوں قبل امریکی صلیبیوں کے خلاف مقدس جہاد کا اعلان کیا تھا اور ان کے قائدین اور مشائخ نے اپنی اس مبارک دعوت کو اپنے پاکیزہ خون اور مقدس لہو سے سیراب کیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی ان سے جاملیں، جہاد کی تیاری کریں، تربیت حاصل کریں اور خود کو ذہنی و جسمانی اور معاشرتی طور پر تیار کریں، اسلحے کے استعمال اور قتال کے طریقوں میں مہارت حاصل کریں، راہِ خدا میں نکلنے اور پیش قدمی کرنے کی خاطر ہر دم تیار رہیں، تاکہ اپنی امت کو ظلم و جبر اور بے بسی و پستی کے طویل دورانیے سے نکال پائیں اور اس کے مقدسات کو کفار و سرکش حکمرانوں سے بازیاب کرا سکیں۔ البتہ ان صفوں میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے سے مجاہدین کے ساتھ رابطہ کر کے ہجرت کا

انتظام کریں اور مجاہدین کے اس محاذ سے اجازت حاصل کریں جو مقاتلین کے استقبال و سہولت کاری کا ذمہ دار ہے۔

۷. جزیرۃ العرب کے تمام نوجوانوں، اس کے معزز اور قابلِ فخر قبائل کو بالعموم اور یمن کے قبائل اور اس کے نوجوانوں کو بالخصوص، یمن کی مسلم سرزمین پر اترنے والے امریکیوں اور ان کی صف میں شامل ہونے والے ہر شخص سے لڑنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور ہم یمنی مسلمانوں سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان و حکمت کی سرزمین یمن میں 'انصار الشریعہ' کے اپنے مجاہد بھائیوں کی حمایت کریں، زمین کو کفار اور ان کے ایجنٹوں کی غلاظت سے پاک کرنے کے لیے آدمیوں، سازوسامان، مالی امداد اور مؤثر شرکت کے ذریعے ان کے مددگار بنیں اور زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں۔

۸. ہر وہ شخص جو مرتد حکمرانوں کے قتل کی سنت کو زندہ کر سکتا ہے اور وہ مصر، اردن اور پورے جزیرۃ العرب کے حکمرانوں کے قریب ہے اسے چاہیے کہ انہیں قتل کرنے میں ایک لمحے کے لیے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے، کیونکہ واللہ! یہ اس وقت کا سب سے بڑا جہاد ہے۔ مسلم ممالک خصوصاً جزیرۃ العرب کے حکمران، مسلمانوں اور عربوں کی شکل میں یہودی ہیں جو پیسے، رسد اور لاجسٹک سپورٹ کے ساتھ غزہ کی جنگ میں صہیونیوں کو ہر ممکن مدد فراہم کر رہے ہیں۔ جو کچھ یہ حکمران اور ان کے کاسہ لیس منافق حامی، ٹی وی اسکرینوں پر کہتے ہیں اور فاسد میڈیا چینلوں کے ذریعے پھیلاتے ہیں، اس سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو غزہ کا محاصرہ نہ کیا جاتا، ہزاروں لوگ شہید نہ ہوتے اور لاکھوں بے گھر نہ ہوتے۔

تو جو کوئی ان کی افواج میں ہے اور اس کے دل میں ایمان ہے اور وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے، اس لیے کہ اس نے اپنے فلسطینی بھائیوں کا ساتھ نہیں دیا، تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ حرکت میں آئے اور ان ذلیل غلام افواج کے اندر کچھ کرے، جو یہودیوں اور مرتد حکمرانوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔ خاص طور پر پائلٹوں پر فرض ہے کہ وہ یہودیوں پر حملہ کریں، علاقے میں پھیلے ہوئے امریکی اڈوں کو نشانہ بنائیں، اور سمندر میں موجود طیارہ بردار بحری جہازوں پر وار کریں۔ اور اگر اتنا بھی نہ کر سکیں، تو کم از کم ان غدار ایجنٹ عرب حکمرانوں کے محلات کو نشانہ بنائیں، کیونکہ نجاست کے حکم میں کتے کی دُم اور اُس کا سر، برابر ہیں۔

۹. عراق اور شام میں ہمارے غیرت مند، دلیر اور نڈر اہل سنت مجاہدین بھائیوں کو چاہیے کہ وہ اس فریضے کو ادا کریں جو اپنے فلسطینی بھائیوں کے تئیں ان پر عائد ہوتا ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اپنے فلسطینی بھائیوں کو، باطل، مردود اور غیر شرعی دلائل اور حیلے بہانوں سے مایوس نہ کریں، کیونکہ آپ کے آس پاس کے مسلمان ہر لمحہ قتل و غارت، خون، بیماری، بھوک اور پیاس میں جی رہے ہیں۔ وإلى الله المشتكى ولا حول ولا قوة إلا بالله۔

مزید برآں، ہم یہاں سے ایک بنیادی عملی پیغام ان تمام مسلمانوں کو دیتے ہیں جو امریکہ کی کافر، مجرم اور متکبر سرزمین پر رہائش پذیر ہیں، خواہ وہ عربی ہوں، امریکی ہوں یا کسی اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں، شرط صرف یہ ہے کہ ان کا دین اسلام ہو اور ان کے نبی حضرت محمد ﷺ ہوں، جن کی تعداد صرف امریکہ میں پینتالیس لاکھ ہے۔ اُن سب سے ہم کہتے ہیں:

انتقام! انتقام! میرے بھائیو! بدلہ لو! امریکی کافروں کو قتل کرنے کے لیے کسی سے مشورہ مت کرو۔ آپ کا حوصلہ بلند ہونا چاہیے اور آپ کے مقرر کردہ اہداف کی فہرست مؤثر ہونی چاہیے، کیونکہ دنیا کے سب سے سخت اور سب سے بڑے مجرم آپ کے سامنے ہیں۔ یہ 'ٹرمپ' اور اس کا نائب 'وینس' ہے، یہ 'ٹرمپ' کا مشیر اور مالی، انتظامی اور تکنیکی معاون 'ایلون مسک' ہے، یہ اس کے وزرائے خارجہ و دفاع اور ان سب کے خاندان ہیں اور ہر وہ شخص جو وائٹ ہاؤس کے سیاست دانوں یا رشتہ داروں سے تعلق رکھتا ہے۔

غزہ میں ہمارے لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس کے بعد کوئی سرخ لکیریں نہیں رہتیں، یہ ایک نسل کشی کی جنگ ہے جس میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا منظم، سوچا سمجھا، دیدہ و دانستہ قتل عام کیا گیا ہے۔ پس 'معاملہ بامثل' بالکل جائز ہے، خاص طور پر جب وہ فلسطین، شام، صومالیہ اور یمن میں ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلسل قتل کر رہے ہیں۔ پس جب وہ رک جائیں گے تو ہم بھی رک جائیں گے!

اور آپ کے سامنے حقیقی صہیونیوں کا ایوان یعنی امریکی کانگریس اور سینیٹ ہے، جو برائی کا اڈہ اور بغض و بددیانتی کا گڑھ ہے۔ اور آپ کے سامنے وہ ادارے ہیں جو یہودیوں اور امریکی حکومت کی مدد کرتے ہیں، جیسا کہ مائیکروسافٹ اور ہر وہ کمپنی جو امریکہ کی زمینی، فضائی، یا بحری افواج کے لیے گولہ بارود تیار کرتی ہے یا انہیں کسی بھی قسم کی امداد دیتی ہے، اور آپ کے سامنے 'ایلان مسک' کے ادارے ہیں، جو ایک جائز ہدف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان جیسا ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیتا ہے۔

ایک پیغام سائبر ہیکنگ کے شہسوار، مسلمان ہیکرز کے نام اور روئے زمین پر ہر اس آزاد شخص کے نام ہے جو قتل و غارت گری اور جرائم کو مسترد کرتا ہے: آپ کے سامنے امریکہ اور خلیجی ریاستوں کی معیشت ہے جو یہودیوں اور امریکیوں کی حمایت اور مالی معاونت کرتی ہیں۔ اپنے ہاتھوں کو ان کے خلاف کام کرنے سے نہ روکیں، اور مایوس نہ ہوں کیونکہ ہم میں سے ہر ایک وہی کچھ کرتا ہے جو وہ کرنا جانتا ہے اور اسے اچھی طرح سے کرتا ہے۔ اللہ آپ کو برکت دے، آپ کے ہاتھوں کو سلامت رکھے اور امت کے جان و مال اور مسلمانوں کی عزت و عصمت کی حفاظت کی خاطر اللہ تعالیٰ آپ کی ذہانت، چالاکی اور غیرت میں برکت عطا فرمائے۔

یہ ایک متنوع اور کثیر الجہتی جنگ ہے جسے امت کی طاقت و توانائیوں کی ضرورت ہے، لہٰذا دنیا بھر میں اپنے دین اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و نصرت کریں، آج امتِ مسلمہ کے خلاف جنگ واضح طور پر ایک صیہونی- صلیبی جنگ ہے جس نے اپنے نوک دار دانت کھولے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہمیں پورے عزم اور ہمت سے کام لینا چاہیے، آیئے ہم سب اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ فتح صرف ایک ساعت صبر کی دوری پر ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

ہائے افسوس! اے امریکہ میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو! امریکی کافر اسنائپر 'تھامس کروکس' جب ظالم ٹرمپ کو اپنی اسنائپر بندوق سے مارنا چاہتا تھا تو قربانی دینے اور مرنے کے لیے آپ سے زیادہ ہمت نہیں رکھتا تھا۔ نہ وہ عیسائی الیاس روڈریگز آپ سے زیادہ جرأت مند تھا جس نے حال ہی میں واشنگٹن میں صہیونی سفارت خانے کے دو ملازمین کو قتل کر دیا ہے اور نہ ہی وہ امریکی فوجی 'بوش نِل' آپ سے زیادہ باہمت تھا جس نے مسلمانوں کے قتل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے امریکہ میں یہودی سفارت خانے کے سامنے خود کو آگ لگالی تھی۔ تو ایسی قربانیوں کے سلسلے میں آپ کہاں ہیں؟ واللہ المستعان۔

موت نے اُن لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو نہ جنت پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی اللہ سے ملاقات کا یقین رکھتے تھے۔ تو تمہارا کیا حال ہے جو اللہ کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہو؟ اگر آپ اپنے رب کے لیے اپنے ارادے میں پختہ اور نیت میں مخلص ہیں تو اللہ کی قسم! شہادت کی موت کیسی بہترین موت ہے اور آپ کی طرف سے اپنے مظلوم بھائیوں کی کتنی اچھی مدد ہے اور یہ کتنا اچھا جہاد ہے اگر آپ اس کی اچھی طرح منصوبہ بندی کریں۔ پس اپنی روح کو جنت کی خوشبودار ہواؤں میں جانے دیں۔ تو آیئے ہم آپ کی طاقت اور امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) سے آپ کی وابستگی کا نظارہ کریں۔

میرا مشورہ ہے کہ آپ انگریزی زبان میں شائع کردہ میگزین 'انسپائر' (Inspire) کے شماروں اور اس کے 'رہنما کتابچے' (Inspire Guide) کا مطالعہ کریں، کیونکہ اس میں بہت سے رہنما اصول ہیں جو ہر اُس آزاد شخص کو فائدہ پہنچائیں گے جو اپنے دین کے لیے غیرت و حمیت رکھتا ہے۔

ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ امریکہ میں یہودیوں کی تعداد کم نہیں ہے، وہ تقریباً ساٹھ لاکھ ہیں، جو فلسطین میں رہنے والے قابض یہودیوں کی تعداد کے تقریباً برابر ہیں۔ درحقیقت مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں رہنے والے قابض یہودیوں میں سے ایک تہائی امریکی شہریت کے حامل ہیں۔

اور اے یورپ میں رہنے والے ہمارے بھائیو! آپ کی تعداد تقریباً ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ یورپ میں یہودیوں کے امن و سکون اور آرام برباد کر دیں جس طرح انہوں نے ہمارے فلسطینی بھائیوں کے لیے کوئی گھر اور پناہ گاہ پُرامن نہیں چھوڑی، جہاں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر بھی پر بمباری کی جا رہی ہے حتی کہ یہودیوں نے بیماروں اور زخمیوں سے بھرے ہسپتالوں کو بھی نہیں بخشا۔ لہٰذا یورپ میں رہنے والے میرے بھائیو! یہ انتقام اور بدلہ لینے کا وقت ہے، ہر شخص کے لیے جو اپنے کام کو بہتر جانتا ہے اور اس میں ماہر ہے۔ اللہ آپ کو فتح یاب فرمائے، اللہ آپ کی مدد کرے، اللہ آپ کی رہنمائی کرے اور اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔

جہاں تک بات ہے وائٹ ہاؤس کے سیاست دانوں کی جن سے ہم نے ساری عمر ظلم، جبر، قتل و غارت، تباہی، اقوام عالم کی نسل کشی اور نسلی و وجودی تطہیر کی جنگوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور نہ ہی سنا ہے۔ جہاں بھی وہ اپنے مفادات دیکھتے ہیں، وہ جنگی مشین کے ساتھ اپنے سامنے موجود ہر رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے کام کرتے ہیں، خواہ وہ اس سرزمین کے تمام اصل مالکوں اور سب مقامی باشندوں کی جانیں لے کر ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے اگر انہیں لاکھوں جانیں لینی پڑیں تب بھی انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، جب تک دوسرا فریق کمزور ہے، یہ لوگ اس کی کسی بھی انسانی قدر یا حساسیت کو خاطر میں لائے بغیر پوری خود غرضی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مفادات حاصل کر لیتے ہیں، چاہے اس کے لیے تمام ممالک کو بچوں، عورتوں اور ان میں موجود ہر مخلوق سمیت فنا کر دیا جائے۔ انہیں اس میں کوئی عار نظر نہیں آتی، کیونکہ یہ معاملہ پوری سرد مہری کے ساتھ ان کی خونی لغت میں بہت سادہ ہے۔ یہی امریکی ذہنیت ہے، جب تک کہ مقصد امریکہ کے مفادات کا حصول ہو یا امریکہ کی اکاون ویں ریاست 'اسرائیل' کا قیام ہو، جسے وہ عرب اسلامی سرزمین پر قائم کرنا چاہتے ہیں جسے وہ ان شاء اللہ کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اور متکبر، ذلیل یہودی ٹرمپ کے لیے میرا پیغام ہے: تمہارے پیشرو بائیڈن نے صہیونی وجود (اسرائیل) کی ہر طرح کی عسکری، مالی اور سیاسی امداد جاری رکھی اس کے باوجود تم نے اس مردود، بڈھے، لعین بائیڈن کو طعنہ دیا اور اسے فلسطینی کہا۔ اے مغرور و متکبر ٹرمپ! اپنے بوڑھے پیشرو کو اس وصف کے ساتھ بیان کر کے، تم نے خود کو ثابت کر دیا کہ تم اس وقت، اثرات و نتائج کا حساب لگائے بغیر، صہیونیت کا دفاع کرنے والے شدید اور پُرجوش صہیونی یہودی ہو۔ اور یہ وہی ہے جو تم نے اپنے اقتدار کے پہلے دن سے ہی ثابت کیا ہے۔ پس ہلاکت ہو تم پر اور بربادی ہو امریکہ اور اس کی پوری تاریخ میں گزرے مجرم، قاتل امریکی سیاست دانوں پر، کیونکہ تم ایسے ہی ہو اور ہم نے اور آزاد دنیا نے تمہیں ایسا ہی پایا ہے۔

جہاں تک یہودیوں اور ان کے حوالے سے امریکی سیاست دانوں کے موقف کا تعلق ہے تو یہ ہمیشہ ان کے شانہ بشانہ اور کندھے سے کندھا ملا کر ان کی حمایت اور معاونت کا موقف رہا ہے، ماضی اور حال کے جن امریکی حکمرانوں کو ہم جانتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس

نے یہودیوں کی مخالفت کی ہو، سوائے ان کے ایک صدر کے۔ تقریباً دو سو سال قبل آنے والا یہ صدر تھامس جیفرسن تھا۔

امریکی حکمرانوں میں سے شاید یہ واحد شخص ہے جس نے یہودیوں کے بدنیتی پر مبنی شیطانی پودے کو سمجھا اور اپنے عوام کو خبردار کرنے اور انہیں ایک مخلصانہ مشورہ دینے کی کوشش کی۔ پھر وقت نے اس کی بات کو سچ ثابت کر دیا جس سے اس نے انہیں خبردار کیا تھا۔ اس نے اپنے عوام سے کہا تھا:

”اس وقت اگر تم یہودیوں کو اپنے ملک سے نہ نکالو گے تو وہ تمہیں غلام بنا لیں گے اور تم اپنی ہی سرزمین میں ان کے غلام بن جاؤ گے۔“

خدا کی قسم! وہ اپنی بات میں درست تھا۔ پس جو کوئی بھی اس کے بعد آنے والے امریکی حکمرانوں کی تاریخ پر نظر ڈالے گا، حتی کہ آج کے اس متکبر، ظالم امریکی صدر ٹرمپ تک، وہ اس سچائی سے بے خبر نہیں ہو گا جو ان حکمرانوں کی خاصیت تھی۔ یہ سب کے سب یہودیوں کے تابعدار غلام بن گئے اور عالمی صلیبی-صہیونیت کے آقاؤں کے مطیع و فرماں بردار بن کر، بلا استثناء، ان کی ہر خواہش پوری کرتے رہے۔

اے امریکیو! اگر تم نے اپنے دوست جیفرسن کی باتوں پر عمل کیا ہوتا اور اس کی نصیحت کو قبول کیا ہوتا تو تم اپنے ملک کے آسمان پر گیارہ ستمبر کا 'سیاہ منگل کا دن' نہ دیکھتے، جس کی وجہ سے اور جس کے نتائج و اثرات سے تم پر یکے بعد دیگرے ایسے حالات آئے کہ تم معاشی دیوالیہ پن اور قوموں کے درمیان زبردست زوال کے دہانے پر پہنچ گئے، اور آج تم وہی غلطی دہرا رہے ہو، لیکن اس سے بھی زیادہ سنگین، گھناؤنے اور خوفناک انداز میں۔ او خدایا! کیا تم سمجھتے نہیں اور ہر بار وہی غلطی دہراتے ہو؟ پوری بے شرمی، بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ تم اپنے آپ کو یہ حق دیتے ہو کہ ہماری زمینوں اور ہمارے مقدس مقامات کی خرید و فروخت کرو، وہاں کے اصلی مقامی باشندوں کو بے گھر کرو اور پھر اپنی مرضی کے لوگوں کو وہاں لا کر آباد کرو، گویا ہم، تمہارے سامنے گوشت پوست اور خون سے بنے انسان نہیں ہیں، ہمارے پاس شعور، جذبات، غیرت و جلال اور وقار نہیں ہے۔

مگر ہاں! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ تمہاری طرف سے آیا ہے، کیونکہ تمہاری تاریخ اور طرزِ عمل سب کو معلوم ہے، اور تمہارے آباؤ اجداد کے زمانے سے سرخ ہندیوں (ریڈ انڈینز) کے ساتھ تمہارا معاملہ یہی چلا آ رہا ہے، جو اُس سرزمین (امریکہ) کے اصل باشندے ہیں جس پر تمہارا ناحق، جارحانہ اور غاصبانہ قبضہ ہے، جسے ہر کوئی جانتا ہے۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ اے امریکیو! کچھ ایسا ہے کہ جو تم نے کھو دیا ہے۔ اور یہ وہ 'فرق' ہے جو ہم مسلمانوں میں اور دوسروں میں ہے۔ سنو! ہم اہلِ اسلام ہیں، ایمان، قربانی، بہادری اور جرأت کے امین ہیں۔ خدا کی قسم! ہمارے مجاہد سپاہی اللہ کی راہ میں موت و شہادت کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح تم شراب کو پسند کرتے ہو۔ لہٰذا جو شخص اللہ کے ساتھ ہے، اس کے حقوق کا پابند ہے، اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے بچتا ہے، خدا کے اس وعدے پر یقین رکھتا ہے کہ، اے کافرو، فاجرو! اگر وہ تم سے لڑے گا تو رب العالمین اسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ بلند ترین جنتوں میں بسائے گا، وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو اپنی معشوقہ کا انتظار کرتا ہے، اس سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک اس سے دور نہیں رہے گا، اور پھر ہم سے لڑنے آ جاتا ہے، پس یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ تم ہمیں افغانستان، عراق اور صومالیہ میں آزما چکے ہو، تو تم نے ہمیں کیسا پایا؟

تم نے میڈیا کی پروپیگنڈا جنگ کے ذریعے ہمارے عادلانہ موقف اور حق بات کو دہائیوں تک چھپائے رکھا، ہم امید کرتے ہیں کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے امریکیوں کے نام پیغام کا دو دہائیوں بعد امریکہ میں دوبارہ پھیلنا، اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ نئی امریکی نسل اسے پڑھے، اس سے سبق حاصل کرے اور ہمارے مبنی بر انصاف قضیے کو پہچانے۔

اے اللہ! اے حاجتوں کے پورا کرنے والے، اے دعاؤں کے قبول کرنے والے، اے مصیبتوں کو دور کرنے والے، ہمیں اور غزہ کے ہمارے مظلوم مسلمان بھائیوں کو اور زمین کے ہر گوشے میں رہنے والے مسلمانوں کو ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ اور ہر پریشانی سے نجات عطا فرما، اے اللہ! تو ہمارا اور ان کا نگہبان اور حامی و ناصر ہو جا، آمین، یا رب العالمین۔

اے اللہ! امریکہ، اس کے اتحادیوں اور یہودیوں، ان کے حامیوں اور مددگاروں سے اپنی شان کے مطابق معاملہ فرما۔ اے اللہ! انہیں شمار کر اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کر دے اور ان کو برباد فرما اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بقیہ: مع الاستاذ فاروق

اب یاد نہیں کہ ہم نے وہ کھایا یا نہیں، گرمی تھی، اور کسی نہ کسی طرح ہم نے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو ریحان بھائی نے مجھے اسی ہوٹل پر چھوڑا اور فاروق بھائی کو لے کر کسی اور طرف روانہ ہو گئے۔

ریحان بھائی کا کافی ذکر ابھی باقی ہے۔ فی الحال محفلِ استاذ یہیں روکتا ہوں، اللہ سے توفیق کا سوال ہے کہ وہ اس سلسلے کو جاری رکھنے اور خیر سے اختتام تک پہنچانے والا بنائے، آمین۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.

وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان

(اردن)

نعمان حجازی

یہ ایک ایسی داستان ہے جو دھوکے، مفاد پرستی، مصلحت پسندی اور قبلۂ اوّل اور فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ مسلسل خیانت سے بھری پڑی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک مسلم ممالک کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات، چاہے خفیہ ہوں یہ اعلانیہ، اکثر مسئلۂ فلسطین کو اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھاتے رہے ہیں، اور ان ممالک کے نام نہاد مسلمان حکمران ہمیشہ قبلۂ اوّل اور مسئلہ فلسطین کے ساتھ خیانت کے مرتکب رہے ہیں۔ یہ خیانتیں ۷ اکتوبر کے طوفان الاقصیٰ کے بعد سے شروع نہیں ہوتیں بلکہ ان کا آغاز تو اسرائیل کے قیام سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن غزہ میں جاری حالیہ جنگ نے نہ صرف اس خیانت کا پردہ چاک کر دیا ہے بلکہ اسے ایک ناقابلِ تردید حقیقت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ جہاں ماضی میں مسلم ممالک اپنے سفارتی تعلقات اور خفیہ معاہدوں کو پردۂ راز میں ہی رہنے دیتے تھے وہاں ابراہیمی معاہدوں کے بعد سے ایک کر کے سب کی اصلیت بے نقاب ہوتی جا رہی ہے۔ اس جنگ میں اسرائیل کی طرف بھیجے جانے والے ڈرونز اور میزائلوں کو اردن کی طرف سے نشانہ بنایا جانا ہو، مصر کی جانب سے قافلہ الصمود میں شامل لوگوں کو زدو کوب کر کے ملک بدر کرنا ہو، ترکی کا دبئی میں یہودی ربی پر حملہ کرنے والے نوجوانوں کو گرفتار کر کے متحدہ عرب امارات کے حوالے کرنا اور متحدہ عرب امارات کا انہیں پھانسی دینا ہو یا فلسطینی بچوں کی قاتل گولانی بریگیڈ کا مراکش جا کر چھٹیاں منانا اور وہاں حکومتی مراعات سے فائدہ اٹھانا ہو، ان سب چیزوں نے مسلم ممالک کے حکمرانوں کے مکروہ چہرے بہت واضح کر دیے ہیں۔

اس تحریر میں مسلم ممالک کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلم ممالک کی فلسطین اور مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ خیانت اچانک ٹرمپ کے آجانے کے بعد ابراہیمی معاہدوں کے ذریعے سے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ عشروں سے جاری تھی۔

اردن

اسرائیل کے ساتھ اردن کے تعلقات باقی تمام ممالک سے پرانے اور فلسطین کے مسئلے میں اس کا کردار سب سے زیادہ منافقانہ اور مکارانہ رہا ہے۔ فلسطین سے اردن کے شاہوں کی خیانت کی تاریخ تو ریاستِ اسرائیل سے بھی بہت پرانی ہے۔

شریفِ مکہ شاہ حسین بن علی کی خلافتِ عثمانیہ سے غداری

اردن کے شاہوں کی فلسطین سے خیانت کا آغاز شریف مکہ حسین بن علی کی خلافتِ عثمانیہ سے غداری سے ہوتا ہے۔ حسین بن علی اردن کے پہلے بادشاہ شاہ عبد اللہ اوّل کا باپ تھا جس نے عثمانی خلافت کے خلاف برطانیہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا اور بدلے میں مطالبہ یہ رکھا کہ اس کے تحت ایک بڑی عرب سلطنت دے دی جائے جس میں جزیرہ نما عرب، مکمل شام (بشمول موجودہ شام، لبنان، اردن اور فلسطین) اور عراق شامل ہوں۔

اس مقصد کی خاطر ۱۹۱۵ء میں شریفِ مکہ حسین بن علی نے مصر میں برطانیہ کے ہائی کمشنر ہنری مک ماہن (Sir Henry McMahon) کو خطوط لکھے۔ جن میں سے ایک خط میں، جو ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو لکھا گیا لکھا، اس نے عثمانی خلافت سے بغاوت اور برطانیہ سے اپنی وفاداری کے بدلے مندرجہ بالا مطالبات پیش کیے۔

اس خط کے جواب میں مک ماہن نے مبہم انداز سے اس کی حمایت پر رضامندی ظاہر کی۔ مبہم انداز میں اس لیے کہ اس نے عربوں کی عثمانی خلافت سے آزادی کی حمایت کا تو واضح اظہار کیا لیکن فلسطین شام اور لبنان کے حوالے سے کوئی واضح وعدہ نہیں کیا بلکہ ان باتوں کو تقریباً گول کر گیا۔ دونوں کے درمیان کئی خطوط کا تبادلہ ہوا لیکن مک ماہن نے کبھی بھی عرب ریاست کی سرحدات کے حوالے سے واضح جواب نہیں دیا۔

عثمانی خلافت سے آزاد پورے عرب کا واحد بادشاہ بننے کی ہوس میں شریفِ مکہ نے برطانیہ سے ابہام دور کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا اور جون ۱۹۱۶ء میں عثمانی خلافت کے خلاف عرب بغاوت کا آغاز کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنے اقتدار کی ہوس میں برطانیہ کا ساتھ دیتے ہوئے خلافتِ عثمانیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا جس کے نتیجے میں فلسطین برطانویوں کے ہاتھ اور پھر ان کے ذریعے یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ کیونکہ برطانیہ نے پوری مکاری کے ساتھ شریفِ مکہ کو استعمال کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈکلیریشن کے ذریعے یہودیوں سے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کا وعدہ کر لیا تھا۔

برطانیہ نے شریفِ مکہ کے ساتھ بے وفائی کی اور اس کا متحدہ عرب ریاست کا تنہا بادشاہ بننے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ لیکن شریفِ مکہ کی خدمات کے بدلے میں برطانیہ نے پہلے اسے پھر اس کے بیٹے علی بن حسین کو حجاز کا بادشاہ بنایا، یہ بادشاہت اس خاندان کے پاس ۱۹۲۵ء تک رہی جس کے بعد برطانیہ کو آلِ سعود کی شکل میں ان سے بہتر وفادار مل گئے تو یہ اقتدار ان سے

چھین کر آلِ سعود کے حوالے کر دیا گیا۔ حسین بن علی کے دوسرے بیٹے فیصل بن حسین کو عراق کا بادشاہ جبکہ تیسرے بیٹے عبد اللہ اوّل کو اردن کا بادشاہ بنادیا گیا۔ اور تب سے لے کر آج تک اردن کی بادشاہت اسی خائن خاندان کے ورثے میں چلی آ رہی ہے۔

عبد اللہ اوّل

شریفِ مکہ حسین بن علی کے دوسرے بیٹے عبد اللہ اوّل نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف عرب بغاوت شروع کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ بلکہ اپنے باپ کو کو خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت پر آمادہ ہی عبد اللہ اوّل نے کیا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں عبد اللہ اوّل نے قاہرہ کا خفیہ دورہ کیا تاکہ برطانیہ کے وزیرِ جنگ لارڈ کچنر (Lord Kitchener) سے ملاقات کر کے عرب بغاوت کے لیے تعاون حاصل کر سکے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران بھی عبد اللہ نے برطانویوں سے روابط قائم رکھے اور ۱۹۱۵ء میں حسین بن علی نے عبد اللہ اوّل ہی کے کہنے پر مصر میں برطانوی ہائی کمشنر ہنری مک ماہن سے رابطہ کیا جس کا احوال پیچھے گزر چکا ہے۔ بغاوت کے دوران عبد اللہ اوّل نے مشرقی عرب افواج کی کمانڈ سنبھالی اور ۵۰۰۰ بدوؤں کے لشکر کی کمانڈ کرتے ہوئے خلافتِ عثمانیہ کی فوجی چھاؤنیوں پر گوریلا حملے کرتا رہا۔

ان خدمات کے بدلے میں برطانیہ نے ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء کو عبد اللہ اوّل کو شرقِ اردن (Transjordan)[1] کی نئی تشکیل دی گئی امارت کا امیر بنا دیا۔ اپنی امارت کے دوران اکتوبر ۲۰۲۳ء میں عبد اللہ اوّل نے برطانوی فوجی افسر 'فریڈرک گیرارڈ پیک (Frederick Gerard Peake) کی سربراہی میں ابتدائی پولیس فورس تشکیل دی جسے اردن میں ''جیش العربی'' جبکہ برطانوی عرب لیجن (Arab Legion) کہتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں برطانوی افسر لیفٹیننٹ جنرل جان بیگٹ گلب (John Bagot Glubb) کی سربراہی میں اسے باضابطہ فوج کی شکل دے دی گئی۔

دوسری جنگِ عظیم میں بھی عبد اللہ اوّل نے برطانیہ سے وفاداری کا حق نبھایا اور جیش العربی نے عراق اور شام کو برطانیہ کے قبضے میں دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

۲۵ مئی ۱۹۴۶ء کو برطانیہ نے امارتِ شرقِ اردن کو نام نہاد آزادی دے دی اور اردن کی ہاشمی سلطنت قائم ہوئی اور عبد اللہ اوّل اس کا پہلا بادشاہ بنا۔

عبد اللہ اوّل اپنی سلطنت کو وسعت دینا چاہتا تھا، اس کی خواہش تھی کہ ایک طرف برطانیہ کے ساتھ کچھ ساز باز کر کے اردن کے ساتھ شام اور لبنان کو بھی ہاشمی سلطنت کے تحت لے آئے جبکہ دوسری طرف یہودی ایجنسی کے ساتھ مذاکرات کر کے فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کروادے جبکہ باقی فلسطینی علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لے۔

یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۶ء میں جب 'پیل کمیشن' (Peel Commission) نے تجویز پیش کی کہ فلسطین کے بیس فیصد علاقے پر ایک یہودی ریاست قائم کی جائے اور باقی کے فلسطین کو اردن کا حصہ بنا دیا جائے تو اس تجویز کی تمام عربوں نے مخالفت کی جبکہ شاہ عبد اللہ اوّل اس تجویز کا واحد حامی تھا۔

اسی طرح اقوامِ متحدہ نے جب فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ پیش کیا جس میں ۵۶ فیصد فلسطینی علاقے پر یہودی ریاست اور ۴۳ فیصد علاقہ عرب ریاست بنانے کی تجویز پیش کی گئی جبکہ بیت المقدس کو بین الاقوامی سرزمین قرار دیا گیا تو اس منصوبے کی بھی تمام عرب ریاستوں اور فلسطینیوں نے شدید مخالفت کی لیکن اردن نے اس شرط پر اس منصوبے کی بھی حمایت کی کہ فلسطینی عرب علاقہ اردن کے حوالے کر دیا جائے گا۔

شاہ عبد اللہ اوّل نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ اس نے اس حوالے سے یہودی ایجنسی سے خفیہ ملاقاتیں شروع کر دیں۔ شاہ عبد اللہ سے یہودی ایجنسی کا جو وفد ملاقات کرتا تھا اس میں بعد میں اسرائیل کی وزیرِ اعظم بننے والی 'گولڈا میئر' بھی شامل تھی۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں شاہ عبد اللہ اور یہودی ایجنسی کے درمیان اقوامِ متحدہ سے ہٹ کر فلسطین کی تقسیم کے ایک علیحدہ منصوبے پر اتفاق ہو گیا جس میں یہودی ریاست کے علاوہ باقی تمام فلسطین اردن میں شامل کیا جانا تھا۔ اس منصوبے کی برطانوی وزیرِ خارجہ ارنیسٹ بیون (Ernest Bevin) نے بھی حمایت کی۔

۴ مئی ۱۹۴۸ء کو شاہ عبد اللہ نے زیادہ سے زیادہ فلسطینی علاقہ اپنے قبضے میں کرنے کے لیے فلسطین میں اپنی جیش العربی بھیج دی۔ اور ساتھ میں گولڈا میئر سے ملاقات کی اور کہا کہ اپنی ریاست کے قیام میں جلدی نہ کرو، پہلے میں سارا علاقہ قبضے میں لیتا ہوں اور پھر اس میں ایک خود مختار یہودی علاقے کا اعلان کر دوں گا۔ جواب میں گولڈا میئر نے کہا کہ نومبر میں ہمارے درمیان فلسطین کی تقسیم اور آزاد یہودی ریاست کی ہی بات ہوئی تھی۔

پڑوسی عرب ریاستیں اردن پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ سب مل کر فلسطین کو یہودیوں سے آزاد کرواتے ہیں جب شاہ عبد اللہ کو اندازہ ہوا کہ یہودی ایجنسی اس کی بات نہیں مانے گی اور موجودہ تقسیم میں بیت المقدس بھی یہودیوں کے پاس چلا جائے گا، تو اس نے پڑوسی عرب ریاستوں کی بات مان لی اور ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو پہلی عرب اسرائیل جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جنگ کے نتیجے میں مغربی کنارہ اور بیت المقدس اردن کے قبضے میں آ گیا، جبکہ غزہ مصر کے قبضے میں چلا گیا اور باقی سارا فلسطین اسرائیل بن گیا۔

اس جنگ کے باوجود شاہ عبد اللہ نے اسرائیل سے اپنے تعلقات خراب نہیں ہونے دیے۔ ۳ اپریل ۱۹۴۹ء کو اسرائیل اور اردن کے درمیان آرمسٹائس معاہدے (Armistice

---

[1] دریائے اردن کا مشرقی کنارہ۔

(Agreement) پر دستخط ہوئے اور باضابطہ طور پر آرمسٹائس لائن قائم کر دی گئی۔ اس کے علاوہ مخصوص علاقے غیر عسکری قرار دے دیے گئے اور تنازعات کے حل کے لیے ایک مشترکہ آرمسٹائس کمیشن تشکیل دے دیا گیا۔

لیکن یہ سب کچھ تو رسمی طور پر ہو رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ غیر رسمی طور پر دونوں ملکوں کے درمیان افراد اور سامان کی نقل و حمل کے حوالے سے بھی معاہدے طے پائے اور اردن نے یہودی زائرین کو دیوارِ گریہ اور دیگر مقدس مقامات پر جانے کی اجازت دے دی۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جب اسرائیلی ریاست قائم ہوئی تو اس کے فوراً بعد ہی دونوں ملکوں کے درمیان سیکورٹی تعاون کا آغاز ہو گیا۔ دونوں ممالک چھوٹے تنازعات کے رونما ہونے پر ایک دوسرے کو مطلع کر دیتے تھے تاکہ معاملہ بڑے تنازع کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ بالخصوص فلسطینی 'فدائیوں' کے معاملے میں جو اردن کی حدود سے اسرائیل پر حملے کرتے تھے۔

ان اقدامات کی وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ شاہ عبد اللہ کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ امن معاہدہ کرنے جا رہا ہے۔

۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء کو شاہ عبد اللہ اوّل مسجدِ اقصیٰ کے دورے پر گیا۔ جب شاہ عبد اللہ مسجد کے دروازے پر پہنچا تو ایک فلسطینی مسلح نوجوان مصطفیٰ شکری نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ مصطفیٰ شکری کا تعلق فلسطینی جہادی تنظیم 'جیش الجہاد المقدس' سے تھا۔ شاہ عبد اللہ اوّل کے محافظوں نے مصطفیٰ شکری کو بھی موقع پر ہی شہید کر دیا۔

شاہ عبد اللہ کے مارے جانے کے بعد ایک طرف اردن میں فلسطینیوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع ہو گیا تو دوسری طرف اردن کے حکمران اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں محتاط ہو گئے۔ اگرچہ تعلقات جاری رہے لیکن انہیں ماضی کی نسبت اب زیادہ خفیہ کر دیا گیا۔

طلال بن عبد اللہ

شاہ عبد اللہ اوّل کے مارے جانے کے بعد اس کا بیٹا ولی عہد طلال بن عبد اللہ اردن کا دوسرا شاہ بنا۔ لیکن طلال اپنے باپ سے قدرے مختلف تھا۔ طلال برطانیہ مخالف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے اقتدار میں آنے کے بعد برطانیہ اور اسرائیل سے تعلقات کی بجائے پڑوسی عرب ممالک سے تعلقات بہتر بنانے شروع کیے۔ وہ ملک میں سیاسی اصلاحات لے کر آیا اور اس نے ملک میں پہلا باضابطہ آئین متعارف کروا کر ملک کو 'آئینی بادشاہت' میں تبدیل کیا۔ لیکن یہی اقدام اسے بھاری پڑ گیا۔ اس کے تحت جو سیاسی قیادت اقتدار میں آئی وہ سب برطانیہ اور اسرائیل کی حامی تھی۔ اردن کے وزیر اعظم توفیق ابو الہدیٰ نے طلال کی بیوی، ولی عہد حسین بن طلال کی ماں، برطانوی نژاد ملکہ زین الشرف کے ساتھ مل کر طلال کے خلاف سازش کی اور اسے دماغی مریض قرار دے دیا۔ وزیر اعظم ابو الہدیٰ نے دونوں ایوانوں کا اجلاس بلایا اور اس میں مطالبہ رکھا کہ طلال کو بادشاہت سے ہٹا دیا جائے۔ گواہی کے طور پر طلال کی بیوی ملکہ زین نے طلال کی جانب سے خود پر قاتلانہ حملے کی کہانی گھڑی اور دعویٰ کیا کہ طلال دماغی مرض 'شیزوفرینیا' (schizophrenia) میں مبتلا ہے، اسے اردن سے جلاوطن کر دیا جائے اور فرانس میں اس کا علاج کروایا جائے۔

تخت نشین ہونے کے ایک سال بعد ۱۱ اگست ۱۹۵۲ء کو شاہ طلال بن عبد اللہ کو معزول کر کے جلاوطن کر دیا گیا۔ ولی عہد حسین بن طلال کو اگرچہ فوری طور پر بادشاہ قرار دے دیا گیا لیکن چونکہ ابھی کم عمر تھا اور یہ عہدہ سنبھالنے کا اہل نہیں تھا اس لیے حکومت وزیر اعظم ابو الہدیٰ نے سنبھال لی۔ ۲ مئی ۱۹۵۳ء کو ولی عہد حسین بن طلال کو ۱۸ سال کا ہونے پر باضابطہ طور پر اردن کا تیسرا بادشاہ بنا دیا گیا۔

شاہ حسین

شاہ عبد اللہ اوّل اپنے بیٹوں طلال اور نائف دونوں کو اپنے بعد اردن کے تخت پر بیٹھنے کا اہل نہیں سمجھتا تھا اور اس کی شروع سے نظریں اپنے پوتے حسین بن طلال پر تھیں اور اس نے اپنے پوتے کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ شاہ عبد اللہ حسین کو کتنی اہمیت دیتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیرون ممالک کے وفود سے ملاقات کے دوران شاہ عبد اللہ مترجم کی ذمہ داری کم سنی کے باوجود حسین کو دیتا تھا۔ اسرائیل دوست دادا اور برطانوی نژاد ماں کی وجہ سے حسین بن طلال کی تربیت بچپن سے ہی اسرائیل و برطانیہ نوازی پر ہوئی۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد اس کی پالیسیوں سے بھی اس کا واضح اظہار ہوتا رہا۔

اسرائیلی اعداد و شمار کے مطابق جون ۱۹۴۹ء سے اکتوبر ۱۹۵۳ء تک فلسطینی فدائیوں کی کارروائیوں سے ۸۹ اسرائیلی مارے گئے۔ جبکہ اسی عرصے میں اردنی اعداد و شمار کے مطابق غربِ اردن میں اسرائیلی حملوں کی وجہ سے ۶۲۹ لوگ شہید ہوئے۔ ان اسرائیلی حملوں کے جواب میں اردن کی طرف سے اسرائیل سے تو صرف رسمی سے احتجاج کیا جاتا تھا جبکہ اسرائیل میں داخل ہونے کی کوشش کے الزام میں غیر مسلح فلسطینی مہاجرین کی بڑی تعداد میں گرفتاری شروع ہو جاتی تھی۔

غربِ اردن سے فلسطینی مہاجرین کے اسرائیل میں داخل ہونے کی کوشش کرنے پر اردن کی طرف سے انہیں گرفتار کرنے کا رجحان شاہ عبد اللہ اوّل کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن شاہ حسین کے دور میں اس میں شدت آ گئی۔ شاہ حسین کے تخت نشین ہونے کے بعد اردن کی جیلوں میں موجود قیدیوں کی نصف تعداد ان فلسطینیوں کی تھی جنہوں نے آرمسٹائس لائن عبور کر کے اسرائیل داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو اسرائیلی فوج نے آرمسٹائس لائن عبور کر کے مغربی کنارے کے گاؤں قبیا پر رات کے وقت حملہ کر دیا۔ حملہ کی وجہ اسرائیل نے یہ بتائی کہ اس گاؤں سے فلسطینی فدائی اسرائیل میں داخل ہوئے اور انہوں نے یہود نامی گاؤں کے ایک گھر میں گرینیڈ پھینکے۔ اسرائیلی فوج کے اس حملے میں ۳۰۰ کے قریب اسرائیلی فوجیوں نے شرکت کی۔ حملے کے وقت پہلے قبیا گاؤں اور اس کے قریب بُدرُس گاؤں میں مارٹر گولے مارے۔ اس کے بعد گاؤں کے پاس موجود اردنی فوجیوں سے جھڑپ میں ۱۲ اردنی فوجی ہلاک کیے اور پھر گاؤں میں گھس کر پینتالیس عمارتوں کو ان کے مکینوں سمیت بارود لگا کر تباہ کر دیا۔ اس حملے کی کمان بعد میں وزیر اعظم بننے والے ایریل شیرون کے پاس تھی جو اس وقت اسرائیلی فوج میں میجر تھا۔ اس نے اپنے دستے کو زیادہ سے زیادہ املاک تباہ کرنے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

۴۵ عمارتوں کو ان کے مکینوں سمیت بارود سے تباہ کر دینے کے بعد بہت سے گھروں میں گھس کر اسرائیلی فوج نے لوگوں کو قتل کیا۔ شہداء کی اصل تعداد تو میڈیا پر نہیں آسکی لیکن سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۶۹ فلسطینی عوام اس حملے میں شہید ہوئے۔

اس حملے کی پوری دنیا میں مذمت کی گئی۔ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں اس کے خلاف مذمتی قرارداد منظور کی گئی، امریکہ نے احتجاجی طور پر اسرائیل کی معاشی امداد عارضی طور پر روک دی۔ بن گوریان نے دباؤ میں آکر سرکاری ٹی وی پر جھوٹا بیان دیا کہ فوج کا اس کاروائی سے کوئی تعلق نہیں تھا یہ آرمسٹائس لائن کے قریب رہنے والے مقامی یہودیوں نے کاروائی کی تھی اور اس کی تحقیقات کی جائیں گی۔ یہ دباؤ اتنا بڑھا کہ یہ کاروائی کرنے والا ایرل شیرون کا یونٹ ۱۰۱ ختم کر دیا گیا۔

لیکن یہ سب کچھ عالمی دباؤ کی وجہ سے تھا، جبکہ اردن نے، جس کی سرزمین پر یہ سب کچھ ہوا تھا، نے صرف رسمی احتجاج تک ہی اکتفا کیا بلکہ اس کے برعکس اردن نے اس کے جواب میں اپنی سرزمین پر موجود فلسطینی فدائیوں کے خلاف بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن شروع کر دیا اور ایک ہزار فلسطینی فدائی گرفتار کر لیے۔ اور آرمسٹائس لائن پر اپنے فوجیوں کی تعداد اور گشت بڑھا دیے تاکہ کوئی فلسطینی اسرائیل میں داخل ہونے کی کوشش نہ کر سکے۔

شاہ حسین نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد ہی ابو الہدیٰ کی جگہ فوزی الملقی کو وزیر اعظم بنا دیا تھا۔ قبیا کے قتلِ عام کے بعد جب شاہ حسین نے فلسطینی فدائیوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا تو پورے ملک میں احتجاج شروع ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب دنیا میں مصر کے جمال عبد الناصر کا اشتراکیت پسند عرب قوم پرستی کا نظریہ عروج پر تھا۔ اردن میں بھی مصر کے ریڈیو کے ذریعے پراپیگنڈہ زوروں پر تھا۔ وزیر اعظم فوزی الملقی بھی اسی نظریے کا حامی تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شاہ حسین نے فوزی الملقی اور اس کی حکومت ختم کر دی اور اس کی جگہ پھر سے ابو الہدیٰ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اس طرح سے اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

ایک طرف حکومت ختم کر کے عوام کا غصہ ٹھنڈا کیا اور دوسری طرف اشتراکیت پسند عرب قوم پرستی جو اس کے تخت کے لیے بڑا خطرہ تھی اس سے بھی خود کو بچا لیا۔ لیکن ابو الہدیٰ کی حکومت بھی ایک سال ہی چل پائی۔ اگلے ایک سال میں شاہ حسین نے تین حکومتیں بدلیں۔

۱۹۵۵ء میں ایران، عراق، پاکستان، ترکی اور برطانیہ نے مل کر سرد جنگ میں روس کے خلاف اور امریکہ کی حمایت میں ایک اتحاد کا معاہدہ کیا جو معاہدۂ بغداد (Baghdad Pact) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ برطانیہ کی جانب سے اردن پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ وہ بھی اس معاہدے کا حصہ بنے۔ یہ معاہدہ عرب ممالک میں جمال عبد الناصر کی عرب قوم پرستی کے آگے بند باندھنے کے لیے بھی تھا، لیکن اس دور میں اردن کی عوام میں بھی اس کی بہت پزیرائی حاصل تھی۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ شاہ حسین معاہدۂ بغداد میں شمولیت اختیار کرنے جا رہا ہے پورے ملک میں احتجاج اور مظاہرے شروع ہو گئے۔ اردنی فوج نے ملک میں کرفیو نافذ کر دیا لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ شاہ حسین نے حالات پر قابو پانے کے لیے ایک نیا وزیر اعظم منتخب کیا اور اس کے ذریعے اعلان کروایا کہ اردن معاہدۂ بغداد کا حصہ نہیں بنے گا۔

اردن اور ہمسایہ ممالک میں عرب قوم پرستی کا اتنا عروج دیکھتے ہوئے شاہ حسین کو اسی میں اپنی بقا نظر آئی کہ وہ برطانیہ سے تعلقات میں کمی لائے۔ اس نے اردنی فوج سے جان بیگٹ گلب کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ فوج کا سربراہ ایک اردنی کو بنایا، اسی طرح اس نے فوج کے دیگر اعلیٰ عہدوں سے بھی برطانوی افسروں کو معزول کر دیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں اسے ملک میں بھی خوب پزیرائی ملی اور اس کے ہمسایہ ممالک سے تعلقات بھی بہتر ہوئے۔

اس سارے عرصے میں اسرائیل کے ساتھ اردن کے تعلقات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز میں شاہ حسین نے اسرائیل کے ساتھ خفیہ روابط کا آغاز کیا اور اس کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے شروع کیے۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے ۱۹۶۴ء میں اعلانیہ طور پر جمال عبد الناصر کے ساتھ بھی تعلقات بہتر کرنا شروع کر دیے جس کی وجہ سے اسے اندرون ملک اور عرب دنیا میں خوب پزیرائی ملی۔ یہ تعلقات ۱۹۶۴ء کے عرب لیگ کے اجلاس میں بہتر ہونا شروع ہوئے جس میں فلسطینی لبریشن آرمی (PLA) اور فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کا قیام عمل میں آیا۔ اسی اجلاس میں اردن میں متحدہ عرب کمانڈ کے نام سے عرب ممالک کی متحدہ فوج میں شمولیت اختیار کرنے پر رضامندی کا اظہار بھی کیا۔ دورانِ اجلاس جمال عبد الناصر نے شاہ حسین کو روسی ہتھیار خریدنے پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن شاہ حسین نے انکار کیا کیونکہ امریکہ اردن کو اس شرط پر ٹینک اور جیٹ طیارے فراہم کر رہا تھا کہ یہ اسرائیل کے خلاف استعمال نہیں ہوں گے۔

فلسطینی اتھارٹی کے قیام کے بعد اس نے خود کو فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم کے طور پر پیش کیا اور اردن اس چیز کو مغربی کنارے میں اردن کے قبضے کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ فلسطینی اتھارٹی

نے اردن سے مطالبہ شروع کیا کہ حکومت فلسطینی اتھارٹی کی سرگرمیوں، بشمول اسرائیل سے لڑنے کے لیے مسلح فلسطینی دستوں کی تشکیل، کو قانونی حیثیت دے۔ لیکن اردن نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

شاہ حسین نے اسرائیلی وفد سے ایک ملاقات میں ان کے سامنے ساری صورتحال رکھ دی اور کہا کہ فلسطینی اتھارٹی کی کاروائیوں پر اسرائیل کی جانب سے کوئی سخت جواب وہ برداشت نہیں کر پائے گا۔ اس پر اسرائیلی وفد نے اسے یقین دہانی کروائی کے اردن کے خلاف سخت جوابی کاروائی نہیں کی جائے گی۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوا۔

۱۹۶۵ء میں فلسطینی قوم پرست تنظیم الفتح نے اسرائیل کے خلاف حملے شروع کیے۔ اسرائیل ان حملوں کے جواب میں اردن کی حدود میں گھس کر جوابی کارروائیاں بھی کرتا رہا۔ لیکن بڑا واقعہ نومبر ۱۹۶۶ء میں مغربی کنارے کے علاقے السموع میں پیش آیا۔ جب الفتح کی ایک بارودی سرنگ پر پاؤں آنے پر تین اسرائیلی فوجی مارے گئے۔ اسرائیل جوابی کاروائی کے طور پر ٹینکوں، جنگی طیاروں اور بڑی تعداد میں فوج کے ساتھ مغربی کنارے میں گھس گیا اور السموع قصبے سمیت نزدیک کے بعض گاؤں تباہ و کر ڈالے۔ اردنی فوج سے جنگ میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۶ اردنی فوجی مارے گئے جبکہ درجنوں زخمی ہوئے۔ اردن کی کئی فوجی گاڑیاں اور ایک جیٹ طیارہ بھی اس جنگ میں تباہ ہوا۔ جبکہ اسرائیل کا نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔

اسرائیلی تجزیہ نگاروں کے مطابق اسرائیل اچھی طرح جانتا تھا کہ ان حملوں میں اردن قصوروار نہیں تھا اور وہ الفتح کے حملوں کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا جبکہ الفتح کو ساری مدد شام فراہم کر رہا تھا۔ لیکن اسرائیل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ متحدہ عرب کمانڈ میں اردن کی شمولیت کے بعد کیا کوئی دوسرا عرب ملک اردن کی مدد کے لیے آتا ہے یا نہیں۔

اس واقعہ کے بعد مغربی کنارے میں ہاشمی سلطنت کے خلاف بڑے پیمانے پر احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ شاہ حسین اسرائیل کے مقابلے میں ہمارے دفاع کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ شاہ حسین کو اقتدار سے ہٹا کر اسے قتل کر دیا جائے۔

شاہ حسین یہ سمجھتا تھا کہ اسرائیل نے اس کے ساتھ بے وفائی کی ہے اور وہ چاہے دیگر عرب ملکوں کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ کا حصہ بنے یا اس جنگ سے علیحدہ رہے اسرائیل لازمی مغربی کنارے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر بھی اس نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کی تو پورے اردن میں اس کے خلاف مظاہروں میں شدت آگئی، دیگر عرب ممالک نے بھی اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا، جمال عبد الناصر نے اسے استعمار کا غلام قرار دیا، حتیٰ کہ اس کی اپنی فوج میں بھی اس پر سے اعتماد اٹھ گیا۔

اس ساری صورتحال کو دیکھتے ہوئے شاہ حسین نے ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء کو مصر کا دورہ کیا اور فوری طور پر مصر اردن دفاعی معاہدے پر دستخط کر دیے۔ اس معاہدے کے تحت اس نے اردن کی فوج کو مصری کمان میں دے دیا۔ اس اقدام کے نتیجے میں اسے اردن میں خوب پذیرائی ملی۔ اس معاہدے کے نتیجے میں مصری جنرل عبد المنعم ریاض اردنی فوج کی سربراہی کرنے کے لیے اردن پہنچ گیا۔

۵ جون ۱۹۶۷ء کو دوسری اسرائیل عرب ممالک جنگ کا آغاز ہوا جسے چھ روزہ جنگ کہا جاتا ہے۔ اسرائیل نے پہلے حملہ کرتے ہوئے ایک ہی حملے میں پوری مصری فضائیہ کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن مصری فوج نے اردنی فوج کو جھوٹی خبر پہنچائی کہ اسرائیل کا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور جوابی کاروائی میں اسرائیلی فضائیہ تقریباً مکمل تباہ کر دی گئی ہے۔ ان غلط اطلاعات کی بنیاد پر عبد المنعم ریاض نے اردنی فوج کو بیت المقدس کے ارد گرد اسرائیلی اہداف کو نشانہ بنانے کا حکم دیا۔ مصری فضائیہ کے بعد اسرائیل نے پہلے ہی دن اردن کی فضائیہ بھی مکمل تباہ کر ڈالی اور اس کے بعد عراق اور شام کی فضائیہ بھی تباہ کر دی۔ اس طرح جنگ کے پہلے ہی دن اسرائیل کی فیصلہ کن فضائی برتری حاصل ہو گئی۔

۷ جون تک اردن کو مغربی کنارے اور بیت المقدس سے انخلاء کرنا پڑا۔ اس انخلاء کے بعد اسرائیل نے مغربی کنارے اور مشرقی کنارے کے درمیان موجود پلوں کو تباہ کر دیا تا کہ اردنی واپس نہ آ سکیں۔ اس جنگ کے نتیجے میں دو لاکھ فلسطینی مہاجرین اردن میں پناہ گزین ہوئے۔

۱۱ جون تک اسرائیل مغربی کنارہ، بیت المقدس، غزہ، صحرائے سینا اور گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر کے جنگ جیت چکا تھا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک قرارداد منظور کی جس میں اسرائیل سے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیے گئے علاقوں سے انخلاء کا مطالبہ کیا گیا۔ اسرائیل نے یہ قرارداد رد کر دی۔ شاہ حسین ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں اسرائیل سے مذاکرات کی کوشش کرتا رہا کہ کسی طرح اسرائیل اسے اس کے علاقے واپس کر دے لیکن اسے کوئی کامیابی نہ مل سکی۔

۱۹۶۷ء میں مغربی کنارے کے سقوط کے بعد فلسطینی فدائی مغربی کنارے سے اردن منتقل ہو گئے اور وہاں سے اسرائیل کے خلاف کاروائیوں میں تیزی لے آئے۔ اسرائیل نے جوابی کارروائی میں مغربی کنارے کی سرحد سے قریب اردنی علاقے کرامہ میں موجود فلسطینی اتھارٹی کے کیمپ پر حملہ کر دیا جو کہ ایک مکمل جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ اسرائیل کا مقصد فلسطینی اتھارٹی کے رہنما یاسر عرفات کو گرفتار کرنا تھا لیکن اسے اس مقصد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھ اسے بھاری نقصان بھی اٹھانا پڑا جس کے بعد اسرائیلی فوج نے پسپائی اختیار کر لی۔ لیکن جاتے جاتے انہوں نے کرامہ کیمپ کو مکمل تباہ کر دیا۔

اسرائیل کے خلاف فلسطینیوں کی اس فتح نے پورے عالمِ عرب میں اردن میں موجود فلسطینیوں کی حمایت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ فلسطینی اتھارٹی کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا اور ۱۹۷۰ء کے آغاز سے فلسطینی اتھارٹی کے اردن میں ہاشمی سلطنت کے خاتمے کا عوامی سطح پر مطالبہ شروع کر دیا۔ حالات اس وقت شدت اختیار کر گئے جب فلسطینی اتھارٹی سے منسلک ایک تنظیم نے ۱۰ ستمبر ۱۹۷۰ء کو تین سویلین ہوائی جہاز ہائی جیک کر لیے اور ان کے غیر ملکی مسافروں کو یرغمال بنالیا۔ یرغمالیوں کی رہائی کے بعد اس تنظیم نے جہادوں کو بموں سے اڑا دیا۔

اس واقعے کے بعد شاہ حسین نے اپنی فوج کو فلسطینی مہاجر کیمپوں کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ۱۷ ستمبر کو اردنی فوج نے ان تمام فلسطینی کیمپوں کا محاصرہ کر لیا جن میں فلسطینی اتھارٹی موجود تھی اور کیمپوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اسرائیل اس جنگ میں فضا سے اردون کو انٹیلی جنس معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اگلے دن شام سے ایک فوجی دستے نے اپنے ٹینکوں سمیت فلسطینی فدائیوں کی مدد کے لیے اردن میں پیش قدمی شروع کر دی۔ اردنی فوج نے اس دستے پر زمینی اور فضائی دونوں طرف سے حملہ کر دیا اور اسرائیلی فضائیہ کے جہازوں نے بھی اردنی فوج کا ساتھ دیا۔ شامی فوج نے بھاری نقصان اٹھانے کے بعد پسپائی اختیار کر لی۔

جمال عبد الناصر کی ثالثی پر شاہ حسین اور یاسر عرفات کے درمیان معاہدہ طے پا گیا جس میں اردن میں فلسطینی فدائیوں کی موجودگی کو قانونی حیثیت دی جانی تھی۔ لیکن جنوری ۱۹۷۱ء میں شاہ حسین نے فلسطینی فدائیوں پر پھر سے کریک ڈاؤن شروع کر دیا اور تمام فدائیوں کو اردنی شہروں سے باہر دھکیل دیا، یہاں تک کہ دو ہزار فلسطینی فدائی جب ایک جنگل میں محاصرے میں گھر گئے تو اردنی فوج کے سامنے تسلیم ہو گئے۔ اس کے بعد اردن نے ان فدائیوں کو شام کے راستے لبنان جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح فلسطینی فدائی اور یاسر عرفات کی قیادت میں فلسطینی اتھارٹی (PLO) اردن چھوڑ کر لبنان منتقل ہو گئی۔

۱۰ ستمبر ۱۹۷۳ء کو مصری صدر انور سادات نے شاہ حسین اور شام کے صدر حافظ الاسد کو ایک اجلاس پر بلایا۔ اس اجلاس میں انور سادات نے صحرائے سینا میں محدود پیمانے کی جنگی مہم کے ارادے کا اظہار کیا اور شاہ حسین سے فدائیوں کو واپس اردن بلانے کا مطالبہ کیا۔ شاہ حسین نے فدائیوں کو واپس بلانے سے تو انکار کر دیا لیکن یہ وعدہ کیا کہ اگر جنگ ہوئی تو اردن گولان کی پہاڑیوں میں شامیوں کی مدد کے لیے محدود دفاعی کردار ادا کر سکتا ہے۔

جنگ شروع ہونے سے قبل شاہ حسین نے اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر سے تل ابیب میں ۲۵ ستمبر کو ملاقات کی اور گولڈا میئر کو عرب ممالک کے ارادوں سے آگاہ کر دیا۔ ۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو مصر اور شام نے اسرائیل کے خلاف چوتھی عرب اسرائیل جنگ (یوم کپر جنگ) کا آغاز کر دیا۔ ۱۳ اکتوبر کو اردن نے گولان کی پہاڑیوں پر شامی فوجیوں کی مدد کے لیے علامتی طور پر اپنی کچھ فوج بھیج دی۔ اس جنگ کے بعد اردن نے اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کا آغاز کیا۔

اردن کا مطالبہ تھا کہ اسے مغربی کنارہ واپس کر دیا جائے لیکن اسرائیل صرف اتنا قبول کرنے کو تیار تھا کہ مغربی کنارے میں سول حکومت اردن کی ہو لیکن وہ قبضے میں اسرائیل کے ہی رہے۔ اور یہ مذاکرات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔

۱۷ ستمبر ۱۹۷۸ء کو مصر اور اسرائیل کے درمیان امریکہ کی ثالثی میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ طے پایا جس کے بعد مصر نے اسرائیل کا وجود تسلیم کر لیا اور دونوں کے درمیان سفارتی تعلقات کا آغاز ہوا۔ امریکہ کی خواہش تھی کہ اردن بھی اس معاہدے میں شامل ہو جائے لیکن شاہ حسین نے اپنے داخلی سیاسی حالات کے پیشِ نظر اس میں شمولیت سے انکار کر دیا لیکن اردن تمام عرب ممالک میں واحد ملک تھا جس نے مصر اسرائیل معاہدے کا خیر مقدم کیا۔ جبکہ اس معاہدے کے بعد دیگر تمام عرب ممالک نے مصر کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ تقریباً ایک دہائی بعد ۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو شاہ حسین نے اردن میں عرب لیگ کا اجلاس طلب کیا اور اس میں تمام عرب ممالک کو مصر کا بائیکاٹ ختم کرنے پر راضی کر لیا۔

ایرانی انقلاب کے بعد ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آغاز میں جب لبنان میں حزب اللہ کھڑی ہوئی تو اردن اور اسرائیل کے درمیان انٹیلی جنس شیئرنگ میں اضافہ ہوا۔ لبنان میں فلسطینی اتھارٹی پر ہونے والے بہت سے اسرائیلی حملے دراصل اردن کی فراہم کردہ انٹیلی جنس معلومات پر ہی کیے گئے۔

دسمبر ۱۹۸۷ء میں فلسطین میں پہلے انتفاضہ کا آغاز ہوا جس کے بعد فلسطین میں فلسطینی اتھارٹی کی مقبولیت آسمان کو چھونے لگی اور اردن مغربی کنارے کے حوالے سے مایوس ہو گیا۔ جولائی ۱۹۸۸ء میں اردن نے مقبوضہ علاقوں سے متعلق وزارت اور اردن کی پارلیمنٹ میں فلسطینیوں کی خصوصی نشستیں ختم کر دیں اور فلسطین سے مکمل طور پر ہاتھ کھینچ لیا۔ پہلے انتفاضہ کے آغاز کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۸۸ء میں فلسطینی اتھارٹی نے اقوام متحدہ کی تمام قراردادیں قبول کر لیں اور اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے پر راضی ہو گئی۔

امریکہ نے شاہ حسین کو ۱۹۹۱ء میں سپین کے شہر میڈرڈ میں ہونے والی امن کانفرنس میں شرکت کے لیے اردن اور فلسطین کا ایک مشترکہ وفد تشکیل دینے کو کہا۔ شاہ حسین نے اس مقصد کے لیے ۱۴ اردنی شہریوں اور ۱۴ فلسطینیوں پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا۔ شاہ حسین نے یہ فلسطینی وفد فلسطینی اتھارٹی کا اثر و رسوخ کم کرنے کے لیے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی سے اپنی مرضی کے افراد چن کر ترتیب دیا تھا۔ شاہ حسین کا مقصد اس طریقے سے فلسطین میں اپنی مرضی کے لوگوں کو آگے لا کر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ فلسطینی عوام نے اردن کے چنیدہ نمائندوں کو مسترد کر دیا اور یہ کانفرنس فلسطین کے حوالے سے بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

لیکن یہ کانفرنس خود اردن کے لیے بے نتیجہ ثابت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اردنی حکام کے اسرائیلی وفود سے ملاقاتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس کے اختتام پر ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو اردن اور اسرائیل کے درمیان باضابطہ امن معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدے کے ذریعے سے عشروں سے چلنے والے خفیہ تعلقات کو رسمی شکل دے دی گئی، اسرائیل کے قیام سے چلے آنے والے سیکورٹی تعاون کو بھی رسمی حیثیت دے دی گئی اور دونوں ملکوں نے معاہدہ کر لیا کہ ان کی سرزمین دوسرے ملک کے خلاف کسی قسم کی دہشت گردی کے لیے استعمال نہیں ہونے دی جائے گی۔ دونوں ملکوں نے اسرائیل اور اردن کے درمیان موجود سرحد کو باضابطہ طور پر بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا اور اردن مغربی کنارے پر اپنے حق سے مکمل طور پر دستبردار ہو گیا۔ جواب میں اسرائیل نے بیت المقدس میں موجود مسلمانوں کے مقدس مقامات کا ''نگہبان'' اردن کے ہاشمی خاندان کو تسلیم کیا۔ لیکن فلسطین اور فلسطینی مہاجرین کے مسئلے کو ''بعد کے تفصیلی مذاکرات'' کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اس معاہدے پر دستخط کے لیے اسرائیلی وزیر اعظم رابن، اردن کا شاہ حسین اور امریکی صدر بل کلنٹن موجود تھے۔ معاہدے کے فوری بعد دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے ملکوں میں اپنے سفارت خانوں کا افتتاح کیا۔

۴ نومبر ۱۹۹۵ء کو اردن کے ساتھ امن معاہدہ کرنے والے اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کو ایک یہودی نے قتل کر دیا۔ اس کی آخری رسومات کی ادائیگی پر شاہ حسین کو بھی بیت المقدس مدعو کیا گیا۔ تقریب کے دوران تقریر کرتے ہوئے شاہ حسین نے اسحاق رابین کے قتل اور اپنے دادا شاہ عبد اللہ اوّل کے قتل میں مماثلت کا اظہار کیا اور کہا:

> ''ہم شرمسار نہیں ہیں، نہ ہی ہم خوفزدہ ہیں، بلکہ ہم اس ورثے کو جاری رکھنے کے لیے پر عزم ہیں جس کی خاطر میرا دوست (اسحاق رابین) قربان ہوا بالکل میرے دادا کی طرح اسی شہر میں جب میں ان کے ساتھ تھا اور بس ایک کم سن لڑکا تھا۔''

۱۹۹۰ء کی دہائی میں فلسطین میں حماس کی مقبولیت بڑھنے لگی اور اس حوالے سے اسرائیل اور اردن کے درمیان تعاون میں بھی اضافہ ہوا، جس میں حماس کے خلاف انٹیلی جنس معلومات کا تبادلہ اور دریائے اردن پر مجاہدین اور اسلحے کی ترسیل کو روکنے کے لیے دونوں ملکوں کی مشترکہ کوششیں شامل ہیں۔ اس مقصد کے لیے ل دونوں ملکوں کی افواج نے سرحد کے مختلف مقامات پر مشترکہ گشت بھی ترتیب دیے۔

۹۰ء کی دہائی کے نصف میں حماس کی قیادت اردن میں مقیم تھی۔ اس عرصے میں اردن کی انٹیلی جنس اسرائیل کو حماس کے ارکان، اس کی فنڈنگ کے طریقوں اور ممکنہ حملوں کے حوالے سے پیشگی معلومات فراہم کرتا رہا۔ اس کی ایک مثال ۱۹۹۷ء میں موساد کی حماس کے راہنما خالد مشعل کو زہر دے کر شہید کرنے کی کوشش تھی جو ناکام رہی لیکن اس کے نتیجے میں اگرچہ موساد کے اس حملے پر شاہ حسین نے شدید احتجاج کیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان انٹیلی جنس شیئرنگ کھل کر سامنے آ گئی۔ اس کی وجہ سے داخلی طور پر شاہ حسین کے لیے مسائل بننا شروع ہو گئے اور اردن کے اندر حماس کی حمایت میں اضافہ ہونے لگا۔

شاہ عبد اللہ ثانی

۷ فروری ۱۹۹۹ء کو شاہ حسین کی بلڈ کینسر کی وجہ سے موت کے بعد اس کا بیٹا عبد اللہ ثانی تخت نشین ہوا۔ اقتدار سنبھالنے کے بعد عبد اللہ ثانی کا سب سے پہلا کام نومبر ۱۹۹۹ء میں امریکہ، اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی (جس نے اب اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کر کے اسرائیلی ریاست کو تسلیم کر لیا تھا) کے کہنے پر حماس کے خلاف کریک ڈاؤن تھا۔ شاہ عبد اللہ ثانی نے حماس کے تمام دفاتر بند کر دیے، اردن میں ان کی ہر طرح کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی اور حماس کے چار رہنماؤں کو ملک بدر کر دیا۔ اردن کے ان اقدامات اور فلسطینی اتھارٹی کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنا ستمبر ۲۰۰۰ء میں دوسرے انتفاضہ کا سبب بنا۔

دوسرے انتفاضہ کے دوران بھی اردن نے اپنا منافقانہ کردار جاری رکھا۔ سرکاری سطح پر اردن نے انتفاضہ کے دوران اسرائیلی اقدامات کی شدید مذمت کی لیکن پس پردہ فلسطینی مجاہدین کے خلاف اسرائیل کے ساتھ انٹیلی جنس معلومات کا تبادلہ بھی جاری رکھا۔

اردن کے ہمیشہ سے عراق کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ صدام حسین اردن کو ۵۰۰ ملین ڈالر سالانہ مالیت کا تیل مفت فراہم کرتا تھا۔ لیکن ۲۰۰۳ء کی جنگ میں شاہ عبد اللہ ثانی نے صدام حسین سے بھی بے وفائی کی۔ اپنی ساکھ بچانے کے لیے اس نے اردن سے عراق پر حملوں کی اجازت تو نہیں دی لیکن اردن کے صحرا میں عراقی سرحد کے پاس امریکی پیٹریاٹ میزائل نصب کرنے کی اجازت دے دی۔

۲۰۰۶ء میں اسرائیل لبنان جنگ میں بھی اردن کے منافقانہ کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میڈیا کی سطح پر اردن نے لبنان کا ساتھ دیا، اور اسرائیل کی بھرپور مذمت کی۔ عرب لیگ کے اجلاس میں اسرائیل کے خلاف مذمتی قرارداد پاس کی گئی اور لبنان کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ لیکن دوسری طرف پس پردہ اردن مستقل اسرائیل کو حزب اللہ کے ٹھکانوں، اس کی کارروائیوں، اس کی رسد کے راستوں اور نقل و حرکت کے حوالے سے انٹیلی جنس معلومات فراہم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اردن نے اپنی شامی سرحد پر انٹیلی جنس معلومات اکٹھی کرنے اور نگرانی کرنے کے لیے اسرائیلی فضائیہ کو اردن کی فضائی حدود استعمال کرنے کی خفیہ اجازت بھی دے دی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک اور منافقانہ اعلان کیا جو وہ اس کے بعد کے تنازعات میں بھی دہراتا رہا اور وہ یہ کہ وہ 'اس تنازع کو پھیلنے سے روکنے کے لیے' اپنی

سرحدات اور فضائی حدود کی اسرائیل پر حملہ کے لیے استعمال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دے گا۔

۲۰۱۱ء میں عرب بہار کے بعد جب شام میں جہاد کا آغاز ہوا تو اس حوالے سے اردن اور اسرائیل کے درمیان انٹیلی جنس شیئرنگ میں بھی اضافہ ہوا۔ اردن نے شام میں مسلح گروہوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنے اور سٹریٹیجک مقامات پر بمباری کرنے کے لیے اسرائیل کو اپنی فضائی حدود استعمال کرنے کی اجازت دی۔

شام میں جنگ کے نتیجے میں شامی مہاجرین کی ایک بڑی تعداد اردن میں پناہ گزین ہوئی جس کی وجہ سے اردن اور اسرائیل کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان مہاجرین میں چھپے مجاہدین دریائے اردن عبور کر کے اسرائیل اور فلسطین میں حملے کر سکتے ہیں۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ۲۰۱۴ء میں اردن اور اسرائیل نے مشترکہ طور پر دریائے اردن کی سرحد پر باڑ اور جدید سرویلنس آلات نصب کیے اور سکیورٹی چیک پوائنٹس میں بھی اضافہ کیا۔

جولائی ۲۰۱۷ء میں اسرائیلی شہریت کے حامل دو عرب مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ کے قریب دو اسرائیلی پولیس افسروں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے گرد سکیورٹی انتظامات سخت کر دیے، لوگوں کے داخلے کو محدود کر دیا اور داخلے پر میٹل ڈیٹیکٹرز اور سکیورٹی کیمرے نصب کر دیے۔

اسرائیل کے ان اقدامات کی وجہ سے بیت المقدس اور مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ اردن میں بھی شدید مظاہرے شروع ہو گئے جس کے بعد اردن نے اسرائیل سے امریکہ کی ثالثی میں خفیہ مذاکرات شروع کیے۔ ان مذاکرات کے نتیجے میں ۲۵ جولائی ۲۰۱۷ء کو اسرائیل نے میٹل ڈیٹیکٹر ہٹا دیے۔ اس چھوٹے سے اقدام کے بدلے میں اردن نے علاقے میں اپنے لوگوں کی مدد سے اسرائیل کے ساتھ انٹیلی جنس شیئرنگ کی حامی بھری تاکہ اسرائیلی سکیورٹی اہلکاروں پر حملوں جیسے واقعات دوبارہ نہ ہو سکیں۔

جبکہ اسی عرصے میں ۲۳ جولائی ۲۰۱۷ء کو اردن میں اسرائیلی سفارت خانے کے باہر ایک اسرائیلی سکیورٹی گارڈ نے دو اردنی شہریوں کو گولی مار کر شہید کر دیا، لیکن اردن نے اس سکیورٹی گارڈ کو بحفاظت اسرائیل روانہ کر دیا۔

غزہ کی حالیہ جنگ میں بھی اردن نے اپنا منافقانہ کردار نہیں چھوڑا۔ میڈیا پر غزہ میں جنگ پر اسرائیل کی سخت مذمت کی، اور جنگ بندی کا مستقل مطالبہ دہراتا رہا، لیکن ہمیشہ کی طرح پس پردہ اسرائیل کے ساتھ سکیورٹی تعاون اور انٹیلی جنس شیئرنگ اب بھی جاری ہے۔

اس حوالے سے جو چیز کھل کر کی جا رہی ہے ان میں سے ایک اردن کی سرحدات پر کیے جانے والے اقدامات ہیں۔ اردن نے شام اور فلسطین کے ساتھ منسلک اپنی سرحدات پر فوجیوں اور فوجی ساز و سامان کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی کنارے سے منسلک اردنی سرحد پر چیکنگ کا نظام مزید سخت کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ اردن نے شام سے فلسطین میں اسلحے کی ترسیل کو روکنے کے لیے بھی اقدامات کیے ہیں اور اردنی فوج نے ایسے کئی واقعات کا اقرار بھی کیا ہے جس میں انہوں نے شامی سرحد پر شام سے فلسطین کے لیے جانے والا اسلحہ قبضے میں لیا۔

اس کے علاوہ اردن نے جنگ کے آغاز سے ہی فلسطین سے منسلک اپنی سرحد پر سرنگوں کی تلاش اور انہیں تباہ کرنے کا کام بھی شروع کیا اور بہت سی سرنگیں تباہ بھی کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے بہت سے چھوٹے ڈرونز بھی تباہ کیے جو خفیہ طور پر اردن سے سامان فلسطین لے جا رہے تھے۔

اپریل ۲۰۲۴ء میں جب ایران نے اسرائیل پر میزائلوں اور ڈرونز سے حملہ کیا تو اردن نے اپنی فضا ہر قسم کی پروازوں کے لیے بند کر دی اور اردنی ایئر فورس نے اردنی فضائی حدود سے گزرنے والے بہت سے ڈرونز اور میزائل تباہ کیے۔

اسی طرح جب ایران نے دوسری بار اکتوبر ۲۰۲۴ء میں اسرائیل پر میزائل حملہ کیا تب بھی اردن نے بہت سے میزائل گرانے کا دعویٰ کیا۔

اسی طرح جون ۲۰۲۵ء کی ایران اسرائیل کشیدگی میں اردن نے اسرائیلی فضائیہ کو ایران میں حملے کرنے کی اجازت دی لیکن اسرائیل پر حملے پر اپنی فضائی حدود بند کر دیں اور ایران کی طرف سے آنے والے میزائلوں کو بھی گرانے میں مستقل اسرائیل کی مدد کرتا رہا۔

اردن کی یہ تاریخ ایک ایسی داستان ہے شریف مکہ حسین بن علی کے خاندان کی خیانتوں اور منافقتوں کے گرد گھومتی ہے۔ حسین بن علی نے خلافتِ عثمانیہ سے غداری کر کے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا تو اس کے بیٹے نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے فلسطینیوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر اسرائیلی ناجائز ریاست کے قیام میں خفیہ حمایت کی، اس کے پوتے شاہ حسین نے اس سے بھی دو قدم آگے بڑھتے ہوئے فلسطینی مزاحمت کا گلا گھونٹا، ان کی خفیہ جاسوسیاں کیں اور آخر کار باضابطہ طور پر اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کر لیے۔ اس کا بیٹا شاہ عبد اللہ ثانی اپنے باپ سے بھی چار قدم آگے بڑھا اور آج اسرائیل کے شانہ بشانہ کھڑا ہو کر اس نے اردن کو اسرائیل کا اوّلین دفاعی خط (First line of defense) بنا دیا ہے۔ یہ تاریخ صرف اردن کے کردار کو بے نقاب نہیں کرتی بلکہ ہر اس شخص کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے جو مسجدِ اقصیٰ کی حرمت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہے۔ ان خائنین کے کرتوتوں پر خاموشی اور مصلحت پسندی بذات خود خیانت ہے۔ ہمیں خود سے سوال پوچھنے کی ضرورت ہے، کیا ہم بھی خیانت کے مرتکب تو نہیں؟

دل مردہ کو زندہ، تن مردہ کو بیدار کر

قاضی ابو احمد

غزہ کا معرکہ شروع ہوئے ڈیڑھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جو بات نہایت عجیب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نجانے ذہن سوچنے، سمجھنے اور درست تجزیہ کرنے کے قابل نہیں رہے یا قصداً حقائق سے نگاہیں چرا کر اپنی اور سادہ لوح عوام کی توجہ غلط طریقوں اور غلط مناہج کی جانب مبذول کروا رہے ہیں۔

دنیا کے بہت سے ممالک میں، بلکہ اسلامی ممالک سے کہیں زیادہ مغربی ممالک میں غزہ کے حق میں ریلیاں، احتجاج، جلسے، جلوس منعقد کیے جا رہے ہیں اور کھل کر فلسطینیوں کی حمایت اور اسرائیل کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہ سب ضروری ہے۔ اس کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ مگر کیا یہ اقدامات اہل غزہ پر سے ظلم و ستم کم کرنے میں بھی معاون ہیں؟ کیا آج تک قوت کے استعمال کے بغیر محض نعروں سے بھی کبھی کسی کو کوئی حق ملا ہے؟

وہ کیا حقیقی اقدامات ہیں کہ جن پر عمل کر کے اہل غزہ کی واقعی مدد کی جا سکتی ہے؟ ایسی مدد کہ جس کے ذریعے ان پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ کمزور پڑیں اور ان کی قوت منتشر ہو جائے۔ تا حال ہمیں عالمی سطح پر اقوام عالم جو کچھ کرتی دکھائی دے رہی ہیں اس کی حیثیت خانہ پری سے زیادہ نہیں۔ حکومتیں بخوبی جانتی ہیں کہ یو این میں قرارداد پیش کرنے کا نتیجہ امریکی ویٹو کی صورت سامنے آئے گا اور اس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلے گا مگر وہ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے عملاً اسرائیل کے ساتھ کسی قسم کا تجارتی، معاشی، دفاعی تعلق قطع نہیں کرتیں کہ جس سے اسرائیل کی معیشت پر ضرب لگے یا اس کا دفاعی نظام کسی قدر کمزور ہو سکے۔ یاد رہے کہ یہ ان حکومتوں اور اقوام کا ذکر ہے جو آزاد ہیں، رہ گئیں عرب ریاستیں تو وہ تو اہل غزہ پر ہونے والے ظلم میں برابر کی شریک ہیں اور نام کے اسلامی مگر درحقیقت غلام ممالک کا تو ذکر ہی کیا۔ افراد میں اخلاص ہے، اس میں کوئی شک نہیں، حتیٰ کہ اہل کفر میں سے بہت سے لوگ خواہ انسانیت ہی کے نام پر سہی اہل غزہ کے لیے تڑپ رہے ہیں، انفرادی و اجتماعی سطح پر احتجاج کی صدا بلند کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان احتجاجوں سے ظالم اور اس کے ظلم میں معاون کسی فریق کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔

آپ خود یہ فیصلہ کریں کہ جس نے امریکی ایئر فورس میں ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آگ لگا کر غزہ کی مدد کرنی چاہی یا مصری پولیس کے جس فرد نے مصر کے چوک پر کھڑے ہو کر فلسطین کا جھنڈا لہرایا، یا جو اپنی بحری کشتی لے کر غزہ کا محاصرہ توڑنے کے نام پر چل پڑے یا جو قافلے کی صورت اہل غزہ کی مدد کے نام پر روانہ ہوئے، کیا ان میں سے کوئی بھی اہل غزہ کی ایسی مدد کر سکا کہ جس سے ان پر ہونے والے مظالم میں کمی خواہ نہ بھی آتی مگر ان پر ظلم کرنے والے کو تو کچھ نقصان پہنچتا! ان میں سے جس نے خلوص کے ساتھ غزہ کی مدد کرنی چاہی اللہ اس کو ایمان کی دولت سے نوازے اور جو مسلمان ہیں انہیں ایمان پر استقامت دے اور درست راہ کی جانب راہنمائی فرمائے۔ مگر بہر حال مذکورہ طریقہ کار سے کیا غزہ کی کوئی حقیقی مدد ہو سکی؟ کیا اہل غزہ کو اس کا کوئی فائدہ پہنچا؟ اس کے برعکس وہی افسر ایئر فورس میں ہوتے ہوئے امریکی و اسرائیلی مفادات کو خاطر خواہ نقصان پہنچا سکتا تھا جس سے اہل غزہ کو واقعی فائدہ پہنچتا۔ جو اپنی کشتی لے کر چل پڑے وہ افراد تو مشہور ہو گئے مگر کیا انہوں نے جو اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا، اتنا مال اور اتنا وقت کھپایا، اس نے غزہ اور اہل غزہ کو کچھ فائدہ دیا؟ یہ تو کشتی کی روانگی کے وقت بھی بچہ بچہ تک جانتا تھا کہ یہ کشتی غزہ کا محاصرہ ختم کرنے میں کوئی عملی کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اور جہاں تک رہی بات غزہ کے معاملے کو منظر عام پر لانے کی تو جس قدر مؤثر طریقے سے اہل غزہ کی نسل کشی کو افراد اور ادارے دنیا کے سامنے لا لا کر ثبت شدہ تاریخ کا حصہ بنا رہے ہیں، اس سے زیادہ مزید کیا منظر عام پر آئے گا یہ معاملہ۔ ہر فرد جو دنیا میں ہونے والے حالات و واقعات میں ذرا سی بھی دلچسپی رکھتا ہے، کچھ نہ کچھ مناظر اہل غزہ پر پڑی مصیبت کے ضرور اس کی نگاہوں سے گزرتے ہی ہیں۔ اہل غزہ پر جو بیت رہی ہے اس کے لیے دیکھنے والی آنکھ سے زیادہ امت کا درد محسوس کرنے والا دل درکار ہے۔ انہیں امدادی کشتیوں کی نہیں بلکہ فوجی کشتیوں کی ضرورت ہے جو ان کا محاصرہ توڑ کر ان کی حقیقی مدد کر سکیں۔

پھر اس سب افراتفری کے بیچ جب امریکہ میں ایک غیرت مند عیسائی (اللہ اسے ایمان کی دولت سے نوازے) نے وہ کیا جو دراصل دنیا بھر میں جگہ جگہ کیا جانا چاہیے تھا، یعنی اس نے غزہ میں ڈھائے جانے والے مظالم کے نتیجے میں امریکہ میں موجود یہودیوں کو قتل کیا تو نا صرف وہ مشہور و معروف صحافی بلکہ وہ مسلمان یا دیگر لوگ جو خود کو فلسطین کے حامی کہلاتے نہیں تھکتے، نے اس کی پرزور مذمت کی اور کہا کہ بھلا یہودیوں کو مارنے سے اہل غزہ کو کیا فائدہ ہو گا اور اس طرح کہیں بھی یہودیوں کا قتل درست نہیں ہے جیسا کہ ان کے یہاں تو فی ذاتہ طوفان الاقصیٰ بھی درست نہ تھا! اگر یہ درست نہیں ہے تو پھر اہل غزہ کی مدد کے لیے اٹھنے والا کون سا قدم درست ہے؟

نیز جب ایمان و حکمت کی سرزمین یمن سے اہل حق مجاہدین نے مظلومین امت کے حق میں بالعموم اور اہل غزہ کے حق میں بالخصوص پکار بلند کی اور ان عملی اقدامات کی جانب توجہ دلائی جن پر عمل کر کے اہل غزہ کی حقیقی مدد کی جا سکتی ہے، وہ اقدامات کہ جن میں امریکی و صہیونی مفادات پر پوری دنیا میں ضرب لگانا سرفہرست ہے تو مسلمانوں میں وہی لوگ جو فلوٹیلا اور

قافلوں پر اور لوگوں کی خود سوزی پر واہ واہ کر رہے تھے، انہوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا کہ اسلام تو امن کا دین ہے اور اسلام تو صلح و صفائی چاہتا ہے اور پوری دنیا میں امریکی صہیونی مفادات پر ضرب لگانے سے مغرب میں بسنے والے مسلمانوں پر زمین تنگ ہو جائے گی، مسلمان ممالک پر معاشی پابندیاں بڑھ جائیں گی، مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان ڈی پورٹ کیے جائیں گے اور ان کی روز مرہ زندگی کا امن خراب ہو گا، مسلمان ملکوں کی معیشت مزید زبوں حالی کا شکار ہو جائے گی، انہیں قرضے نہیں ملیں گے اور وہ مغربی معاشروں میں دہشت گرد کہلائے جائیں گے، وغیرہ۔ اور یہ وہ تبصرے ہیں جو فلسطینی مسلمانوں سے ہمدردی کا دعوی کرنے والے، ان پر ہونے والے مظالم کی تشہیر کرنے والے اور دن اور رات سیز فائر کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے کیے ہیں۔

آپ کی زمین پر کوئی قبضہ کر لے، آپ کا گھر ڈھا دے، آپ کا مال چھین لے، آپ کی اولاد کو قتل کر دے، آپ کے گھر کی عورتوں کو اپنے لیے حلال سمجھے اور آپ کو لقمے لقمے کا محتاج کر دے تو کیا آپ محض زبانی احتجاج پر اکتفا کریں گے یا زیادہ سے زیادہ بھوک ہڑتال کر لیں گے اور ہر راہ گزرتے فرد کو اپنے غم میں شریک کرنے کی کوشش کریں گے اور جب کوئی آپ کی ہمدردی میں آپ کو حق پر جان کر ظالم کا ہاتھ روکنے کے لیے اس پر دست درازی کرے، اس کا مکان گرا دے اور اس کی دکان لوٹ لے تو آپ ہی اس کی مذمت کریں گے اور کہیں گے کہ احتجاج کا یہ طریقہ غلط ہے! ذاتی مفادات کی خاطر تو ہماری سوجھ بوجھ اچھی طرح کام کرتی ہے مگر امت کے مفادات پر ضرب پڑے تو ہم محض چند اشیاء کا بائیکاٹ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے امت کا حق ادا کر دیا اور ہم نے ظالم کا ہاتھ روکنے کے لیے حسب استطاعت اپنا حصہ ڈال دیا۔

کیا ہم وہ واقعہ بھول گئے جب بنو قینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت سے کی گئی بد تمیزی کا بدلہ پورے یہودی قبیلے سے لیا گیا تھا؟ کیوں؟ کیونکہ وہی تھے جو بد تمیزی کرنے والے کے پشت پناہ تھے، انہی کی قوت و شوکت کی وجہ سے شیر ہو کر اس شخص نے ایسی جرأت کی تھی اور اس ایک شخص کو سزا دینے سے اس پورے جتھے کی جرأت کم نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک مسلمان عورت کی پکار پر معتصم باللہ نے پوری فوج کے ساتھ لشکر کشی کی اور اس خاتون کو اس کا حق دلایا۔ معتصم اس ایک خاتون کو عزت و احترام کے ساتھ اپنے ملک میں بلا کر، انہیں ایک محل میں بسا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش بھی تو ہو سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا، اور خاتون کی پوری قوم کو ان کا حق دلایا۔ تو کیا یہ داستانیں محض سر دھننے کے لیے ہیں یا یہ نمونہ ہائے عمل ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جہاد و قتال فرض کیا ہے۔ قتال کے نتیجے میں خون بہے گا۔ اگر کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ وہ خون محض کافر کا ہو گا تو اس کی سوچ و فکر درست نہیں۔ اللہ نے کافروں سے نہیں، مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ تمہیں خوف، بھوک، جان اور مال اور فصلوں کے نقصان سے آزمایا جائے گا اور جو ان آزمائشوں پر صبر کرے گا اسی کے لیے بشارت ہے۔ اگر امت یہ سمجھتی ہے کہ کسی کا بھی امن خراب نہ ہو، ہر ایک اپنی روز مرہ زندگی کے امور سکون سے ادا کرتا رہے، بقول غازی عبد الرشیدؒ کہ کوئی اسے اوئے بھی نہ کہے اور یوں ہی شریعت کا نظام قائم ہو جائے تو ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ظالم کا ظلم اسی وقت رکے گا جب اس کی لائف لائن پر ہاتھ ڈالا جائے گا۔ وہ اس وقت بوکھلائے گا جب اس کی معاشی کمر ٹوٹے گی۔ وہ اس وقت تڑپے گا جب اس کے حامی اس کے خلاف ہو جائیں گے، جب اس کے تمام معاونین 'تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو' کے مصداق اپنی اپنی نیا پار لگانے کی فکر میں لگ جائیں گے کیونکہ ان سب کے اپنے مفادات خطرے میں پڑے ہوں گے، اور تب وہ اس ظالم کو تنہا چھوڑ دیں گے اور تب یہ اپنے ظلم و طغیان سے باز آئے گا۔ جیسا کہ شیخ اسامہؒ نے کہا کہ مثلاً اگر ظالم کا کان کاٹ دینے سے وہ مر جاتا ہے مگر اس کا دایاں کان محفوظ ہے، آپ کی پہنچ اس تک نہیں ہے تو آپ اس کا بایاں کان کاٹ دیں، وہ پھر بھی مر جائے گا۔ اسرائیل اگر آپ کی پہنچ سے دور ہے تو اسرائیل تو بذات خود کچھ بھی نہیں ہے، اس کی اپنی تو کوئی حیثیت نہیں ہے اگر اسے امریکی حمایت حاصل نہ ہو۔ پس امریکی معاشی، عسکری و انفرادی مفادات تو آپ سے دور نہیں ہیں، وہ تو قدم قدم پر بکھرے پڑے ہیں۔ اٹھیں اور ان پر ضرب لگائیں۔ ان پر ضرب لگے گی تو انہیں سمجھ آئے گی کہ یہ ہمارے اعمال کی سزا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے اعمال سے باز آئے یا نہ آئے امت کو ضرور وہ راستہ دکھائی دے گا جو شرف و عزت کا ہے، دعوت و جہاد کا ہے اور جس کا انجام دنیا میں بھلا خون خرابہ ہی کیوں نہ ہو، آخرت میں وہ کامیابی کی ضمانت ہے۔

یہ امت مظلوم بن کر رہنے کے لیے مبعوث نہیں ہوئی یہ تو اقوام عالم کی رہنمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ مگر جب اس نے اپنا مقام بھلا کر غیروں کی غلامی کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کی تو اس مغلوب ذہنیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری نسلیں اب مظلوم کارڈ کھیلنے کو ہی اپنا دفاع سمجھنے لگی ہیں۔ حالانکہ اللہ نے اسی امت کو اقدامی جہاد کا حکم دیا ہے، جسے عرف عام میں جارحیت کہا جاتا ہے اور اس کا مقصد خون بہا کر کفر و شرک کی قوت و شوکت توڑنا اور کفر و شرک کو اللہ کی زمین سے ختم کر کے اللہ کا نظام اس دنیا میں نافذ کرنا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ فتنہ، جس کی تفسیر کفر و شرک اور کفر و شرک کی قوت و شوکت سے کی گئی ہے، خون بہانے سے شدید تر ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾، اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ خون بہائے بغیر خلافت علی منہاج النبوۃ کی منزل حاصل ہو جائے تو یہ خواب و خیال میں بھی ممکن نہیں ہے۔ اس امت کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے خون کا خراج دینا ہو گا، اپنا امن اور سکون قربان کرنا ہو گا، خوف اور بھوک کو سہنا ہو گا، کیا اتنا سہل ہے فتنۂ دجال سے بچ کر بغیر کوئی قربانی دیے اپنی جنت سجا لینا!

(بقیہ صفحہ نمبر 94 پر)

غزہ کی امدادی شکار گاہیں

وسعت اللہ خان

جب نازیوں نے پولینڈ میں یہودی نسل کشی کے لیے کنسنٹریشن کیمپ بنائے تو یہودیوں کو مال گاڑیوں میں جانوروں کی طرح بھر بھر کے ان کیمپوں میں پہنچایا جاتا۔ مشقت کے قابل تنومند جوانوں کو الگ کر کے بچوں، بوڑھوں اور لاغر خواتین کو فوراً گیس چیمبرز میں بھیج دیا جاتا۔

یہودیوں کو مال گاڑیوں میں سوار کروانے کے لیے یہ جھوٹ بولا جاتا کہ آپ کو نئی بستیوں میں آباد کیا جائے گا جہاں تمام بنیادی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ بطور زادِ سفر فی خاندان مکھن، شہد، بریڈ، بسکٹ سے بھرا تھیلا ملے گا۔ خوفزدہ اور فاقوں کے مارے انسان قاتل کے جھانسے میں آ جاتے جیسے بھیڑ بکریوں کو چارہ دکھا کے مذبح خانے کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر مال گاڑیوں میں سوار ہونے والے ان بد قسمتوں کی کوئی خبر نہ آتی۔

اسرائیل اسی نسل کش نازی مثال کو فلسطین میں استعمال کر رہا ہے۔ ادنیٰ ترین مثال یہ ہے کہ فلسطینیوں کی ستتر برس سے دیکھ بھال کرنے والی اقوامِ متحدہ کی تنظیم انرا کے ڈھانچے کو تتر بتر کرنے کے بعد اسرائیل اور امریکہ نے غزہ میں امدادی ہانکہ لگا کے فاقہ زدوں کو گھیرنے کے لیے ''غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن'' (جی ایچ ایف) کے نام سے موت کا ایک مشترکہ پھندہ بنایا ہے۔

ہزاروں فلسطینی جب مئی کے اواخر سے کھولے گئے جی ایچ ایف کے تین ''امدادی مراکز'' کا رخ کرتے ہیں تو اردگرد موجود مسلح اسرائیلی فوجی انہیں جانوروں کی طرح تاک تاک کے شکار کرتے ہیں۔ ان میں وہ بچے بھی شامل ہیں جن کے خاندان کے سب بڑے مارے جا چکے ہیں اور ان کی مائیں بہنیں انہیں امداد لینے کے لیے آگے بھیجتی ہیں اور اکثر امدادی تھیلے کے بجائے ان کی لاش وصول کرتی ہیں۔ کئی بڑے اور بچے تو اس انداز میں گولیوں کا نشانہ بنے کہ مرنے کے بعد بھی ان کی بند مٹھی میں خالی تھیلا تھا۔

غزہ ہیومینیٹیرین فاؤنڈیشن کا نام تین ماہ پہلے تک کسی نے نہیں سنا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ کھلا کہ دراصل جی ایچ ایف اسرائیل اور امریکہ کی مشترکہ ''فرنٹ'' کمپنی ہے۔ اس کے کرتا دھرتا فل رائلے نامی ایک صاحب ہیں۔ وہ ایک امریکی سکیورٹی کمپنی کے وائس پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں جو عراق پر امریکی قبضے کے بعد قتلِ عام کی متعدد وارداتوں میں ملوث رہی۔

غزہ ہومینیٹیرین فاؤنڈیشن کی دوسری پارٹنر یو جی سلوشنز نامی امریکی کمپنی ہے۔ اس کمپنی کو جنوری تا مارچ برقرار رہنے والی جنگ بندی میں غزہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والے نیتزرم فوجی کاریڈور پر فلسطینی پناہ گزینوں کی تلاشی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ اس کام کے عوض کمپنی کے ہر محافظ کو گیارہ سو ڈالر روزانہ کی دہاڑی مل رہی تھی۔

سوا ماہ قبل جب سے جی ایچ ایف نے غزہ میں امداد کی تقسیم شروع کی اب تک اس کے تینوں مراکز پر روزانہ فائرنگ میں چھ سو سے زائد فلسطینی جاں بحق اور چار ہزار سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ متاثرین میں لگ بھگ نصف تعداد بچوں کی ہے۔

امداد کے نام پر موت کے مراکز کے مقامی عینی شاہد بتاتے ہیں کہ ان مراکز کے اندر اور باہر خنجروں اور ریوالوروں سے مسلح مقامی جرائم پیشہ مسٹنڈے منڈلاتے رہتے ہیں۔ وہ جی ایچ ایف کے عملے اور اسرائیلی فوجیوں کی آنکھوں کے سامنے کسی نہ کسی طور امداد لینے میں کامیاب ہونے والے بھوکوں سے یہ تھیلے چھین لیتے ہیں اور پھر انھیں بلیک مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں۔ جب مشتعل مستحقین اور ان مسٹنڈوں میں جھگڑا ہوتا ہے تو اسرائیلی فوجی اور جی ایچ ایف کے مسلح محافظ گولیاں برساتے ہیں۔

اسرائیل کا اب تک یہ مؤقف رہا ہے کہ ان پناہ گزینوں کو کنٹرول کرنے اور انہیں اپنی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے مجبوراً گولی چلائی جاتی ہے۔ تاکہ امدادی مراکز کے تحفظ پر متعین اسرائیلی فوجیوں کو حماس کے کسی ناگہانی مسلح حملے سے تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

مگر گزشتہ ہفتے بلی تھیلے سے باہر آ گئی جب موقر اسرائیلی اخبار ہاریتز میں اسرائیلی فوجیوں کی گواہی پر مشتمل یہ رپورٹ شائع ہوئی کہ فوج کے پراسیکیوٹر دفتر نے ہائی کمان سے مطالبہ کیا ہے کہ ان اطلاعات کی تحقیقات کروائی جائیں کہ امداد کے متلاشی نہتے فلسطینیوں کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

کچھ اسرائیلی فوجیوں نے ہاریتز کو بتایا کہ یہ فلسطینی ہمارے لیے خطرہ نہیں ہوتے مگر ہمیں حکم ملتا ہے کہ بد نظمی پر قابو پانے کے لیے فساد کنٹرول کرنے کے مروجہ پولیس طریقے (ڈنڈے، آنسو گیس، ربڑ کی گولیاں، آبی توپیں وغیرہ) استعمال کرنے کے بجائے سیدھی فائرنگ کی جائے۔ جو ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں ان میں مشین گنیں مارٹر لانچرز حتیٰ کہ ٹینکوں کا فائر بھی شامل ہے۔

ایک فوجی نے اخبار کو بتایا کہ امداد کے متلاشی فلسطینیوں کا ہجوم بطخوں کے جھنڈ کی طرح ہوتا ہے۔ میں جس جگہ تعینات تھا وہاں ایک دن میں پانچ لوگوں کو تاک کر نشانہ بنایا گیا۔ میں نے

اپنے ساتھیوں سے یہ بھی سنا کہ دیگر امدادی مراکز پر فوجی آپس میں شرط لگاتے ہیں کہ آج کون کتنے ”گرائے“ گا۔

بین الاقوامی قانون کے کچھ ماہرین نے اسے سیدھا سیدھا جنگی جرم قرار دیتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ ان جرائم کے دائرے میں امدادی تنظیم جی ایچ ایف بھی آتی ہے جو امداد کے متلاشیوں کو مسلسل لاحق سنگین جانی خطرات کے باوجود جان بوجھ کے امداد تقسیم کر رہی ہے۔ یہ عمل شریکِ جرم ہونے کے برابر ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ نے جی ایچ ایف کی اب تک کی ”شاندار کارکردگی“ سے مطمئن ہو کر خوراک کی اس جان لیوا تقسیم کے لیے گزشتہ ہفتے مزید تین کروڑ ڈالر کی امداد منظور کی ہے۔

غزہ کے فلسطینیوں کو دو مارچ کے بعد سے خوراک کی بین الاقوامی رسد نہیں پہنچی۔ (جو ریاست انہیں بھوکا مار رہی ہے وہی ریاست امداد دینے کے بہانے ہلاک بھی کر رہی ہے)۔

اس وقت فلسطینیوں کے سامنے دو راستے ہیں۔ بھوک سے مریں یا امداد حاصل کرنے کے دوران اسرائیلی فوج کی گولیوں سے مریں۔ بلیک مارکیٹ میں آٹے کی قیمت پچیس سے تیس ڈالر فی کلوگرام ہے۔ بیشتر لوگوں میں خریدنے کی سکت نہیں۔ اکثر مسور کی دال کو کہیں سے میسر پانی میں ابال کے بطور سوپ چوبیس گھنٹے میں ایک بار کھا لیتے ہیں۔ جی ایچ ایف کے امدادی مرکز سے جو تھیلہ ملتا ہے اس میں پاستا تو ہوتا ہے بچوں کا دودھ نہیں ہوتا۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

جنگ تھی اور نامعلوم کب کوئی نامعلوم تیر براءؓ کے لگتا اور وہ شہید ہو جاتے۔ ایسی صورتِ حال میں حضرت براءؓ کے بھائی، خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو کہا:

”بھائی ایسا نہ ہو کہ اچانک موت آ جائے اور تم اشعار پڑھنے کی حالت میں دنیا سے چلے جاؤ۔“

یہ سن کر، عشقِ جہاد میں ڈوبے براءؓ بولے:

”میں نے ساری زندگی اسی کام (جہاد) میں گزاری ہے۔ مجھے اگر موت آئی تو اسی حال میں آئے گی، اور یہی مجھے محبوب ہے۔“

(تاريخ الإسلام للذهبي)

اے اللہ! ہماری زندگی بھی اسی کام میں گزروا جس میں براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی زندگی گزری اور پھر موت بھی اسی کام میں دے، مقبلاً غیر مدبرٍ، آمین!

قافلۃ الصمود کو روکنے والے

ہم جب کہتے ہیں کہ جہاں #قافلۃ_الصمود کو روکا گیا، تو سمجھ لیجیے کہ اسرائیل کی حدود وہیں سے شروع ہوتی ہیں... تو ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس سلوک کا مستحق اسرائیل ہے، اسی سلوک کے مستحق خادم و غلام اسرائیل بھی ہیں جنہوں نے اسرائیل کی حدود کو وسعت بخشی ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: دل مردہ کو زندہ، تن مردہ کو بیدار کر

عوام کیا اچھے بھلے بظاہر سمجھ دار لوگوں تک کا دل انہیں اس دور کی تصویر تو دکھلاتا ہے کہ جب پوری دنیا میں امن کا دور دورہ ہو گا، کوئی صدقہ و خیرات وصول کرنے والا باقی نہیں بچے گا اور ہر طرف راوی چین ہی چین لکھتا ہو گا، مگر اس دور تک پہنچنے کے لیے آزمائشوں اور فتنوں کے جس مرحلے سے گزرنا ہو گا، خون کے جن دریاؤں کو پار کرنا ہو گا اور جو نسلوں کی نسلیں قربانیاں دیں گی اس کی طرف سے وہ نگاہیں بند کر لینا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

بچپن میں ایک کہانی پڑھتے تھے بارش کے پہلے قطرے کی۔ کہ کیسے لوگ تڑپ رہے ہیں بارش کے لیے، گھر گھر کر کالے بادل آئے ہیں، مگر بارش ہے کہ برس کر نہیں دے رہی۔ کیوں؟ کیونکہ کوئی بھی وہ پہلا قطرہ بننے کو تیار نہیں ہے جو زمین پر گرے اور زمین کی تپش اسے جھلسا کر رکھ دے۔ پھر ایک قطرہ ہمت کرتا ہے اور اس کی ہمت باقیوں کے لیے تحریض بنتی ہے اور پھر قطرہ قطرہ مل کر موسلا دھار مینہ بن جاتا ہے، دھرتی سیراب ہو جاتی ہے، مردہ کھیتی لہلہانے لگتی ہے، انسانوں اور چوپایوں کو نئی زندگی مل جاتی ہے اور ہر طرف سکون اور خوشیاں رقصاں نظر آنے لگتی ہیں۔ بارش کا وہ پہلا قطرہ کہ جو امت کے مردہ جسم میں جان ڈالنے کا باعث بن جائے، میں اور آپ بھی ہو سکتے ہیں اگر ہمارا منہج، ہمارا ہدف اور ہمارا طریقہ کار درست ہو اور ہماری منزل وہ ہو جسے ہمارے رب نے ہمارے لیے پسند فرمایا ہو۔ اللہ ہمیں حق کو حق دکھائے اور اس کی اتباع کرنے والا بنائے اور باطل کو باطل دکھائے اور اس سے اجتناب برتنے والا بنا دے، آمین۔

☆☆☆☆☆

۸ قسط

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

مترجم: جلال الدین حسن یوسف زئی

قندھار اور نظام کی پہلی بنیاد

ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں طالبان نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو افغانستان کا سابق دار الحکومت اور دوسرا بڑا شہر قندھار فتح کر لیا۔ قندھار اور اس جیسے دیگر مفتوحہ شہروں کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ ایک صالح اور معیاری نظامِ حکومت کا نفاذ تھا۔

طالبان سے قبل قندھار اور افغانستان کے دوسرے علاقوں میں کوئی منظم حکومت موجود نہیں تھی اور ہر جگہ افراتفری اور بدنظمی کا راج تھا۔ ملا صاحب نے اپنے پہلے اقدام میں شرعی بنیادوں پر قائم نظام اور اداراتی سسٹم کو کھڑا کرنے کی کوشش شروع کی۔

ملا محمد عمر مجاہد اس اسلامی تحریک کے موسس اور رہنما تھے، آپ نے ہی اسلامی انقلاب کی دعوت دی اور تن تنہا بندوق برداروں کے خلاف مقابلے کے لیے مخلص مجاہدین اور طالبان کو آمادہ کرنے کے لیے قدم اٹھایا، اور خود بنفس نفیس اسلامی تحریک کے عمومی امیر یا رہنما کی حیثیت سے آگے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قندھار کی فتح کے بعد حکومتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے قندھار کے اہم اداروں کے لیے مسئولین منتخب کیے۔

- ملا محمد حسن اخوند صوبہ قندھار کے گورنر،
- ملا محمد اخوند تحریک کے عمومی مسئول،
- ملا بورجان اخوند سکیورٹی کمانڈر،
- ملا عبید اللہ اخوند مسئولِ عسکری،
- مولوی عبد السلام ائیر پورٹ کے مسئول،
- مولوی احسان اللہ احسان مالیات کے مسئول،
- ملا محمد عباس اخوند قندھار شہر کے میئر،
- ملا حاجی محمد اخوند بینک کے رئیس،
- مولوی وکیل احمد متوکل اطلاعات و ثقافت کے صدر
- اور 'ملا اللہ داد طبیب' کسٹمز کے سربراہ کے طور پر منتخب کیے گئے۔

ان مسئولین نے اپنے اداروں میں کام کی ابتدا بالکل صفر سے کی، قندھار کے حکومتی اداروں میں نظم وضبط کی جگہ بندوق برداری کا اثر باقی تھا، طالبان کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ قندھار کے عوامی اداروں اور ڈپارٹمنٹوں سے بندوق برداروں، منشیات، بدکرداری اور ظلم کے آثار کو صاف کر دیں۔

اس عرصے میں تحریک کے تنظیمی ڈھانچے میں بہتری اور وسعت کے راستے میں ملا صاحب کا اگلا کامیاب اقدام اعلیٰ شوریٰ کی منظوری اور تشکیل تھی جس نے ابتدائی حالات میں سیاسی اور انتظامی امور میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلامی تحریک کی اعلیٰ شوریٰ کے ابتداء میں آٹھ ارکان تھے لیکن بعد میں یہ تعداد کم یا زیادہ بھی ہوتی رہی۔ اس شوریٰ کے پاس اسلامی تحریک کے امیر ملا محمد عمر مجاہد کے بعد اہم اختیارات تھے اور اہم امور کے بارے میں یہ شوریٰ غور و فکر، مشورے اور فیصلے کیا کرتی تھی۔

شوریٰ کے اجلاس ابتدا میں ملا صاحب کی سربراہی میں منعقد ہوتے رہے لیکن بعد میں انتظامی امور میں ملا صاحب کی مصروفیت کی وجہ سے ملا محمد ربانی کی صدارت میں منعقد ہونے لگے۔ ملا صاحب کی توجہ تحریک کے آغاز سے ہرات کی فتح تک زیادہ تر عسکری امور کی طرف رہتی، اکثر اوقات عسکری مسئولین کے ساتھ مصروف رہتے یا جنگی علاقوں کا دورہ کرتے۔ اس مرحلے میں سیاسی امور، ملاقاتیں، عوامی اور فلاحی امور، نئے آنے والے علماء اور طلبہ کا استقبال اور اس سمیت دیگر غیر عسکری امور کی نگرانی شوریٰ کی طرف سے کی جاتی تھی۔

ملا صاحب نے قندھار کے صوبائی دفتر کو رہائش گاہ کے لیے منتخب کیا، اس دوران جب مختلف علاقوں سے مدارس کے طلبہ اور مجاہدین جوق در جوق تحریک میں شامل ہو رہے تھے، ملا صاحب ان کے ساتھ صوبائی دفتر میں ملاقات کرتے، ان کی بیعت کو قبول کرتے، ان کو اپنے ذمہ داران اور مجموعے کے امیر کی نشاندہی کراتے، اور پھر انہیں ضرورت کے پیشِ نظر عسکری یا سول کاموں پر بھجوا دیتے۔ طالبان کی تحریک سے قبل ملک کے اندر اور باہر مدارس کے طلبہ 'جمعیت طلبہ' یا 'اہل السنہ والجماعہ' جیسے مختلف اتحادوں کے نام سے موجود تھے، طالبان کی تحریک کے آغاز کے ساتھ یہ سارے گروپ ایک صف میں شامل ہوئے اور ملا محمد عمر مجاہد کو عمومی امیر کے طور پر قبول کیا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ملا محمد عمر مجاہد نے ایک فرمان جاری کرتے

ہوئے تحریک سے باہر طالبان کے تمام گروپوں یا اتحاد کو تحلیل کرنے کا اعلان کیا۔ جس سے وحدتِ صفوف کو مزید تقویت ملی۔

قندھار میں نظام کا ابتدائی ڈھانچہ بننے کے بعد حکومتی نظام فعال ہوگیا، بلدیہ، بینک، پانی و بجلی، صحت عامہ، تعلیم اور دیگر ریاستوں نے اپنی خدمات کا آغاز کر دیا۔ عدالتی شعبہ فعال ہوا اور روس کے خلاف جہاد کے دوران مشہور قاضی مولوی سید محمد پاسنی صاحب کو شرعی عدالت کا رئیس بنا دیا گیا۔ ثقافتی شعبے میں قندھار کا ریڈیو سٹیشن فعال ہوا اور صدائے شریعت (شریعت غږ) کے نام سے اپنی نشریات کا آغاز کر دیا، ریاستِ اطلاعات و ثقافت کی طرف سے طلوع افغان جریدہ جو کئی سال سے تاخیر کا شکار تھا شائع ہونا شروع ہوا۔

حکومتی نظام کے طویل عرصے تک فقدان کے بعد قندھار اور بعد میں افغانستان کے دیگر علاقوں میں اسلامی طالبان کی تحریک کی طرف سے جو نظام بنا، اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ نظام شرعی بنیادوں پر کھڑا تھا اور اس نظام میں ہر معاملے میں اسلامی شریعت کو ہر چیز سے بڑھ کر معتبر قانون کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی نظام فتوحات کے ساتھ ساتھ دیگر صوبوں اور اضلاع میں بھی پھیل رہا تھا۔

طالبان مدارس سے میدانِ جنگ کی جانب

اگرچہ ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں اٹھنے والی طالبان کی تحریک کا آغاز چند ہی ماہ قبل ہوا تھا، لیکن سپین بولدک اور قندھار شہر کی فتح کے بعد پہلی بار میڈیا نے طالبان کی تحریک کے بارے میں رپورٹ شائع کرنا شروع کر دیں۔ یہ خبریں ملک کے اندر اور دوسرے ممالک میں خصوصاً مہاجر کیمپوں میں مقیم لوگوں کے لیے، جو ملک میں جاری حالات سے پریشان تھے اور ایک امید کی روشنی کے منتظر تھے، توجہ کا مرکز بنیں کہ وہ اس نئی اٹھنے والی تحریک کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور اگر یہ تحریک ان کی امیدوں کا محور، جہادی مقاصد اور ملک کے فائدے میں ہو تو اس میں خود بھی شامل ہو جائیں۔ اسی طرح ایک جانب ملک کے مختلف علاقوں سے مخلص جہادی کمانڈر اور اہلِ خیر حضرات نے طالبان کی تحریک کے ساتھ رابطے کرنا شروع کر دیے تو دوسری جانب ملک کے مختلف علاقوں اور پاکستان میں افغان مہاجر کیمپوں سے مدارس کے طلبہ نے بھی تحریک کے ساتھ روابط اور ان میں شامل ہونے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ملا خیر اللہ خیر خواہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے طالبان کی تحریک کا اس وقت پتا چلا جب میں پاکستان کے شہر کوئٹہ میں ہجرت کی زندگی گزار رہا تھا اور مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ مدرسہ میں موجود افغانی طالبان جمع ہو گئے جن کی تعداد ۱۳۰ افراد پر مشتمل تھی۔ یہ سارے غریب طلبہ تھے ان کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ قندھار کا سفر کر سکیں۔ ایسے میں قندھار سے تعلق رکھنے والے ’لالک ماما‘ نامی ایک خیر خواہ نے ان طالبان کو گاڑی کا کرایہ دیا اور وہ سب طالبان قندھار پہنچ گئے اور وہاں طالبان کی تحریک کے ساتھ شامل ہوئے۔

مولوی شہاب الدین دلاور صاحب بتاتے ہیں کہ اس وقت میرا پشاور کے مہاجر کیمپ ’سیاف فیملی‘ میں مدرسہ تھا جس میں چار سو طلبہ رہتے تھے، اور اتنی ہی تعداد میں مزید طلبہ پڑھنے آتے تھے۔ اسی طرح شیخ الحدیث مولوی محمد نعیم صاحب، حاجی مولوی محمد صادق صاحب، مولوی نور محمد ثاقب صاحب اور بے شمار دیگر علمائے کرام بھی پشاور کے مدارس میں درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ جب قندھار میں اسلامی تحریک شروع ہوئی، تو یہاں مہاجر کیمپوں میں علمائے کرام جمع ہوئے اور مشاورت کی، علمائے کرام کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ واقعی ایک اسلامی اور افغانی تحریک ہے، تو علمائے کرام نے اس کی حمایت شروع کر دی۔ مہاجر کیمپ کے بازار میں ہم نے ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا جس میں تمام جہادی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں مہاجر علمائے کرام نے اتفاق کے ساتھ طالبان کی اسلامی تحریک کی حمایت کی اور مدارس کے طلبہ کو اس تحریک میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ اس طرح قندھار کی فتح کے ایام میں ۲۵۰۰ سے زائد طلبہ صرف پشاور کے افغان مہاجرین کے مدارس سے اسلامی تحریک میں شامل ہوئے۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ طالبان کی اسلامی تحریک کے آغاز سے قبل دینی مدارس میں افغان طلبہ کی مختلف تنظیموں کے تحت تشکیلات تھی، جو اہل السنہ والجماعہ اتحاد کے نام سے سرگرم تھے۔ طالبان کی اسلامی تحریک شروع ہونے کے بعد اس اتحاد میں شامل تمام طلبہ اسلامی تحریک میں شامل ہو گئے۔

قاری دین محمد حنیف صاحب کہتے ہیں کہ افغانستان کے شمالی صوبوں کے زیادہ تر طالبان تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی قندھار پہنچ گئے اور وہاں اسلامی تحریک میں شامل ہوئے۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، جب طالبان نے صوبہ خوست فتح کیا، تو صرف صوبہ بدخشان سے ۱۱۷ طالبان نے، جو دیارِ ہجرت کے دینی مدارس میں پڑھ رہے تھے، اپنی تعلیم کو ادھورا چھوڑا اور خوست میں اسلامی تحریک کے ساتھ شامل ہو گئے۔

ملک اور دیارِ ہجرت کے مختلف علاقوں کے مدارس سے طالبان کی آمد اور ان کے تحریک میں شامل ہونے نے نہ صرف تحریک کی افرادی قوت میں اضافہ کیا، بلکہ چونکہ یہ طالبان ملک کے مختلف علاقوں اور اقوام سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے یہ ایک ایسی تحریک بن گئی جو تمام اقوام کی نمائندگی کر رہی تھی۔ مدارس اور دینی تعلیم سے اٹھ کر آنے والے یہ نوجوان طلبہ وہ صالح اور مصلح لوگ تھے جنہوں نے بہت جلد افغان عوام کے دلوں میں گھر کر لیا۔ افغان عوام کو نظر آ رہا تھا کہ اب بڑی شاہراہوں پر بدکار اور فاسق بندوق برداروں کے چیک پوائنٹس اور مورچے نہیں رہے بلکہ ہر جگہ اور ہر طرف سفید پوش طالبان کے نورانی چہرے، باجماعت نمازیں، دعوتی و اصلاحی مجالس دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ ایسے میں عوام نے طالبان کی اسلامی تحریک کو نہ صرف ایک دینی اور جہادی مقاصد کے ساتھ مخلص جماعت کی حیثیت سے قبول کیا بلکہ ان کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لیے بھی کمربستہ ہو گئے۔ یہی عوامی حمایت تھی جس کے

سبب طالبان اس قابل بنے کہ انہوں نے انتہائی قلیل مدت میں ملک کے اکثر علاقوں سے بندوق برداروں کو بے دخل کر دیا۔

فتوحات اور نظام کی وسعت

قندھار میں طالبان کے مستحکم ہونے اور تمکین ملنے کے بعد اس تحریک نے سیاسی میدان میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ اس دوران ملک کے تمام علاقوں سے علمائے کرام، مدارس کے طلبہ اور فتنہ و فساد کے خلاف جہاد میں شرکت کے خواہش مند مجاہدین، سب نے قندھار کا رُخ کیا۔ اس وجہ سے طالبان کی تحریک کی قوت میں آئے روز اضافہ دیکھنے میں آیا اور دیگر علاقوں میں کام کے لیے راستے ہموار ہوئے۔ علمائے کرام، طلبہ اور مجاہدین اسلامی تحریک کی حمایت سمیت یہ مطالبہ بھی کر رہے تھے کہ ان کے علاقوں میں بھی تحریک کا کام شروع ہو جائے تاکہ وہاں بھی فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو۔

اسی وجہ سے دسمبر ۱۹۹۵ء میں، ملا صاحب کی قیادت میں اسلامی تحریک کے مسئولین نے تین اطراف میں تشکیلات بھیجی۔ ملا نور الدین ترابی کی قیادت میں زابل کی طرف، ملا محمد ربانی کی قیادت میں صوبہ اروزگان کی طرف اور ملا محمد اخوند کی قیادت میں صوبہ ہلمند کی طرف تشکیلات بھیجی گئیں اور اس آخری تشکیل میں ملا صاحب خود بھی شامل تھے۔

ملا محمد عمر مجاہد نے لشکر گاہ، گرشک اور ہلمند کے بعض مرکزی علاقوں پر بغیر جنگ کے قبضہ کیا، ہلمند کے شمالی اضلاع میں امیر داد اور غفار اخوندزادہ کے نام سے کمانڈروں نے طالبان کے خلاف جنگ کی ٹھانی۔ ملا صاحب نے ان کے پاس ملک کے مشہور علمائے کرام مولوی محمد صادق، مولوی موسیٰ جان، مولوی محمد میر، مولوی شہاب الدین دلاور، مولوی نور محمد ثاقب اور دیگر علماء کا وفد بھجوایا، اس کے علاوہ چند دیگر وفود بھی بھجوائے گئے اور مسلسل ان سے مطالبہ کیا کہ ناجائز کاموں سے باز آجائیں اور اس ظلم کے خاتمے کے لیے اسلامی تحریک میں شامل ہو جائیں۔ لیکن انہوں نے ان جرگوں اور مطالبات پر کان نہیں دھرے، جس کے جواب میں ملا محمد اخوند کی قیادت میں طالبان نے ان کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ بالاخر دو دنوں تک جاری رہنے والی لڑائی میں ضلع سنگین کے ساروان قلعہ، ضلع کج کئی، موسی قلعہ اور اس سمیت دیگر علاقوں کو پکڑ لیا اور اسی طرح پورا ہلمند طالبان کے قبضے میں آ گیا۔

انہی دنوں جب ملا صاحب صوبہ ہلمند کے انتظامی امور میں مصروف تھے، اروزگان بھی بغیر کسی لڑائی کے طالبان کے ہاتھ میں آ گیا اور طالبان کلات، شاجوئی اور قرہ باغ سے گزرتے ہوئے بغیر لڑائی کے ۱۹ جنوری کو غزنی شہر میں داخل ہو گئے۔ اس وقت غزنی پر قابض ہونے کے لیے حکمت یار اور حزبِ وحدت کے مسلح افراد بھی جمع ہو گئے تھے اور غزنی شہر کے مشرق اور جنوب میں واقع روضی اور یونٹ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ملا صاحب نے ۱۸ فروری کو ہیلی کاپٹر میں تاریخی شہر غزنی کا دورہ کیا اور وہاں کے حالات کا قریب سے جائزہ لیا۔ انہی دنوں غزنی شہر کے مشرق میں طالبان نے حکمت یار اور مزاری کے جنگجوؤں سے جنگیں کیں، جس میں مخالفین کو شکست ہوئی اور صوبہ وردگ کے ضلع سید آباد کو پکڑنے کے بعد طالبان میدان شہر تک پہنچ گئے۔

۱۲ فروری کو ملا صاحب نے چند مسئولین کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں پہلے غزنی اور پھر صوبہ وردگ کے ضلع سید آباد کا سفر کیا۔ اس وقت طالبان میدان شہر کے خط تک پہنچ گئے تھے لیکن میدان شہر ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔

ماہِ رمضان میں ملا صاحب شیخ آباد آ گئے۔ سردیوں کا موسم تھا اور شدید ٹھنڈ تھی۔ طالبان نے اس وقت تک کوئی فوجی بیس نہیں بنائی تھی۔ طالبان کے ایک کمانڈر ملا احمد اللہ اخوند نے شیخ آباد کے شہر میں ایک ہوٹل والے سے بات کی کہ پیسوں کے عوض طالبان کے مسئولین کے لیے سحری، افطاری اور رات گزارنے کا بندوبست کر دے۔

ملا صاحب نے جنگی حالات اور فتوحات کے پیشِ نظر عسکری اجلاس بلایا جس میں ملا صاحب سمیت ملا محمد ربانی، ملا نور الدین ترابی، ملا بورجان اخوند، ملا احمد اللہ، ملا محمد غوث، معلم فداء محمد اور دیگر مسئولین نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ میدان شہر پکڑنے کے بعد کابل کی جانب پیش قدمی نہ کی جائے، بلکہ صوبہ لوگر کی جانب پیش قدمی کی جائے کیونکہ درۂ تنگی سے حزب کے مسلح افراد نے مسلسل پیچھے کی جانب سے طالبان پر حملے کیے تھے۔ اس اجلاس میں اس بات پر بھی تاکید از ور دیا گیا کہ احمد شاہ مسعود کے ساتھ لڑائی کے بجائے صلح کی کوشش کی جائے تاکہ مسائل بغیر جنگ کے حل ہو جائیں۔

اس اجلاس سے اگلی صبح طالبان نے میدان شہر کو حزب کے مسلح افراد سے معمولی لڑائی کے بعد فتح کر لیا اور اس کے بعد صوبہ لوگر کا مرکزی شہر پل عالم اور کابل کے ضلع چہار آسیاب کا کنٹرول بھی سنبھال لیا۔ چہار آسیاب کی فتح کے بعد ملا محمد عمر مجاہد ہیلی کاپٹر کے ذریعے پل عالم پہنچے اور وہاں طالبان کے مسئولین مولوی احسان اللہ احسان، ملا محمد ربانی، ملا محمد غوث، ملا نور الدین ترابی، ملا عبد السلام راکٹی، ملا یار محمد، ملا محمد اخوند، حاجی ملا محمد اخوند، ملا بورجان اخوند اور ان جیسے دیگر مسئولین کے ساتھ مشاورتی اجلاس منعقد کیا اور اس پہ بحث ہوئی کہ اس کے بعد آگے کا کیا اقدام ہو گا؟ فیصلہ اس بات پر ہوا کہ کابل کی طرف صرف دفاعی خطوط کو مضبوط کیا جائے گا اور ہلمند سے فراہ کی جانب پیش قدمی شروع کر دیں گے۔ کیونکہ اس وقت اسماعیل خان طالبان کے خلاف جنگجوؤں کو منظم کرنے میں مصروف تھا۔

ملا صاحب فتنہ و فساد کے خلاف جہاد میں لڑائی سے قبل صلح کو اہم حل سمجھتے تھے اور اسے اہمیت دیتے تھے۔ طالبان کو ہمیشہ تاکید کرتے کہ لڑائی سے قبل بہر صورت ان کو نرمی سے قائل کرنے کی کوشش کریں۔ طالبان نے چہار آسیاب میں حکمت یار کے زیر قبضہ علاقوں میں داخل

ہونے والے مسعود کے افراد کو گرفتار کرنے کے بعد واپس رہا کر دیا اور ملا محمد ربانی کی قیادت میں ایک باصلاحیت وفد کو امر دیا کہ میدان شہر میں مسعود کے ساتھ بالمشافہ بات چیت کریں۔

ملا نور الدین ترابی کا کہنا ہے کہ جب احمد شاہ مسعود ملاقات کے لیے میدان شہر آ رہا تھا، تو میں قندھار میں تھا۔ ملا صاحب نے مجھے کہا کہ آج فوری طور پر ہیلی کاپٹر میں چلے جاؤ، مسعود آ رہا ہے اور اس کے ساتھ مجلس میں نرمی اور اچھے طریقے سے بات کرو اور اسے اطمینان دلاؤ کہ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ دیگر بندوق برداروں کی طرح معاملہ نہیں کریں گے کہ تمہیں گھر بٹھا دیں بلکہ اگر تم ہمارے ساتھ ملک میں جاری اس فتنہ وفساد کے خلاف کھڑے ہو جاؤ تو تم ہماری تحریک کی اہم شخصیات میں شمار ہو گے۔ میدان شہر میں ملاقات کے دوران جب طالبان کی نمائندگی کرتے ہوئے ملا محمد ربانی نے مسعود کو طالبان کے ارادے اور مقاصد بیان کیے تو اس نے کہا: مجھے یہ سمجھ آ رہی ہے کہ آپ چار چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں: پہلا چیک پوائنٹ کا خاتمہ، دوسرا افغانستان میں اسلامی نظام کا نفاذ، تیسرا حکومتی اداروں سے کمیونسٹوں کو نکالنا اور چوتھا شر اور فساد کا خاتمہ۔ ہم نے کہا: جی ہاں ہمارے یہی مقاصد ہیں۔ مسعود نے کہا ان چار مقاصد پر میں بھی آپ کے ساتھ متفق ہوں، لہٰذا ہمارے اور آپ کے درمیان رابطہ رہے گا اور پھر اس نے اپنے ایک بندے کی ذمہ داری لگائی کہ ان کے ساتھ رابطہ جاری رکھے۔

شاید مسعود کی یہ ظاہری دوستانہ پالیسی اور اسلامی تحریک کے مقاصد کے ساتھ متفق ہونے کی وجہ سے کابل کے خطوط پر طالبان اور مسعود کے درمیان زیادہ عرصے تک جنگ کی نوبت نہیں آئی لیکن بعد میں ملنے والے شواہد سے پتا چلا کہ میدان شہر کی جانب مسعود کا سفر اور وہاں طالبان کے ساتھ متفق ہونا، یہ ایک جنگی چال تھی۔ مصنف رزاق مامون کے مطابق مسعود کے ایک قریبی ساتھی جنرل داؤد، جو اس سفر میں مسعود کے ساتھ تھا، کا کہنا ہے کہ مسعود کے اس سفر پر اس کے ساتھی راضی نہیں تھے لیکن مسعود نے اس ملاقات کی وجہ یہ بتائی کہ:

> ”اگر ہم نے طالبان کو کابل شہر کے دروازے سے کچھ عرصہ دور نہ رکھا تو یہ جنگ ہم ہار جائیں گے۔ ہمارے افراد کا حوصلہ پست ہے اور وہ سوچ رہے ہیں کہ طالبان کو شکست دینا ناممکن ہے۔ جو شخص فتح پر یقین نہیں رکھتا وہ شکست کھا جاتا ہے۔ لہٰذا جس طریقے سے بھی ممکن ہو، طالبان کو ہم کابل کے جنگی خطوط پر روکے رکھیں تا کہ ہمارے افراد کو بھی یہ یقین ہو جائے کہ طالبان بھی ہماری طرح کے انسان ہیں اور گولی ان پر بھی اثر کرتی ہے۔“

لیکن طالبان پر مسعود کی دشمنی جلد ظاہر ہو گئی۔ حزبِ وحدت کے افراد کئی سال مسعود کے ساتھ جنگیں کر چکے تھے اور اب محاصرے میں پھنس چکے تھے، فروری کے مہینے میں طالبان نے کابل کے مغرب میں حزبِ وحدت کی ہزارہ ملیشیا سے معاہدہ کیا کہ بامیان کی طرف راستہ دینے کے بدلے میں اپنا اسلحہ اور زیرِ قبضہ علاقے طالبان کے حوالے کر دیں، طالبان یکم مارچ کو کابل کے مغربی علاقوں میں داخل ہوئے تا کہ ہزارہ ملیشیا سے علاقوں کا اختیار لے لیں۔ اسی اثنا میں مسعود کے مسلح افراد نے طالبان پر حملہ کر دیا اور طالبان کو بھاری نقصان پہنچا کر کثیر تعداد کو قیدی بنا لیا۔

جس وقت طالبان کابل کی حدود میں پہنچ رہے تھے، مولوی احسان اللہ احسان کی قیادت میں طالبان کا ایک دوسرا مجموعہ جنوب مشرقی زون کے تین صوبوں (پکتیا، پکتیکا اور خوست) میں عوام کے پر جوش استقبال کے ساتھ داخل ہو گیا۔ مولوی جلال الدین حقانی اور مولوی نصر اللہ منصور نے اپنے علاقے کے تمام مجاہدین کے ساتھ اسلامی تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

> لایبالون من خالفهم۔
> ”اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ کون ان کے حق کے راستے کی مخالفت کر رہا ہے“۔

آئیے! ان کے ساتھ شامل ہو کر انسانیت کو عظیم خسارے سے بچائیے، مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کیجیے، اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کے نفاذ کی خاطر، ان دیوانوں کا ساتھ دیجیے، خواہ کسی بھی درجے میں ہو، جان سے، مال سے، زبان سے حتیٰ کہ دعاؤں سے ہی کیوں نہ ہو۔

کیونکہ ہر گزرتی سانس کے ساتھ وقت ہاتھوں سے پگھلا جا رہا ہے، سرمایہ ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے، ہر گزرتا لمحہ یا تو نفع میں یا نقصان میں، پھر وہ دن قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے جس دن نفع و نقصان دکھا دیا جائے گا، اعلان کر دیا جائے گا، کس کی تجارت کامیاب رہی، کس کا سرمایہ نفع بخش رہا، اور کون خسارے میں گیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خسارے سے بچا کر کامیاب لوگوں میں شامل فرمائے اور اس امت کو عزت و عظمت عطا فرمائے، آمین۔

وصل اللہ تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

☆☆☆☆☆

سوات سانحے کا ذمہ دار کون؟

اریب اطہر

سوات میں ڈوبنے والے سیاح ایک گھنٹے سے زائد ریسکیو کے منتظر رہے مگر بالآخر موجوں کی نذر ہو گئے۔ اس واقعہ نے ایک دفعہ پھر عوام کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ان کی جانوں کی قیمت ان ریاستی اداروں کے نزدیک کیڑے مکوڑوں کے برابر بھی نہیں، جو عوام کے خون پسینے کی کمائی کا ایک بڑا حصہ ٹیکس کی صورت میں ہڑپ کرنے کے باوجود، قدرتی آفات، سیلاب، زلزلوں اور ریسکیو کے نام پر قائم اداروں کے لیے بھاری بجٹ پاس کرواتے ہیں مگر عملی اقدام صفر رہتا ہے۔

اس واقعہ پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں جس انداز سے رپورٹنگ کی گئی اس سے بخوبی ظاہر تھا کہ بظاہر بے باک اور اینٹی اسٹیبلشمنٹ بیانیہ بنانے والے ادارے بھی محتاط انداز میں اور ریڈ لائن سے دور رہتے ہی واقعہ کو رپورٹ کر رہے ہیں، اور اسی میں بال کی کھال اتار رہے ہیں۔ مثلاً ریسکیو ۱۱۲۲ کیوں بر وقت نہ پہنچ سکی؟ ریسکیو ۱۱۲۲ کے ڈائریکٹر جنرل کے بیان کے مطابق آپریٹر سے معلومات لینے میں غلطی ہوئی یا شاید بتانے والے نے صحیح نہیں سمجھایا جس سے آپریٹر نے اسے طبی معاملہ سمجھا اور ایمبولنس روانہ کر دی گئی۔ بعد میں جب صورتحال واضح ہوئی تو دیر ہو چکی تھی۔ تحقیقات میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ بالائی تحصیلوں خوازہ خیلہ، مٹہ، چارباغ اور بابوزئی نے مینگورہ کے حکام کو بر وقت خبردار کیوں نہیں کیا؟ سانحہ کی شام، خیبر پختونخوا حکومت نے بابوزئی اور خوازہ خیلہ کے اسسٹنٹ کمشنرز کو تاخیر سے ردعمل دینے اور قبل از وقت وارننگ جاری کرنے میں ناکامی پر معطل کر دیا جبکہ انتظامات میں ناکامی پر ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر (ریلیف) کو بھی معطل کر دیا گیا۔

صحافی لحاظ علی کے مطابق سوات میں ریسکیو ۱۱۲۲ کے ڈسٹرکٹ افسر کی سرکاری گاڑی کو، تحریک انصاف کے صوبائی وزیر نیک محمد داوڑ کا بیٹا، نومبر کے احتجاج میں شرکت کے لئے اسلام آباد لے گیا تھا۔ آج بھی وہ گاڑی اسلام آباد پولیس کی تحویل میں ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق جس جگہ پر سیاح ڈوبے وہ دریا کا قدرتی راستہ تھا مگر اس جگہ قبضہ مافیا نے دریا کے ایک حصے پر معمولی سا بند بنا کر دریا کا رخ موڑا تھا لیکن جب بہاؤ تیز ہوا تو وہ معمولی سا بند ٹوٹ گیا اور پانی اپنے قدرتی راستے پر سیلاب کی صورت میں آ گیا۔ سانحے کے بعد دریا کے قریب آپریشن میں غریبوں کی املاک تجاوزات کے نام پر بغیر کسی نوٹس کے مسمار کر دی گئیں، جبکہ حکومتی اشخاص کے بڑے ہوٹلوں کو جو عین دریا پر ہی تعمیر کیے گئے ہیں انہیں چھوڑ دیا گیا۔

خیبر پختونخواہ حکومت کی جانب سے ایک اہلکار نے یہ کہہ کر جان چھڑا لی کہ ہیلی کاپٹر سے بچاؤ پر غور کیا گیا تھا لیکن خراب موسم کی وجہ سے اسے نہیں بھیجا گیا۔ ویسے کے پی کے حکومت کے پاس ایک یا دو عام ہیلی کاپٹر ہیں۔ اصل سوال تو فوج سے ہی ہونا چاہیے تھا جن کے پاس صرف خیبر پختونخواہ میں ایک رپورٹ کے مطابق پچاس جدید ہیلی کاپٹر ہیں۔ سوات کے اسی علاقے میں ۲۰۰۹ء میں مجاہدین کے خلاف آپریشن میں فوج نے جیٹ طیاروں کے ساتھ کوبرا ہیلی کاپٹر استعمال کیے۔ اور ویسے بھی خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں ہیلی کاپٹروں کا ہر وقت منڈلاتے رہنا اب تو روٹین بن چکا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے تو چلو فوجی بیانیے کے مطابق ہی رپورٹنگ کرتے ہوئے اس سانحے کی ساری ذمہ داری مقامی سول انتظامیہ اور صوبائی حکومت پر تھوپی، مگر سوشل میڈیا پر عام عوام تو گہرائی میں جانے کے بجائے اس واقعہ کی فوٹیج کے ساتھ امارت اسلامیہ افغانستان کی ریسکیو فوٹیج شئیر کرتے رہے جس میں انہیں سیلاب میں پھنسے افغان شہریوں کو ریسکیو کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک ویڈیو میں تو افغان اہلکار بکتر بند گاڑی دریا میں پھنسے بچوں کو بچانے کے لیے لے جاتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ برفباری کے دنوں میں ایک دفعہ چند افغان شہری اپنے مال مویشیوں کے ساتھ پھنس گئے تو افغان انتظامیہ نے انہیں مال مویشیوں سمیت ریسکیو کرنے کے انتظامات کیے۔ اور یہ سب کچھ افغان انتظامیہ اس وقت کرنے کے قابل ہو گئی جب امریکیوں کے انخلاء کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا۔ افغان حکومت اس وقت ان بچوں کی بھی سرپرستی اور مالی امداد کر رہی ہے جن کے والد یا گھر کے سربراہ فورسز کا حصہ تھے اور طالبان کے خلاف جنگ میں مارے گئے۔

ویسے تو پاکستان کے تمام سرکاری محکموں میں اہلکاروں کے کام کرنے کا عمومی رویہ کیا ہوتا ہے یہ سبھی جانتے ہیں۔ جب سرکاری محکموں میں سب سے نچلے درجے کی معمولی نوکری کے لیے لوگ لاکھوں روپے رشوت دیتے ہوں، اور یہ خیال ہو کہ کام کم ہی کرنا ہے، چھٹیاں جب دل چاہے کریں اور کام کرنے کے لیے بھی جب موقع ملے تو رشوت کے مطالبے۔ اس کے علاوہ ایک وہ تعداد ہوتی ہے جو گھوسٹ ملازمین کی صورت میں ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے گھر بیٹھے تنخواہ وصول کرنی ہے۔ اس ماحول اور ذہن کے ساتھ کیا ممکن ہے کہ ریسکیو جیسے ادرے میں ایسے اشخاص بھرتی ہوں جو دوسروں کی جان بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے نہ ہچکچائیں؟

سانحہ سوات کے وقت ایک اور ویڈیو وائرل رہی جس میں بلال نامی ایک مقامی شخص کو اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں کو ریسکیو کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کتنی دفعہ ایسے واقعات ہوتے ہیں جس میں کوئی فرد اپنی جان پر کھیل کر لوگوں کو ریسکیو کرتا ہے۔ سوات کا رہائشی فرمان علی سعودی عرب میں ۲۰۰۹ء میں آنے والے سیلاب میں چودہ افراد کی جانیں بچاتا ہے اور پھر مزید کو بچانے کی کوشش میں خود موجوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اسے سعودی عرب کے

سب سے بڑے سول اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ اصولی طور پر تو ایسے کردار کے لوگ ہی ریسکیو کے اداروں میں نوکری کے حقدار ہیں۔

یہاں ایک اور واقعے کی تفصیل سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ دو سال قبل اگست ۲۰۲۳ء میں خیبر پختونخواہ کے ضلع بٹگرام میں آلائی جھنگڑئے پشتو کے علاقے میں کیبلز ٹوٹنے سے نویں جماعت کے آٹھ طلباء چیئر لفٹ میں پھنس گئے۔ یہ واقعہ سوشل میڈیا پر وائرل ہوتا ہے اور ایس ایس جی کمانڈوز ہیلی کاپٹر سے ان بچوں کو ریسکیو کرنا چاہتے ہیں پورے دن بھر کی تگ و دو میں صرف ایک بچہ ریسکیو ہو پاتا ہے اور پھر مغرب کے بعد اندھیرا چھانے لگتا ہے۔ اس ساری تگ و دو کے دوران چند افراد جو چیئر لفٹ کے کام سے ہی وابستہ تھے ایک ڈولی نما چارپائی اور متعلقہ سامان کی تیاری میں مصروف رہے تا کہ اگر وہ بچے ہیلی کاپٹر سے ریسکیو نہ ہو سکیں تو یہ اپنے طریقہ کار کے مطابق منصوبے پر عمل درآمد کریں گے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ صاحب خان نامی اس شخص نے اپنی ٹیم کی مدد سے باقی تمام بچوں کو کم وقت میں ریسکیو کر لیا۔ صاحب خان نامی یہ شخص ہیرو بن چکا تھا۔ اس موقع پر فوج جو حرکت کرتی ہے اس سے ان کی اخلاقیات، خود غرضی اور پروجیکشن کی ہوس کا اندازہ لگائیں۔

اس واقعے کے حوالے سے معروف خاتون صحافی نسیم زہرہ کا آڈیو کلپ بھی وائرل ہوا جس میں وہ کسی بریگیڈئر صاحب کو جواب دیتے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ آخر اس میں ایسا کیا ایشو ہے کہ فیکٹ کے مطابق کہا جائے کہ مقامی افراد نے ریسکیو کیا۔ جبکہ بریگیڈئر صاحب کا الزام تھا کہ اس انداز سے خبر پیش کرنے کا مطلب ہے کہ لوگ کسی ایجنڈے کے تحت کوئی مخصوص بیانیہ بنانا چاہتے ہیں۔ بہرحال اگلے روز کے اخبارات نے اس واقعے کو جس انداز سے پروجیکٹ کیا اس سے یہ بات بخوبی واضح تھی کہ سب نے فوج کی ڈکٹیشن کے مطابق ہی اسے فوج کا ریسکیو آپریشن قرار دیا جس میں ان مقامی افراد کا کردار ثانوی تھا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ فوج کی مدد کے بغیر ناممکن تھا۔

فوج اس جھوٹی پروجیکشن کے لیے کتنی حریص ہے اور اس کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی، اس کا اندازہ ایک اور واقعے سے لگائیں۔ جب ۲۰۰۵ء میں کشمیر میں زلزلہ آیا تو میرے ایک عزیز نے کشمیر کی ایک سوشل ویلفیئر تنظیم کے لیے کچھ عرصہ رضاکارانہ طور پر کام کیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس این جی او کو بیرون ملک سے خیموں کی شپمنٹس آئیں جو فوج نے ایئر پورٹ پر روکے رکھی اور اس دوران تنظیم پر بہت عرصے تک دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ اس کی تقسیم فوج کے ذریعے کروائیں تب ان خیموں کی شپمنٹس کسٹم سے چھوٹ سکیں گی۔

ایک سوال یہ بھی ذہن میں اٹھتا ہے کہ پاکستان میں کوہ پیماؤں کو سخت موسم میں اونچے پہاڑوں پر خطرناک ترین جگہوں پر بہت مشکل ترین آپریشن کر کے ریسکیو کیا جاتا ہے، تو پھر یہاں کیوں نہ کیا گیا؟ اس سوال کا جواب بی بی سی کی ۲۰۱۸ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ سے ملا۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں کوہ پیما کسی بھی حادثے کی صورت میں یا تو اپنے ساتھیوں کو اطلاع کرتا ہے جو بیس کیمپ میں ہوتے ہیں یا پھر اپنے ٹور آپریٹر کو۔ ٹور آپریٹر کبھی خود اور کبھی پاکستان میں کوہ پیمائی کے ادارے الپائن کلب کے ذریعے عسکری ایوی ایشن کو اطلاع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ہیلی کاپٹر کو ریسکیو کے لیے روانہ کرے۔ عسکری ایوی ایشن بظاہر ایک نجی ادارہ ہے لیکن یہ ہیلی کاپٹر فوج کا ہی استعمال کرتا ہے۔ کوہ پیما مہم پر روانہ ہونے سے قبل عسکری ایوی ایشن کو ۱۵ ہزار ڈالر اسی لیے ادا کرتا ہے کہ وہ حادثے کی صورت میں فوراً کام شروع کر دے۔ بصورت دیگر اس کے ملک کا سفارت خانہ عسکری ایوی ایشن کو ریسکیو کے عمل میں تمام اخراجات ادا کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اس ادارے کے ہیلی کاپٹرز جان بچانے والوں کو لے کر کوہ پیماؤں کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ عام طور پر کسی کوہ پیما کو کسی مقام سے اٹھا کر بیس کیمپ یا سکردو لانے میں ۱۷ ہزار ڈالرز تک خرچہ آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیلاب میں پھنسے افراد کو ریسکیو کرنے جیسے سادہ اور آسان کام سے فوج نے اس لئے منہ پھیرے رکھا کیونکہ یہاں ڈالر نہیں مل رہے تھے اور اونچی خطرناک چوٹیوں اور گلیشیئرز میں خطرناک ریسکیو آپریشن اس لئے اہم ہے کیونکہ وہاں بھاری رقم مل رہی ہوتی ہے اور غیر ملکی کوہ پیماؤں کی وجہ سے عالمی میڈیا میں پروجیکشن بھی۔

پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے قائم ادارہ این ڈی ایم اے بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس ادارے کی سربراہی ایک حاضر سروس جرنیل کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ اس ادارے کے بھاری بھر کم بجٹ ایک طرف اور یہ جرنیل خود ایک طرف۔ اس بھاری بھر کم بجٹ کے ساتھ یہ ادارہ اب تک صرف موسمی الرٹ ہی جاری کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حال ہی میں قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیاتی کوارڈی نیشن کا منزہ حسن کی صدارت میں اجلاس ہوا، جس میں بریفنگ دیتے ہوئے چیئرمین این ڈی ایم اے لیفٹیننٹ جنرل انعام حیدر ملک فرماتے ہیں کہ ان کا ادارہ قدرتی آفات کے حد سے بڑھ جانے کی صورت میں میدان عمل میں آتا ہے۔ قدرتی آفت پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلے صوبائی حکومتیں ذمہ دار ہیں۔ ضلعی سطح پر انتظامیہ کی پہلے ذمہ داری بنتی ہے۔ ممبر کمیٹی شگفتہ جمانی نے سوال اٹھایا کہ ’آنے والے دنوں میں بھی بارشیں متوقع ہیں۔ تو اس کے لیے این ڈی ایم اے کا کیا لائحہ عمل ہے؟‘ چیئرمین این ڈی ایم اے نے جواب دیا کہ ’۱۸ویں ترمیم کے بعد یہ سبجیکٹ صوبائی نوعیت کا ہے۔ ہم صوبوں کو بروقت معلومات فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ حفاظتی اقدامات اٹھا سکیں۔

یعنی ذمہ داری سے جان چھڑانی ہے اس کے لیے بھی راستہ مزید جھوٹ ہے اور بغیر کچھ کیے کریڈٹ لینا ہو، پروجیکشن کروانی ہو، خود کو مسیحا ثابت کرنا ہو تو اس کے لیے بھی راستہ مزید جھوٹ ہے۔ لیکن یہ دجل و فریب آخر کب تک ان کا ساتھ دے پائے گا؟

(بقیہ صفحہ نمبر 118 پر)

بنگلہ دیش کے موجودہ منظر نامے کا جائزہ: مواقع اور ذمہ داریاں

مولانا صابر احمد بنگالی

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ بنگلہ دیش کی عوام نے گزشتہ سال ایک عوامی طلبہ تحریک کے ذریعے شیخ حسینہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اس تحریک میں دو ہزار مظاہرین شہید ہوئے، جبکہ پچاس ہزار سے زائد زخمی ہوئے، جن میں سے بعض افراد مستقل طور پر معذور ہو گئے۔

ان عظیم قربانیوں کے نتیجے میں مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعات اور تبدیلیاں مکمل انقلابی نوعیت کی نہیں تھیں، کیونکہ نہ تو دستور میں کوئی بنیادی تبدیلی آئی، نہ فوج میں، اور نہ ہی ریاست کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی مثبت تبدیلی آئی۔ یہ کوئی اسلامی انقلاب نہیں، بلکہ ایک عوامی بغاوت تھی، جس میں تمام جماعتوں، طبقات اور تحریکوں نے حصہ لیا۔ اس تحریک میں سیکولر، قوم پرست، بائیں بازو کے افراد، اور مختلف رجحانات رکھنے والے اسلامی گروہوں نے حصہ لیا۔ ان سب کا ایک مشترکہ ہدف تھا: شیخ حسینہ کی حکومت کا خاتمہ۔

اس لیے کہ شیخ حسینہ کے پندرہ سالہ آمرانہ دور حکومت میں ظلم، جبر، استبداد، محرومی، انتخابی دھاندلی، اقتدار پر قبضہ، قتل وغارت، تشدد، گرفتاریوں، جبری گمشدگیوں، لوٹ مار اور انسانی حقوق کی پامالیوں نے سب کو متاثر کیا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہو چکے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ راحت اور سہولت عطا فرمائی، اور پانچ اگست ۲۰۲۴ء کو وہ لمحہ آیا جو اللہ تعالیٰ کے اس سچے فرمان کی عملی تفسیر بن گیا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (سورۃ آل عمران: ۲۶)

”کہو کہ اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

جی ہاں، یہ عوامی بغاوت واقعی بنگلہ دیش کے مسلمانوں اور اسلام پسندوں کے لیے راحت اور آسانی کا باعث بنی، کیونکہ شیخ حسینہ کی حکومت، جو عوامی لیگ اور اس کی اتحادی بائیں بازو کی جماعتوں پر مشتمل تھی، چار بنیادوں پر قائم تھی۔

ا۔ بھارت کے لیے سستی غلامی

عوامی لیگ اور اکثر بائیں بازو کی جماعتیں بھارت کی سب سے بڑی اتحادی اور محبوب ترین دوست تھیں، بلکہ بھارت کا سیاسی بازو بن چکی تھیں، جس کے ذریعے وہ پورے ملک پر حکمرانی کرتا، عوام کو کنٹرول کرتا، اور اپنا سیاسی، ثقافتی، اور اقتصادی اثر ورسوخ پھیلاتا۔ وہ ہر اُس شخص یا تحریک کو کچلنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں جو بھارت کے توسیع پسندانہ اور دہشت گردانہ منصوبے کی مخالفت کرتا۔

شیخ حسینہ کے دورِ حکومت میں بھارت کی ہندو انتہا پسند تنظیمیں پورے بنگلہ دیش میں پھیل گئیں۔ ان تنظیموں کا مقصد بنگلہ دیش اور پاکستان کو بھارت میں ضم کرکے ایک ”اکھنڈ بھارت“ یا ”رام راج“ قائم کرنا تھا، اور یہ تنظیمیں بنگلہ دیش میں بھارت کے اثر ورسوخ کو بڑھانے کے لیے سرگرم تھیں۔

شیخ حسینہ نے بھارت کے ساتھ ایسے معاہدے اور وعدے کیے جو سراسر بھارت کے مفاد میں اور بنگلہ دیشی مسلمانوں کے مفادات کے یکسر خلاف تھے۔

عوام کے درمیان یہ بات عام ہو چکی تھی کہ شیخ حسینہ ہمارے ملک کو سکم، حیدرآباد، یا کم از کم بھوٹان جیسے انجام کی طرف لے جا رہی ہے۔[1]

---

[1] **سکم:** برطانوی راج میں ایک نیم خود مختار ریاست تھی جس نے ۱۹۴۷ء میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا اور پاکستان یا بھارت دونوں میں سے کسی سے بھی الحاق سے انکار کیا۔ ۱۹۵۰ء میں بھارت نے سکم کے بادشاہ سے ایک معاہدہ طے کیا جس کے تحت سکم کا دفاع، امور خارجہ اور مواصلات بھارت کے کنٹرول میں چلی گئیں۔ ۱۹۶۰ میں بھارت نے سکم میں جمہوری سیاسی پارٹی سکم نیشنل کانگرس متعارف کروائی۔ اس پارٹی نے بادشاہت کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ ۱۹۷۳ء میں سکم نیشنل کانگرس کی درخواست پر بھارتی فوج سکم میں داخل ہوئی اور دار الحکومت کا نظم ونسق سنبھال لیا۔ مذاکرات ہوئے اور یہ طے پایا کہ سکم میں ایک جمہوری نظام رائج ہو گا۔ اس طرح بھارتی وفادار سکم نیشنل کانگرس حکومت میں آ گئی۔ اس کے دو سال بعد ۱۹۷۵ میں سکم نیشنل کانگرس نے بھارت سے الحاق کی کمپین چلائی جس کے بعد ریفرنڈم کروایا گیا اور پھر بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا گیا۔

حیدرآباد: تقسیم کے وقت حیدر آباد ایک خود مختار نوابی ریاست تھا اور اس کے نواب نے بھارت سے الحاق سے انکار کر دیا۔ بھارت اور نواب کے درمیان مذاکرات ہوئے جس کے بعد بھارت نے یہاں بھی دفاع، خارجہ امور اور مواصلات اپنے کنٹرول میں لے لیں اور اسے خود مختار رہنے دیا۔ حیدر آباد میں ہندو اکثریتی آبادی تھی، بھارت نے اس کے ذریعے حیدر آباد میں بغاوت کھڑی کر دی۔ جس کے بعد کشیدہ حالات کا بہانہ اور پاکستان سے

۲. متشدد سیکولرازم کی حمایت

شیخ حسینہ نے انتخابات میں ان بائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کیا تھا جو اسلاموفوبیا کو اپنا نظریہ مانتی ہیں۔ جو شخص بھارت کی بنگلہ دیش سے متعلق پالیسی اور حکمت عملی پر غور کرتا ہے، وہ یہ بات صاف سمجھ سکتا ہے کہ بھارت ہمیشہ چاہتا ہے کہ بنگلہ دیش پر ایسا سیاسی گروہ قابض ہو جو نئی دہلی کے مفادات کا خیال رکھے اور شدت پسند سیکولرازم کو اپنا نصب العین بنائے۔ اسی وجہ سے بھارت نے عوامی لیگ کی آمرانہ پالیسیوں اور زیادتیوں کی بھی حمایت کی، حتیٰ کہ دیگر سیکولر جماعتوں پر کیے جانے والے مظالم پر بھی خاموشی اختیار کیے رکھی، جیسے بنگلہ دیش نیشنل پارٹی (BNP) جو نسبتاً معتدل سیکولر پالیسی رکھتی تھی۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ شیخ حسینہ کے سیکورٹی اہلکاروں نے BNP کے ایک بڑے رہنما صلاح الدین احمد، جو سابق وزیرِ مملکت اور BNP کے مشترکہ سیکریٹری جنرل تھے، کو زبردستی غائب کیا اور انہیں بھارتی سرزمین پر چھوڑ دیا (بلکہ سیدھے بھارتی سیکورٹی اداروں کے حوالے کیا)، جہاں انہیں غیر قانونی داخلے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ نو سال تک بھارت کی جیل میں قید رہے اور تب ہی رہا ہوئے جب شیخ حسینہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

ایسی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں، لیکن طوالت کے باعث ہم ان سب کا ذکر نہیں کر رہے۔

اس پورے دور میں بھارت کسی بھی دوسری جماعت کے سیکولرازم یا جمہوریت کو تسلیم نہیں کرتا تھا، حالانکہ وہ بھی سیکولر جماعتیں تھیں، سوائے عوامی لیگ اور اس کے اتحادیوں کے۔ بھارت جماعتِ اسلامی کو تو دہشت گرد تنظیم سمجھتا تھا، اور BNP پر بنیاد پرستی اور دہشت گردوں سے اتحاد کے الزامات لگاتا رہا۔

اس حیران کن حکمت عملی کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ معتدل سیکولر جماعتوں پر دباؤ ڈال کر انہیں مزید سخت گیر سیکولرازم کی طرف دھکیلا جائے، تاکہ وہ اسلام اور اسلامی جماعتوں سے مزید دور ہو جائیں، خواہ وہ جماعتیں پہلے ہی جمہوری عمل میں شامل ہو کر بہت سے اصولوں سے پیچھے ہٹ چکی ہوں۔ ان جماعتوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھارت کو خوش کرنے کے لیے زیادہ غلامانہ رویہ اور وفاداری اختیار کریں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بھارت ان مقاصد میں کچھ حد تک کامیاب بھی رہا۔ چنانچہ BNP نے جماعتِ اسلامی سے اپنا اتحاد توڑ دیا، اس سے لاتعلقی اختیار کی اور بائیں بازو کی جماعتوں کے قریب ہو گئی۔ اس نے اپنی قومی حمیت سے بڑی حد تک دستبرداری اختیار کی، بھارت اور اس کے انتہا پسند رہنماؤں کی خوشنودی کے لیے کوشاں رہی اور ان کے ساتھ خوشامدانہ رویہ اپنایا۔

یہ نتیجہ دیکھ کر ایک حساس شخص حیران رہ جاتا ہے اور خود سے سوال کرتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مظلوم اپنے ظالم سے محبت کرنے لگے اور اسے خوش کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرے؟

لیکن جو شخص سیکولرازم کی حقیقت پر گہری نظر ڈالے گا، اسے جواب فوراً سمجھ آ جائے گا کہ سیکولرازم انسان سے غیرت اور جرات چھین لیتی ہے، وہ حمیت، شجاعت، دیانت اور ایمانداری کو قتل کر دیتی ہے، اور انسان کو بزدلی، کمزوری اور ذلت آمیز غلامی کی طرف لے جاتی ہے۔

سیکولر شخص کے نزدیک اصول و اقدار کپڑوں کی مانند ہوتے ہیں، بلکہ ان سے بھی کمتر، وہ جب چاہے انہیں پہن لیتا ہے، اور جب یہ اس کے مفادات، خواہشات یا نفسانی لذتوں سے ٹکرا جائیں، تو فوراً اتار پھینکتا ہے۔

۳. پوری ریاستی مشینری پر قابض ایک آمرانہ جابرانہ نظام

تمام ریاستی اداروں بالخصوص انتظامیہ اور عدلیہ کو حکمران جماعت کے تابع بنا دیا گیا تھا، ایک ایسا نظام تھا جو ہر مخالف کو خاموش کرنے، ہر معترض کو قتل کرنے اور حق گوئی، عدل و انصاف کی دعوت اور حق کو دبانے پر مامور تھا۔

یہ طرزِ حکمرانی نہ صرف اسلامی دعوت اور اسلامی تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بنا، بلکہ معاشرے کو الحاد، اخلاقی انحطاط، اور تباہی کی طرف دھکیلتا رہا، قوم کو ذلت، غلامی اور پستی کے گہرے گڑھوں میں دھکیلتا رہا، اور ساتھ ہی ساتھ بھارت کے تسلط کو دن بدن بڑھاتا رہا جب کہ مسلمانوں کی آزادی کو لحہ بہ لحہ گھٹاتا رہا۔

۴. اسلام پسندوں پر ظلم وستم اور ان کا قلع قمع

اسلام پسندوں کا قلع قمع، ان پر ظلم، ان کے ابھرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا، ان کے فکر و نظریہ کے پھیلاؤ کو روکنا، اور ریاست و معاشرے پر ان کے اثر کو محدود کرنا، شیخ حسینہ اس پالیسی کو

خفیہ تعلقات کا الزام لگا کر بھارت نے ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدر آباد پر فوج کشی کر دی۔ پانچ دن کی جنگ کے بعد یعنی ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدر آباد کی فوج نے ہتھیار پھینک دیے اور نواب نے بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا۔

بھوٹان: چین اور بھارت کے درمیان ایک چھوٹا سا خود مختار ملک ہے۔ ۱۹۴۹ء میں بھارت نے بھوٹان سے معاہدہ کر کے اس کے تمام خارجہ امور اپنے کنٹرول میں کر لیے۔ اس کے بعد سے بھوٹان کی حکومت کے ہر شعبے میں بھارت کا اثر ورسوخ بہت زیادہ ہے۔ بھوٹان کی درآمدات اور برآمدات دونوں کا ۸۰ فیصد بھارت سے منسلک ہے جبکہ بھارتی فوج کی ایک محدود تعداد مستقل طور پر بھوٹان میں تعینات ہے جس کا مقصد بھوٹانی فوج کی تربیت اور بھوٹان کی چین کے ساتھ سرحد کی حفاظت میں بھوٹان کے ساتھ تعاون بتایا جاتا ہے۔

مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ایک سیاسی جواز کے طور پر استعمال کرتی تھی، تاکہ اس کے استبدادی اقتدار کو بیرونی دنیا میں تسلیم کیا جائے۔

اس نے اسلام پسندوں پر کئی خونی مظالم ڈھائے، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور سنگین سانحہ ''شاہ باغ چوک (مربع شاپلا) کا قتلِ عام'' تھا، جو پانچ مئی ۲۰۱۳ء کو پیش آیا۔

اسلام پسند ہی ان کے استبدادی دورِ حکومت میں پہلا نشانہ اور سب سے بڑی قربانی بنے، کیونکہ وہی لوگ تھے جو طاغوتی حکومت اور بھارتی تسلط کے خلاف پہلی دفاعی دیوار اور سب سے بڑی مزاحم قوت تھے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا، اُس کے دورِ حکومت میں ہر اسلامی تحریک کو نشانہ بنایا گیا، لیکن ان تحریکوں اور جماعتوں پر مظالم ڈھانے کی کچھ حدود اور قیود تھیں۔ البتہ جہادی تحریک یا جو لوگ جہادی ہونے کے الزام میں گرفتار کیے جاتے، وہ بدترین اور ہولناک ترین تشدد کا نشانہ بنائے جاتے۔ ان پر مظالم ڈھانے میں کوئی حد یا ضابطہ نہیں تھا، ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تھا گویا وہ انسان ہی نہ ہوں۔ ان پر کیے گئے ظلم و ستم کا بیان بہت طویل ہے جو اس تحریر میں سما نہیں سکتا۔

اور جب طاغوت حسینہ کا اقتدار ختم ہوا، تو ان بنیادوں میں سے کچھ ختم ہوئیں یا وہ کمزور ہو گئیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھارتی اثر و رسوخ میں کمی آئی، آمریت کا خاتمہ ہو گیا، اور اس کی جگہ جمہوری، لبرل نظام آ گیا۔ شدت پسند سیکولرازم کو اگرچہ کچھ حد تک نقصان پہنچا، لیکن اس کے برعکس معتدل اور لچکدار سیکولر طرزِ فکر مضبوط ہو گئی۔

ظلم و ستم کے خلاف عوامی بیداری، اور جبر و آمریت کے خلاف ان کی مزاحمت کی برکت سے اسلامی جدوجہد کے لیے نئے افق ظاہر ہوئے، خیر کے عظیم دروازے کھلے اور مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں جنہیں اسلام پسند عناصر اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں استعمال کر سکتے ہیں۔

ذیل میں اس کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱۔ عوام کی اکثریت میں ظلم و جبر کے خلاف بیداری

عوام کی اکثریت میں ظلم و جبر کے خلاف ایک اچھی سطح کی بیداری اور شدید حساسیت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے شیخ حسینہ کی حکومت کو اس وقت گرایا جب اُس نے مظاہرین کا قتلِ عام کیا، حالانکہ وہ مظاہرین صرف سرکاری ملازمتوں میں کوٹے کے نظام میں اصلاح کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مگر جب سکیورٹی اہلکاروں نے ان پر فائرنگ کر کے کئی افراد کو شہید کر دیا، تو مظاہرین کا مطالبہ کوٹے کے نظام کی اصلاح سے بدل کر حکومت کے خاتمے میں تبدیل ہو گیا۔

جب سکیورٹی اہلکاروں نے مظاہرین کے قتلِ عام کا سلسلہ جاری رکھا، تو عوام نے ان کا مقابلہ اُس طریقے سے کیا جسے ''انقلابی تشدد'' کہا جاتا ہے۔ اس دوران انہوں نے ۴۴ پولیس اہلکاروں کو قتل کیا اور ان کی لاشیں پلوں اور سڑکوں پر لٹکا دیں۔ اس سے سکیورٹی فورسز اور عوامی لیگ پارٹی کے حامیوں میں شدید خوف و ہراس پھیل گیا۔ عوام اور حکومت کے درمیان یہ جھڑپیں جاری رہیں، اور عوام نے بے مثال بہادری سے گولیوں کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ آخر کار ان کی آنکھیں اس وقت ٹھنڈی ہوئیں جب حکومت کا خاتمہ ہوا اور شیخ حسینہ فرار ہو گئی۔

اس انقلابی بغاوت کے بعد سکیورٹی فورسز اس بات پر مجبور ہو گئیں کہ وہ کچھ ضابطوں کی پابندی کریں، عوام کے جذبات کا لحاظ رکھیں، بے گناہوں کے قتل، ان کا تعاقب، گرفتاری، تشدد اور جبری گمشدگی جیسے جرائم سے باز رہیں۔

اب داعیوں اور سرگرم کارکنوں پر فرض ہے کہ وہ اس عوامی بیداری اور جذبے کو زندہ رکھیں، اور انقلابی روح کو عوام کے دلوں میں روشن رکھیں، تاکہ ریاست دوبارہ اپنے پرانے ظالمانہ طرزِ عمل کی طرف پلٹ نہ سکے۔ ریاست یقیناً ایسی کوشش کرے گی، کیونکہ جدید ریاستیں ظلم و ستم اور انسانی حقوق کی پامالی سے شاذ و نادر ہی بچی رہتی ہیں۔ لہٰذا عوام پر لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ریاست کو ایسے اقدامات سے روکیں۔ اور یہ، واللہ! سب سے اہم فرض اور اولین ذمہ داریوں میں سے ہے۔

اسی طرح علماء، داعیوں اور سرگرم کارکنوں پر لازم ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کی اکثریت کے درمیان ایک اجتماعی اسلامی بیداری پیدا کریں۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سیکولر نظام اب تک محفوظ ہے، لہٰذا ایک ہمہ گیر دینی بیداری ناگزیر ہے جو لوگوں میں اس نظام کو رد کرنے کا شعور پیدا کرے اور وہ اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کریں۔

میں یہاں اُن تمام بھائیوں کو ایک پیغام دینا چاہتا ہوں جو انتخابی سیاست کے راستے پر چل رہے ہیں۔ میرے بھائیو! اپنے طریقۂ کار پر نظرِ ثانی کرو، ان انتخابات کو چھوڑ دو جن کے جواز پر شریعت کی کوئی مہر نہیں اور نہ ہی عقل یہ مانتی ہے کہ یہ راستہ کامیابی تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر تم اس راستے سے پلٹ آؤ گے تو عوام تمہاری پیروی کریں گے اور تم دعوتِ توحید کی فتح اور جمہوریت کے زوال کے سب سے بڑے اسباب میں سے بن جاؤ گے۔ پس لوٹ آؤ، اور جلدی کرو قبل اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

شیخ حسینہ کے دورِ حکومت میں علماء، داعیانِ دین اور اسلامی جماعتوں کے کارکنان اکثر جبری گمشدگی اور سخت ترین تشدد کا شکار ہوتے تھے، جس سے دعوت، اصلاح، سماجی اور جہادی سرگرمیوں کی راہ میں شدید رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں، اور ان کا دائرہ کار نہایت محدود ہو گیا تھا۔

لیکن اب کچھ رکاوٹیں اور پابندیاں ختم ہو گئی ہیں، لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ صفیں دوبارہ منظم کی جائیں، اپنی اندرونی کمزوریوں کی اصلاح کی جائے، صلاحیتوں کو بہتر بنایا جائے، ماہر اور با صلاحیت افراد کو منظم کیا جائے، سرگرمیوں اور کوششوں کو بڑھایا اور پھیلایا جائے، تاکہ معاشرے میں ایک عظیم اسلامی بیداری رونما ہو اور اسلامی نظام عوام کا پہلا مطالبہ بن جائے۔

عوام غفلت، فریب اور خیالی خوابوں سے بیدار ہو اور اس یقینی اور فیصلہ کن معرکے کے لیے اپنی تیاری مکمل کرے جو بھارتی ریاست کی بالادستی اور دہشت گرد ہندوتوا نظریے کے خلاف عنقریب برپا ہونے والا ہے۔

۲. عوام میں بھارتی اثر و رسوخ کے خلاف جذبات میں اضافہ

عوام میں بھارتی اثر و رسوخ، اس کے توسیع پسند منصوبے، دہشت گردانہ رویے، اور ہندو مذہب کے خلاف جذبات میں اضافہ ہوا ہے۔ بنگلہ دیش کے مسلمان فطری طور پر بھارتی ریاست اور ہندو دھرم سے نفرت کرتے ہیں، لیکن شیخ حسینہ کے دورِ حکومت میں وہ ان جذبات کا اظہار آزادی سے نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ ہر اس شخص کو قتل یا قید کر دیتی تھی جو بھارت کے خلاف کوئی سرگرمی انجام دیتا۔

اس کی سب سے نمایاں مثال طالب علم "ابرار فہد" کا قتل ہے، جو بنگلہ دیش یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (BUET) کا طالب علم تھا۔ اُسے اس کے ساتھیوں نے، جو عوامی لیگ کے حامی تھے، صرف اس وجہ سے بے دردی سے قتل کر دیا کہ اُس نے مشترکہ دریاؤں کے پانی کے معاملے میں بھارت کی ظالمانہ پالیسی پر تنقیدی فیس بک پوسٹ لکھی تھی۔

پس دیکھیں! بھارت کے اثر و رسوخ اور اس کے کارندوں کی ڈھٹائی کس حد تک پہنچ چکی تھی۔

لیکن اب بحمد اللہ، بھارتی اثر و رسوخ میں کافی کمی آئی ہے اور بنگلہ دیش کی عوام پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کریں، اور اپنی عظیم ذمہ داریاں پوری کریں۔

اگر ہم برصغیر کے دیگر حصوں میں مسلمانوں کی حالت پر غور کریں تو بنگلہ دیش اور پاکستان کے مسلمان نسبتاً زیادہ خوشحال، آزاد اور فارغ البال نظر آتے ہیں، جبکہ ان کے بھائی کشمیر، اراکان (برما)، اور بھارت کے مختلف علاقوں میں شدید آزمائش اور خطرات سے دوچار ہیں۔

جہاں تک اراکان کے مسلمانوں کا تعلق ہے، تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی، اُنہیں جبراً ہجرت پر مجبور کیا گیا، ان کی زمینیں غصب کر لی گئیں، ان کی عزتیں پامال ہوئیں اور ان کے خلاف بڑے پیمانے پر قتلِ عام کیے گئے۔ آج وہ ہمارے پاس مہمان ہیں اور ہم پر فرض ہے کہ ان کی عزت کریں، ان کی مدد کریں، اور انہیں دوبارہ دشمنوں کے خلاف مزاحمت اور اپنی غصب شدہ زمینوں کی بازیابی کے لیے تیار کریں۔

جبکہ بھارت کے مسلمانوں کو روئے زمین کے سب سے پست اور بدترین ہندوتوا کے پیروکاروں کا سامنا ہے، جو کسی مسلمان کے حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ قدم بہ قدم "رام راج" کے قیام کی طرف بڑھ رہے ہیں، جس کا مقصد بھارت کو مسلمانوں سے مکمل پاک کرنا اور ان کی نسل کشی کرنا ہے۔ انہوں نے اس مقصد کی جانب کئی مراحل طے کر لیے ہیں، اور اس کے لیے کالے قوانین بنائے ہیں جیسے "ترمیم شدہ شہریت کا قانون" اور "وقف کی نگرانی کا قانون"۔

اسی طرح مسلمانوں کے گھروں، مساجد، مدارس کو مسمار کرنے، انہیں قتل کرنے، ذلیل کرنے، مارنے اور زبردستی شرکیہ نعرے لگوانے کے واقعات دن بہ دن بڑھتے جا رہے ہیں۔

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ بنگلہ دیش کے عوام اور وہ سب لوگ جو کسی بھی قسم کی آسانی یا سکون میں ہیں، جاگ جائیں اور اپنی عظیم ذمہ داریاں ادا کریں۔

ہاں! ان پر بہت بھاری ذمہ داریاں ہیں، جو ان کے کندھوں پر بھاری بوجھ کی طرح ہیں، اور ان سے بھرپور قوت، قربانی، اور سنجیدگی کا تقاضا کرتی ہیں۔

یہ عظیم، بھاری، اور کٹھن ذمہ داری ہے، جسے وہی سچے اور اللہ پر بھروسا رکھنے والے لوگ نبھا سکتے ہیں جو کثیر تعداد میں ہوں اور ہر لحاظ سے تیار ہوں۔ کیونکہ آج مسائل بہت زیادہ ہیں، محاذ کئی ہیں، لیکن ان کا ساتھ دینے والے اتنے نہیں جو ان کی ضرورت پوری کر سکیں یا ان کے حقوق ادا کر سکیں۔

اگرچہ بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی تعداد یا جسے انسانی سرمایہ کہا جاتا ہے کم نہیں، اور ان کے پاس موجود وسائل بھی معمولی نہیں ہیں۔ ان میں تعلیم یافتہ افراد، ماہرین اور مختلف شعبوں میں تجربہ و قابلیت رکھنے والے لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اگر ان تمام افراد کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے منظم طریقے سے کام میں لایا جائے تو ان کے ذریعے اللہ کے حکم سے نصرت و خیر کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

اس حوالے سے شہید محمد زواریؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے، جنہوں نے فلسطینی تنظیم "کتائب القسام" کے لیے ڈرون طیارے تیار کیے۔ وہ تیونس کے رہنے والے تھے، فلسطینی نہ تھے اور نہ وہاں مقیم تھے، پھر بھی انہوں نے فلسطینی جہاد میں وہ کردار ادا کیا جو بہت سے فلسطینی ادا نہ کر سکے۔

تو کیا بنگلہ دیش کی سرزمین ایسے سینکڑوں، ہزاروں افراد پیدا نہیں کر سکتی؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں کے ماہرین، ہنرمند اور تربیت یافتہ مسلمان دنیا بھر کے اسلامی و جہادی محاذوں بالخصوص برصغیر کے اندر، علم، ہنر، میڈیا، مالیات، لوجسٹکس اور دیگر تمام پہلوؤں سے مضبوط سہارا فراہم کریں؟ اور اسی راہ میں وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ آسانیوں اور رحمتوں کا حقیقی شکر ادا کریں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 126 پر)

کشمیر کا شاندار اسلامی ورثہ: خطرات اور حل

محمد طارق ڈار شوپیانی

کشمیر، جنت نظیر، پہاڑوں کی آغوش میں سمائی یہ حسین وادی، عرب و عجم میں اپنی بے مثال خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہے، لیکن اس کی خوبصورتی صرف قدرتی مناظر تک محدود نہیں۔ یہ سرزمین شہداء کے لہو سے سیراب ہے، یہاں کے بلند و بالا پہاڑ اُن جواں مردوں کی دلیری اور استقامت کی گواہی دیتے ہیں، یہاں کا ہر شہر اور گاؤں حق و باطل کے ان معرکوں کی یاد دلاتا ہے جہاں اللہ کے چند شیر، ایک، دو، تین یا چار، ہزاروں ہندو فوجیوں کے محاصرے میں بھی ڈٹے رہتے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیتے۔

کشمیر کی سرزمین پر آج ایک سنگین خطرہ منڈلا رہا ہے۔ ہندو قابضین، اپنی ہر ممکن کوشش سے، کشمیر کے اسلامی ماضی کو مٹانے اور اس کی شناخت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ کشمیر کی روشن تاریخ کو تاریکی میں ڈھانپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اس گم شدہ تاریخ کو دوبارہ زندہ کریں، اسے نئی نسلوں تک پہنچائیں۔

کشمیر کی سرزمین نہ صرف شہداء کے خون سے، بلکہ علمائے کرام کے علم و عمل سے بھی مالا مال ہے۔ یہاں صدیوں سے مفتیان، مفسرین، محدثین، فقہاء، ائمہ، شیوخ، علماء، داعیان، صوفیاء، اور مشائخ جیسے بے شمار رجال پیدا ہوئے ہیں، جن سے دنیا اور خود کشمیری بھی انجان ہیں یا شاید انجان رکھے گئے ہیں۔

مقیم السنہ، اخوند ملا ابو الوفا، بابا محمد محسن کشمیری، حاجی نعمت اللہ نوشہری، شیخ اسلم کشمیری، سید جلال شاہ کشمیری، مفتی محمد قوام الدین کشمیری، اخوند ابو الفتاح کشمیری، مولانا عنایت اللہ شاہ کشمیری، مفتی ملا فیروز کشمیری، یہ صرف چند نام ہیں ایک طویل فہرست میں سے جو علوم اسلامی کی خدمت میں نام ور ہیں۔ لیکن افسوس، آج ہم ان سے ناواقف ہیں، یہ ہماری کوتاہی ہے، ہماری غفلت ہے۔

کشمیر کی تاریخ کا ایک سنگین جھوٹ، ایک خطرناک پروپیگنڈا، آج ہندو قابضین کے ہاتھوں تیار کیا جا رہا ہے، وہ اپنی وسیع پیمانے کی سوشل میڈیا مہم کے ذریعے ایک جھوٹا بیانیہ پھیلا رہے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چودھویں صدی سے پہلے یعنی بلبل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آنے سے پہلے کشمیر میں اسلام کا کوئی وجود نہیں تھا، یہ صرف ایک جھوٹ نہیں، بلکہ ایک منظم سازش ہے۔ ایک ایسی کوشش جو کشمیر کی حقیقی تاریخ کو مسخ کرنا چاہتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں یہ زہر گھولنا چاہتی ہے کہ کشمیر ہمیشہ سے ہندوؤں کی سرزمین رہی ہے اور اسے دوبارہ ہندوؤں کو قبضے میں لینا چاہیے۔

یہ دعویٰ کہ چودھویں صدی سے قبل کشمیر میں اسلام کا کوئی اثر نہ تھا، تاریخ کی سنگین توہین اور ایک ناقابل قبول جھوٹ ہے۔ تاریخ کے روشن صفحات گواہ ہیں کہ آٹھویں اور نویں صدی سے ہی عرب تاجر، سیاح اور صوفی کشمیر آتے رہے ہیں۔ کشمیر کے تجارتی راستوں پر واقع ہونے کی وجہ سے یہاں ہمیشہ مسلمان تاجروں، سیاحوں اور گروہوں کا آنا جانا رہا ہے۔ بلبل شاہ سے پہلے کی مسلمانوں کی قبریں اور کتبے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ کشمیر میں اسلام کی موجودگی ایک حقیقت ہے۔ گیارہویں صدی میں راجا ہرش کے دور میں بھی غیر ملکی اثرات، جن میں مسلمان بھی شامل تھے، کشمیر میں موجود تھے۔ غزنوی اور ترک سلطنتوں کے ساتھ کشمیر کے تعلقات نے بھی اسلامی ثقافت کے اثرات کو بہت پہلے ہی کشمیر تک پہنچا دیا تھا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بلبل شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمین پر دعوت کا کام کیا جو کچھ حد تک جڑ پکڑ چکا تھا، ان کے آنے سے اسلام کا مکمل پرچار ہوا، لیکن یہ کہنا کہ اس سے پہلے کشمیر میں اسلام کا کوئی وجود نہیں تھا، ایک سنگین تاریخی غلط فہمی ہے، یہ جھوٹا پروپیگنڈا کشمیر کی شناخت کو مٹانے کی ایک سازش کا حصہ ہے۔

اسلامی تاریخ کو مٹانے کے استعماری حربے

کشمیر کی اسلامی تاریخ کو مٹانے اور ہندو شناخت کو مسلط کرنے کی جاری کوششیں ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہیں۔ یہ حربے الجزائر، لیبیا اور دیگر نوآبادیاتی علاقوں میں استعمال ہونے والی استعماری حکمت عملیوں سے حیرت انگیز طور پر ملتے جلتے ہیں۔ آئیے ان حکمت عملیوں کا جائزہ لیتے ہیں:

اسلام کی سرکوبی

مذہبی اظہار پر وسیع پیمانے پر پابندیاں اور دینی اداروں پر اثر و رسوخ حاصل کرنے کی مذموم کوششیں۔ یہ خود ساختہ سنسر شپ کا ماحول پیدا کر رہے ہیں اور دین پر آزادانہ عمل کو محدود کر رہے ہیں۔

ثقافتی ورثے کی تباہی

کشمیری ثقافتی ورثے کو منظم طریقے سے ختم کیا جا رہا ہے، اس کے لیے ہندو ثقافت کو جارحانہ انداز میں فروغ دیا جا رہا ہے۔ یہ ثقافتی حملہ عوامی سڑکوں پر ہندو تہواروں کے کھلے عام جشن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جو مؤثر طریقے سے کشمیری روایات کو دھندلا دیتا ہے اور انہیں کم تر

کر دیتا ہے۔ کشمیر کی اسلامی شناخت کو ہندو ثقافت سے بدلنے کی یہ سوچی سمجھی کوشش نوآبادیاتی ادوار میں ہونے والی ثقافتی تباہی کی عکاسی کرتی ہے۔

پروپیگنڈہ اور ''تہذیب سازی کا مشن''

اس بیانیہ کو فروغ دیا جاتا ہے کہ کشمیر میں جاری تبدیلیاں ایک ''تہذیب سازی کا مشن'' ہیں۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کشمیری لوگ تہذیبی طور پر پسماندہ ہیں، ان کے پاس نہ کوئی تہذیب ہے اور نہ ثقافت، اور ہم انہیں اپنی مہذب روایتوں سے روشناس کرا رہے ہیں۔ ان کے مطابق، جب ہم سے بندوق اور قلم چھین کر ہمارے ہاتھوں میں مائیک اور چلم تھمائی گئی، جب ہماری بہنوں سے پردہ چھین کر انہیں مغربی طرز زندگی کی طرف مائل کیا گیا، جب ہمارے دلوں میں مادیت پسندی کا زہر بھرا گیا، تب جا کر ہم ''مہذب'' کہلائے، لیکن ہر عقل مند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ان دعوؤں کے ذریعے دراصل ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

ہندی زبان کا زبردستی نفاذ

بل بورڈز، سرکاری دفاتر اور حکومتی اداروں میں ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کرنا ایک دانستہ طور پر کیا جانے والا اقدام ہے، جس کا مقصد عوام کو ان کے اسلامی ماضی سے منقطع کرنا ہے۔ یہ لسانی تسلط اردو اور کشمیری زبانوں کو مٹانے کی جانب ایک قدم ہے، تاکہ آئندہ نسلیں اپنی تاریخ سے بے خبر رہیں اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ کشمیر کا کوئی اسلامی ورثہ موجود نہیں بلکہ یہ ایک ہندو تہذیب والا خطہ ہے۔

مذہبی تعصب و جبر

دینی جماعتوں پر قابض ہندو حکومت کا سخت کنٹرول، کھلے عام تبلیغ و دعوت کے کاموں پر پابندیاں، یہ ظالمانہ اقدامات ایک خوفناک اور جبر کا ماحول پیدا کر رہے ہیں، جو ہماری مسلم شناخت کے آزادانہ اظہار کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

اوقاف پر کنٹرول

اوقاف (مذہبی عطیات) پر کنٹرول اور اس میں ہیرا پھیری، دینی اداروں اور برادریوں پر تسلط قائم کرنے کی استعماری حکمت عملی کی عکاسی کرتی ہے، یہ کنٹرول انہیں ہمارے دینی امور میں مداخلت کی اجازت دیتا ہے۔

ان حربوں کا مقصد

کشمیر میں استعمال ہونے والے حربوں کا بنیادی مقصد وہی ہے کہ کشمیر کی اسلامی شناخت کی منظم تشکیل نو۔

ہم اس وقت ایک سنگین وجودی بحران (existential crisis) کا شکار ہیں، ہندو قابض طاقت ہماری زمین کی آبادیاتی ساخت تبدیل کر رہی ہے، ہماری نظریاتی بنیادیں کمزور کر رہی ہے، ہمارے نوجوانوں کو فحاشی، عریانی، موسیقی، منشیات اور شراب کی طرف مائل کیا جا رہا ہے، ہمیں ہماری اسلامی جڑوں سے کاٹا جا رہا ہے اور ایک جھوٹی کہانی گھڑی جا رہی ہے کہ کشمیر کی کوئی اسلامی تاریخ نہیں، یہ ہندوؤں کی سرزمین ہے جسے انہیں واپس لینا چاہیے۔ ان حالات میں ہمارا کردار کیا ہے؟ یہ صرف نوجوانوں کا مسئلہ نہیں، بلکہ ہمارے ہر طبقے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مختلف طبقوں کے لیے مخصوص تجاویز

۱. علمائے کرام و اسلامی رہنما

اسلامی تعلیم کو مضبوط بنانا:

علماء کو چاہیے کہ وہ معیاری اسلامی تعلیم کو فروغ دیں، اپنے مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ کے ساتھ اسلامی تاریخ کی تعلیم کو عام کریں تاکہ ایمان کو مضبوط کیا جا سکے۔ خاص طور پر طلبہ کو ماضی کی تاریخی جنگوں کے بارے میں پڑھایا جائے، جیسے بدر، احد، خندق، اور معاصر دور میں مسلمانوں کی جدوجہد کی کہانیاں، تاکہ دلوں میں جہاد کی روشنی اور دین کی حفاظت کا شعور پیدا ہو۔

اسلامی ثقافت کی تبلیغ:

علماء کو چاہیے کہ وہ مجالس، اور اجتماعات میں کشمیری اسلامی ثقافت کو اجاگر کریں اور عوام کو اپنے آباؤاجداد کے عظیم اسلامی ورثہ سے روشناس کرائیں۔

مساجد اور اسلامی اداروں پر علمائے حق کی گرفت مضبوط کرنا:

ہمیں اپنی مساجد اور اسلامی اداروں کو ریاستی سرپرستی والے وقف کے ہاتھ جانے سے روکنا ہو گا اور انہیں اہل حق علماء کی سربراہی اور نگرانی میں دینے کو یقینی بنانا ہو گا تاکہ دین کی صحیح تعلیم اور عمل جاری رہ سکے۔

۲. عصری تعلیم سے وابستہ طبقہ (سکولوں، کالجوں کے اساتذہ اور پروفیسر)

جھوٹے بیانیہ کا علمی اور تحقیقی مقابلہ:

عصری تعلیم سے وابستہ طبقے کو چاہیے کہ وہ کشمیری اسلامی تاریخ، ثقافت اور ورثے کی علمی تحقیق اور تدریس میں اپنا کردار ادا کریں، اور جھوٹے پروپیگنڈے کے خلاف تحقیق اور مواد تیار کر کے طلبہ تک پہنچائیں۔ ایسے مضامین اپنے لیکچرز میں شامل کرنے پر کام کریں جو طلبہ میں اپنی شناخت اور حقائق کا احساس پیدا کریں۔

عصری ذرائع کا استعمال:

اساتذہ اور محققین کو چاہیے کہ وہ سوشل میڈیا اور دیگر جدید ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے حقائق لوگوں تک پہنچائیں۔

۳. والدین کی ذمہ داری

زبان کا تحفظ:

ہر گھر میں کشمیری زبان بولنے کو یقینی بنایا جائے، والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو مقامی زبان (کشمیری، اردو) میں اسلامی کتابیں، سیرت اور دیگر دینی کتب پڑھائیں۔ یہ ہندی زبان کے بڑھتے ہوئے اثر کو کم کرنے میں مددگار ہو گا۔

اخلاقی تربیت:

گھریلو ماحول میں اخلاقیات، دینی اقدار اور صحت مند رویوں کی تربیت دینا ضروری ہے تاکہ نوجوان فحاشی، منشیات اور غیر اخلاقی عادتوں اور کاموں سے بچیں۔

۴. مسالک اور فرقوں کے مابین اتحاد

چھوٹے اختلافات کو پس پشت ڈال کر بڑے مقصد کے لیے متحد ہونا ضروری ہے، اس اہم موڑ پر ہم سب کو اپنی نظریاتی تفریق اور فکری اختلافات کو فراموش کر کے ایک مشترکہ فرنٹ بنانا ہو گا تاکہ دشمن کی سازشوں کو ناکام بنایا جا سکے۔ اتحاد میں ہی ہماری طاقت ہے، اور یہی سب کی فلاح و بقاء کا ضامن ہے۔

ہمیں یاد رکھنا ہو گا کہ ہمارے دشمن ہمارے درمیان تفرقہ ڈال کر ہمیں کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات کو برداشت کرنا ہو گا اور مشترکہ مقصد کے لیے ایک ہونا ہو گا۔

یہ پیش کردہ حل کوئی حتمی علاج نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ ایک بنیاد ہیں جس پر ایک مضبوط تحریک کا آغاز ہو سکتا ہے۔ حقیقی اصلاح تب ہی ممکن ہو گی جب ہم یہ سمجھ جائیں کہ یہ کوئی معمولی سیکولر تحریک یا عارضی انقلاب نہیں ہے، بلکہ ایمان اور کفر کا، حق اور باطل کا ایک معرکہ ہے۔ صرف تب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نصرت سے نواز کر کامیابی عطا فرمائیں گے۔ ہمیں اپنے معاشرے کے ہر گوشے، ہر طبقے اور ہر پہلو کو دوبارہ زندہ کرنا ہو گا۔ اپنی جہادی روح میں نئی جان پھونکنی ہو گی۔ اس کے لیے ایک گہرا ذاتی انقلاب ضروری ہے۔

بقولِ شہید ذاکر موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ:

> ”مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصرت کا وعدہ کیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ غزوۂ ہند ہماری تقدیر ہے اور جہاد ہمارا راستہ ہے۔ اور یقیناً تلواروں کے سائے میں ہی جنت ہے۔
>
> اسلام میں ہی آپ کے مسائل کا حل ہے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیجیے، اپنے گھروں میں اسلام کی تعلیمات پھیلایئے، خود متقی بنیے، اپنے بچوں کو اسلام سکھایئے، اور سب سے بڑھ کر جہاد میں اپنا حصہ ڈالیے۔“

یاد رکھیں کہ ہماری ثقافت، زبان، شناخت اور سرزمین کی اصل قدر و قیمت تب ہی ہے جب یہ اسلام کے لیے وقف ہوں، بہت سے لوگ قوم پرستی کے جال میں پھنس کر اصل مقصد کو بھول گئے ہیں۔

ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ، ہمارے قلم سے لکھی گئی ہر سطر، ہمارے ہاتھ سے پھینکا گیا ہر پتھر، اور ہمارا بہایا گیا، بہایا جا رہا اور بہایا جانے والا ہر قطرۂ خون، یہ سب کچھ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے کہ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ

یہ نہ تو کسی دُنیاوی آئین اور نہ ہی ایسے کسی ملک کے ساتھ الحاق کے لیے ہے، جس کی ظالم فوج اور جابر حکمران اسلام کے دشمن اور کفر و نفاق کے علم بردار ہیں۔

لٰہذا، اپنے حوصلوں کو تازہ کیجیے، اور اس مقدس جہاد کی آبیاری کے لیے صف آرا ہو جایئے، جس پر ایک جانب ہندو بنیوں کی جارحیت کا سایہ ہے اور دوسری جانب منافقین، اس کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروفِ عمل ہیں۔

لفظوں کی قید میں بند، جذبات کا ایک طوفان برپا ہے، کچھ کہا، کچھ کہہ نہ سکا، باقی پھر کبھی! دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آج کا جدید انسان

”آج کا جدید انسان، سائنسی انسان اور مشینی انسان مذہب بیزاری کی بدولت روحانی خودکشی کر چکا ہے، وہ خود اپنے ہاتھوں جس قدر مظلوم، بے بس، محروم اور بے مقصد بن چکا ہے، تاریخ نے اپنے طویل ترین سفر میں اسے کبھی اتنا مظلوم اور لاچار نہیں دیکھا ہو گا۔“

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(بحوالہ نقد و نظر)

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی

ہندوستان میں بڑھتے الحاد و شرک کے تناظر میں ایک دعوتِ فکر

مولانا ابنِ عمر عمرانی گجراتی

ایک بالکل بدیہی بات ہے کہ کوئی بھی مکان (علاقہ، سلطنت وغیرہ) اور زمان (صدی، دہائی وغیرہ) کی ترجمانی کرنے کا اصل مظہر انسانی معاشرہ ہوتا ہے۔ انسانی معاشرے کی ترجمانی کرنے والی زبان اس معاشرے کے افراد و اشخاص ہوتے ہیں اور افراد کی ترجمانی کرنے والی شے باطنی فکر ہوتی ہے۔

ایک فکر کی بنیاد دیکھا جائے تو ایک معمولی سے خیال کی کیفیت ہوتی ہے، لیکن وہی خیال نتیجتاً ایک معاشرہ و ثقافت ترتیب دیتا ہے، ایک مسلک تدوین کر دیتا ہے یہاں تک کہ کبھی صالح انقلاب برپا ہو جاتا ہے تو کبھی فتنہ پرور شیطانی مذہب وجود میں آ جاتا ہے۔

بطورِ مثال ڈارون کی تھیوری ”نظریہ ارتقاء“(Theory of Evolution) کو ہی دیکھ لیں، اس کی تائید میں تو کوئی نقلی اشارات تو درکنار (خواہ کتب و صحائف محرّفہ ہوں یا غیر محرفہ) عقلی اثر بھی موجود نہیں، بلکہ متاخرین سائنسدانوں کی بڑی تعداد جیسے ڈاکٹر مائیکل بیہی (Dr. Michael Behe) اسی طرح ڈاکٹر سٹیفن میئر (Dr. Stephen Meyer) وغیرہ نے مذکورہ نظریے کی پر زور تنقید کی یہاں تک کہ اسے خرافاتی و بے اصل ثابت کر دیا، محقق و مدلل انداز میں، مگر پھر بھی تاثیرِ خیال کو سمجھنے کے لیے اندازہ کریں کہ آج تک یہ تھیوری باقی ہے، موضوعِ چرچہ ہے، نظرِ اہمیت سے دیکھی جاتی ہے، اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے، بسا اوقات امتحانات میں موقوف علیہ سوال کے طور پر پوچھی بھی جاتی ہے، تو باوجود اپنی بے ڈھنگی اور بے تکی بنیاد کے اس نے معاشرے پر غیر معمولی اثر ڈالا اور نظریہ الحاد کو تعجب خیز تقویت دی۔

الغرض، تاثیرِ فکر یہ تکوینِ معاشرہ کی اہم ترین اساس کی حیثیت رکھتی ہے، اسی بات کو مغربیوں اور صہیونیوں نے گہرائی سے بھانپا، چنانچہ پھر انہوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد آنے والی دجالی جنگ میں، جو ان کا اِس وقت مغزِ حیات ہے جسے وہ نسلاً بنسلٍ اپنا مقصد مان کر پروان چڑھاتے ہیں اور اسی ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کے نقشے مرتب کرتے ہیں، اسی تکوینِ فکر کے حربے کو اس جنگ کا بنیادی ہتھیار قرار دیا، اور ”تعمیرِ فکر“ (Ideological Development) کے نام سے مستقل و باضابطہ ایک تربیتی نظام کے غیر متناہی سلسلے کا آغاز کیا، جس کو غالباً اپنی ترجیحاتی فہرست میں سب سے ابتدائی اہمیت کا حامل اثاثہ قرار دیا اور اس پر جتنا سرمایہ و ڈالر خرچ کیا (سرمایہ دارانہ نظام، الحاد، فاشیت، انفرادیت وغیرہ جیسے مغربی مفادات و نظریات کو فروغ دینے کے لیے) شاید ہی اتنا سرمایہ کسی اور جنگی و عملی مشن پر لگایا گیا ہو۔

اسی ”تعمیرِ فکر“ کے ذریعے سے لوگوں کو اپنا ذہنی غلام بنایا گیا، اپنا تہذیبی حامی بنایا گیا اور دنیا کو نظریاتی لائن سے اپنا اتحادی بنایا گیا جس کا واضح ثبوت روس اور امریکہ کے درمیان ۴۵ سالوں تک جاری رہنے والی مشہور زمانہ جنگ ہے جسے سرد جنگ(cold war) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کا مرکزی پہلو سوائے اس کے اور کیا تھا کہ وہ جنگ ایک ”تعمیرِ فکر“ (Ideological development) کا وسیلہ و کردار تھی؟

پھر اس حربے کے لیے بھرپور مکر و منافقت سے کام لیا گیا، اس بناء پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے کی جنگ و سیاست کا رکنِ اعظم منافقت و مخادعت ہے ویسے تو ”الحرب خدعة“(جنگ کی حقیقت دشمن کو دھوکا دینا ہے)، یہ چال ہر زمانے کی جنگ کا جزو لازم رہی ہے، لیکن فی زمانہ یہ چال جزو لازم سے بڑھ کر اصلِ کامل کا درجہ لے گئی ہے۔ غالباً اسی طرف صادق و مصدوق آقا ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے:

> سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ ". قِيلَ : وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ ؟ قَالَ : الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ[1]

> ”یقیناً لوگوں پر مکر و فریب والے سال آئیں گے، ان میں جھوٹے کو سچا مانا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن، اور اس زمانہ میں ’رویبضہ‘ بات کرے گا، آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: ’رویبضۃ‘ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’حقیر اور کمینہ آدمی، وہ لوگوں کے عام انتظام میں مداخلت کرے گا‘۔“

---

[1] أخرجه الإمام أحمد في مسنده-٧٩١٢، و ابن ماجة في سننه-٤٠٣٦، والحديث حسن كما قال الأرنؤوط

ایک ادنیٰ صاحب فہم بھی شاید اس حدیث کی صداقت میں تردد نہیں کر سکتا، کیونکہ جس وضاحت سے یہ روایت عیاناً سامنے آرہی ہے وہ ناقابل انکار ہے۔

بہر حال، تو یہ ہے تعمیر فکر کا حربہ۔ اب ہم بات کرتے ہیں کہ اس حربے کے کیا مراحل و عوامل ہیں جس کے ذریعے باطل قوتوں نے اپنے اس منصوبوں میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اور نتیجتاً انڈونیشیا تا مراکش سب جگہ بسنے والی امت مسلمہ جو امت واحدہ تھی اس امت کو وطنیت کے فرقوں میں بانٹ دیا نیز کئی طرح کے ذہنی ارتداد میں پھنسا دیا۔ حتیٰ کہ اب لبرلزم و سیکولرزم کے ذریعے صراحتاً ایک بڑا طبقہ زندیقیت کی راہ اختیار کر رہا ہے۔ پاکستانی ٹی وی سیریلز اور ان کے ایکٹرز اس کا مثالی و عملی ثبوت ہیں، پھر ہندوستانی فلموں، ان کے اداکاروں اور نام نہاد فلمی ستاروں کا تو ذکر ہی کیا۔ پھر اس افسوس و رنج کی تعبیر میں تو الفاظ بھی نہیں ملتے کہ ان ایمان و عقل کے قلاشوں پر کیا آنسو ٹپکائے جائیں جو ان مرتدین و فاسقین، زندیق اور کرائے کے ہیروں کی اتباع کو نمونہ اور باعث فخر جانتے ہیں (الی اللہ المشتکی)

تو آیئے ان آلوں اور جالوں پر بات کرتے ہیں جن کو مغربی قوم نے بطور اسٹریٹیجی اپنایا اس منصوبے (تعمیر فکر) کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے۔

ویسے تو پانچ طرح کی جد و جہد قائم کی گئیں اس "تعمیرِ فکر" (Ideological development) کے سلسلے میں، لیکن ان میں دو کاوشیں بہت ہی عام مقبولیت اور عظیم افادیت حاصل کر گئیں۔

۱. تعلیمی نظام میں تعلیم کو مغربی جامہ پہنانے (Westernization of Knowledge) کے ذریعے، حتیٰ کہ کہا جانے لگا کہ علم (Education) کی زبان اصل انگریزی زبان ہے، پس اس زبان کا جاننے والا بڑا تعلیم یافتہ و تہذیب یافتہ سمجھا جاتا ہے، چاہے حقیقت میں اس سے Education کا ذرہ بھی مفقود ہو۔

۲. میڈیا اور انٹرٹینمنٹ کے توسط سے ذہن سازی اور پروپیگنڈے کے ذریعے، حتیٰ کہ ڈرامے اب محض ڈرامے نہیں بلکہ حقائق سمجھے جانے لگے، یوں کہا جانے لگا کہ ڈراموں میں ہوتی تو اداکاری و نقالی ہے لیکن دکھایا وہ جاتا ہے جو حقیقت ہے، اس طرح ڈرامے کی خرافات کو اب ذہن سنجیدہ جان کر قبول کرنے لگا۔

ان شاء اللہ آنے والی قسطوں میں ان دونوں حکمت عملیوں (Strategies) کا مفصل جائزہ لینے کی اور ان کے حقائق پر سیر حاصل گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

واللہ الموفق والمعین

☆☆☆☆☆

یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو!

"میری زندگی کا مقصد یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنا ہے، میں دنیا بھر کے مسلمانوں کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میرے مقصد کی حمایت کی ہے، یہ مقصد صرف میرا نہیں بلکہ ہر مسلمان کا ہونا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ یہ ایک شرعی مقصد ہے، میں جذباتی نہیں ہوں بلکہ میرے پاس شرعی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں کیونکہ اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بن گوریون نے کہا تھا کہ ہمیں اشتراکیت یا جمہوریت یا فوجی انقلابوں سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ ہمیں صرف اسلام سے خطرہ ہے، ایک یہودی جرنیل نے ۱۹۴۸ء کی جنگ میں مسلمان مجاہدین کے جذبۂ جہاد کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

'ان لوگوں کے نزدیک جنگ اپنی حکومتوں کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے محض لڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لوگ ہر معرکہ میں شدت اور جنونی کیفیت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ہمارے اسرائیلی سپاہیوں کی طرح نہیں جو صرف اپنے وطن کے لیے لڑتے ہیں بلکہ یہ انتہاپسند مسلمان اس جذبے سے لڑتے ہیں کہ شہادت کی موت سے ہم کنار ہوں۔ یہ فرق ہے ہمارے اور ان کے درمیان۔'

حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے دشمن یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو اپنے وجود کے لیے حقیقی خطرہ سمجھ چکے ہیں، جب کہ مسلمانوں کی اکثریت ابھی اس حقیقت سے غافل ہے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے گریزاں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ان تمام کوششوں کے باوجود ان شاء اللہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو کر رہے گا اور جس خطرے سے وہ آگاہ ہو چکے ہیں، وہ خطرہ ان کے سروں پر پہنچ چکا ہے۔ حقیقت وہ ہے کہ جس کی بشارتیں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے ملتی ہیں اور نصوصِ صریحہ میں موجود ہیں، جو کہ فیصلہ کن معرکہ کی خبر دیتی ہیں۔"

محسن امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ

شام میں جہاد کا مستقبل[1]

استاذ ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

ادارہ النازعات:

بسمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، ولا عدوان إلا على الظالمين، والصلاة والسلام على رسولنا الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد.

معزز قارئین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج ہم ان شاء اللہ استاذِ محترم ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق صاحب حفظہ اللہ کے ساتھ شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں اپنی سابقہ نشست سے متصل انٹرویو جاری رکھیں گے۔ اس انٹرویو کے حصہ اول میں ہمارا مکالمہ موجودہ دور میں شامی جہاد کی حقیقت اور مستقبل قریب میں اس کو درپیش خطرات کے متعلق تھا اور ہم دمشق کی آزادی کے بعد پہلے مہینے میں نئی قیادت اور اس کی سیاسی وسفارتی سرگرمیوں کے بارے میں تشویش ناک خدشات پر قائم رہے۔

آج اس انٹرویو کے حصہ دوم میں ہم ان شاء اللہ سرزمینِ شام میں اس مرحلے پر مجاہدینِ اسلام پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور دمشق کی آزادی کے بعد افق پر نظر آنے والے اہم ترین اثرات پر روشنی ڈالیں گے اور اس صورتِ حال میں علماء و داعیانِ دین کو سونپی گئی امانت کے مطابق کیا کرنا چاہیے پر بات کریں گے۔ اور ہمیشہ کی طرح یہ گفتگو ہمیں شامی انقلاب کی تاریخ اور اس میں موجود اہلِ انقلاب سے متعلق مسائل کی طرف لے جائے گی۔ ہم اپنے مہمان استاذِ محترم ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق صاحب سے گزارش کریں گے کہ وہ ہمارے معزز قارئین اور آزاد مجاہدین کو وہ رہنمائی اور نصیحت فراہم کریں جسے آپ موجودہ مرحلے کے لیے مناسب ترین سمجھتے ہیں۔

لہٰذا ہم قارئین کرام کو اور استاذِ محترم ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق صاحب کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ سخت اور بے تکلف سوالات کے لیے اپنا سینہ کھلا رکھیں اور ان سوالات کی بے باکی پر تنگی محسوس نہ کریں اور مجھے شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں بات جاری رکھنے کی اجازت دیں۔ پس شام کی آزادی کے دوران برپا ہونے والے معرکۂ 'ردع العدوان' سے حاصل شدہ اہم فوائد کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمائیے اور یہ بھی بیان کیجیے کہ 'طوفان الاقصیٰ' اور 'ردع العدوان' کی لہروں سے پیدا ہونے والے سنگین نتائج و اثرات کیا ہوں گے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے پیارے بھائی! اللہ آپ کو برکت عطا کرے اور اپنے پسندیدہ کاموں کی طرف آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ کو اس مہمان نوازی اور حسنِ ظن کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اور آپ کو اپنے قول و عمل میں راست باز اور دیانت دار بننے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے، آپ کو اور قارئین کو اپنے پرہیز گار بندوں میں شامل فرمائے، آمین، آمین۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ، اور اصل علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، معرکۂ 'ردع العدوان' سے حاصل شدہ اہم ترین فوائد اور مثبت پہلوؤں کا ادراک شامی جہاد کے قیام اور اس کے احیا کی وجوہات کو جان کر ہی کیا جا سکتا ہے اور اس طرح ہم اس کا موازنہ عصری جہاد کی دیگر تحریکوں کے احیا، مثلاً عراقی، افغان، صومالی جہاد وغیرہ، سے کر سکتے ہیں۔ پس جہادِ عراق و افغانستان ایک کافر دشمن کے خلاف جہاد تھا، ایک ایسا دشمن جس کا کفر پوری امت کے سامنے واضح تھا اور اس کافر دشمن کے خلاف امت کے علماء کی تحریض و ترغیب واضح، فیصلہ کن اور مضبوط تھی اور یہ جمہورِ امتِ مسلمہ کے نزدیک ایک اسلامی و عوامی اجماع کی مانند تھا۔

تاہم جہاں تک شامی انقلابی جہاد کا تعلق ہے تو یہ ہمارے عوام کی طرف سے ایک استبدادی کافر حکومت کے خلاف جہاد تھا جو اگرچہ اسلامی حکومت ہونے کا دکھاوا کرتی تھی لیکن شرعی لحاظ سے دین سے مرتد حکومت تھی اور آج مسلم ممالک پر مسلط زیادہ تر حکومتوں میں یہی خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ حکومتیں دین سے مرتد ہو چکی ہیں، اسی وجہ سے اس مرتد دشمن کے خلاف علمائے امت کی تحریض و ترغیب، جہادِ عراق و افغانستان کے مقابلے میں نہ صرف کمزور ترین ہے بلکہ بعض نے اسے جہادِ فی سبیل اللہ کے بجائے فتنہ اور اندرونی خانہ جنگی سمجھ لیا ہے۔ جبکہ امت کے بہت سے علماء و مشائخ اور داعیانِ دین نے اسے شرعی قتال اور جہادِ فی سبیل اللہ قرار دیا ہے اور یہ شرعی و فقہی لحاظ سے صحیح ترین فیصلہ ہے۔

اسی وجہ سے شامی جہاد نے ہمارے مسلم ممالک کے بیشتر ظالم و جابر طواغیت کو پریشان کر دیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے عرب بہار کے انقلابات نے انہیں پریشان کیا تھا۔ چنانچہ اسلام

[1] مضمونِ ہٰذا 'شام میں جہاد کا مستقبل' کے شمارۂ جون ۲۰۲۵ء میں شائع ہونے والے حصے میں ایک اصطلاح کا ترجمہ غلط شائع ہو گیا۔ مضمونِ مذکورہ میں ایک اصطلاح 'قطری جہاد' استعمال کی گئی، جو 'ق' پر پیش کے ساتھ قُطری ہے، جس کا معنیٰ ہے 'مقامی جہاد' نہ کہ دولتِ قطر کا سپانسرڈ جہاد۔ قارئین نوٹ فرما لیں۔ اس سہو پر ہم معافی کے خواستگار ہیں، ربنا اغفرلنا ذنوبنا وإسرافنا فی أمرنا وثبت أقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين، آمین! (ادارہ)

دشمنوں کی اکثریت، شامی جہاد کی کامیابی کو، پورے عالمی نظام کے لیے ایک وجودی خطرہ قرار دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جہاد کی شرعی حیثیت، خود دمشق کی آزادی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس جہاد کی کامیابی جہادِ فی سبیل اللہ کے نعرے کے تحت اور مجاہدین کے نام پر ہو گی جو مقامی طواغیت کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں اور یہ جہادی کامیابی ان فکری جڑوں اور مادی بیجوں کے ذریعے ہو گی جو تنظیم القاعدہ کا قافلہ خطے کے قلب میں لے کر آیا تھا۔

آج جب آپ خطے کے ایک ظالم و جابر حکمران کو شامی انقلاب اور دمشق کی آزادی کے بعد شام کی نئی انتظامیہ کے رہنماؤں کی تعریف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو جان لیں کہ وہ جابر اس حقیقت کا ادراک کیے بغیر، مقامی طاغوت حکمرانوں کے خلاف اس قسم کی انقلابی فکر اور جہادِ فی سبیل اللہ کی جڑوں کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے یا اس جہادی حقیقت کے دباؤ کے سامنے جھک کر اسے قبول کرتا ہے جس نے کسی سے اجازت لیے بغیر خطے کے طول و عرض پر خود کو مسلط کیا تھا۔ اس منفرد قسم کے عظیم جہاد میں یہ امر بہت اہم ہے کہ ایسے جہاد سے دہشت گردی کے لیبل کو ہٹانے میں مسلم ممالک پر مسلط مقامی طاغوت حکومتوں کی حیثیت جانچی جائے گی اور بین الاقوامی قانونی نظام کی صلاحیت میں نمایاں تبدیلی کی حد کا جائزہ لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بین الاقوامی برادری کے اس طریقہ کار میں ایک بڑی تبدیلی ہے جس کے تحت وہ اس رجحان سے نمٹتی ہے جسے ہم ”مرتد و جابر طواغیت کے خلاف قتال اور معاصر صلیبی ایجنٹوں کے خلاف مسلح جدوجہد“ کا نام دیتے ہیں۔ پس یہ واضح انقلاب و بغاوت، علماء، حکومتوں اور بین الاقوامی نظام کی جانب سے انقلابات کو قبول کرنے اور ہماری اسلامی دنیا کی دیگر ظالم و جابر حکومتوں کی رخصتی اور ان کا تختہ الٹنے میں ایک جہت کا اضافہ کرے گی۔

میرے پیارے بھائی! میں کبھی یہ توقع نہیں رکھتا تھا کہ ’طوفان الاقصیٰ‘ اور ’ردع العدوان‘ کی لہروں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بڑے اور خطرناک نتائج پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور ’طوفان الاقصیٰ‘ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معرکۂ ’ردع العدوان و الطغیان‘ کی لہریں، خطے کی دیگر تمام جابر حکومتوں اور استبدادی نظاموں کو نگل جائیں گی۔ پس ہر چیز کے واقع ہونے کا ایک وقت ہے، اچھائی ناگزیر ہے اور صبح قریب ہے، تو کہاں ہیں انتظار کرنے والے!

ادارہ النازعات: استاذِ محترم! شام کے مجاہد نوجوان بہت سے باغیانہ سوالات کے بارے میں سوچ رہے ہیں، شامی جہاد کے میدان میں ان باغیانہ سوالات میں سے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اس مرحلے پر ہماری ذمہ داری کیا ہے اور اس وقت ہم پر کیا واجب ہے؟ تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اہلِ علم پر اور اہلِ دعوت و جہاد فی سبیل اللہ پر اس مرحلے کی ذمہ داری کیا ہے اور اس وقت ان پر کیا واجب ہے؟ آپ کے خیال میں تنظیم القاعدہ کے سابق شیوخ، اگر ہمارے ساتھ دمشق میں مجاہدین کی فتح اور اس کی آزادی کا مشاہدہ کرتے، تو ان کی کیا سفارشات ہوتیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: مجھے یقین ہے کہ اس مرحلے کے فرائض و واجبات بہت عظیم اور بہت کثیر ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ٹھوس اور مربوط کوششوں، زیادہ عالی ہمت اور سچے عزم کی ضرورت ہے، ان میں سے اہم ترین واجبات درج ذیل ہیں:

۱. اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے بندوں کو اس کے قریب لانا، ان کے دلوں میں اللہ کے کلام، قرآنِ مجید اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کی محبت کو پیوست کرنا، کلمۂ توحید یعنی ’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ کے معنی کو واضح کرنے کا اہتمام کرنا، اسلامی عقائد و نظریات کی وضاحت کرنا، لوگوں کو ہر قسم کے شرک اور اس کے مختلف داخلی راستوں سے خبر دار کرنا، خاص طور پر عبادت اور حاکمیت میں شرک کے خلاف متنبہ کرنا اور اپنی ذات پر، اپنے معاشروں اور اپنے نظام ہائے حکومت میں شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کرنے سے توحید فی الحاکمیت کی ضرورت کے کامل ہونے کو بیان کرنا۔ اور یہ سب نہایت نرمی اور محبت سے بھرے انداز میں پیش کرنا تاکہ لوگ دین سے اور خیر کے کاموں سے متنفر نہ ہوں اور اس معاملے میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے عوامی رائے عامہ کو مدنظر رکھنا اور عوامی ذوق کی رعایت رکھنا۔

۲. قرآنی عقیدے پر مبنی معاشرے کی تعمیر کے لیے کام کرنا جو جہادی زندگی کی تکالیف و مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو غزہ کے معاشرے کی طرح ہو۔ اگر ہم شام میں اپنے عوام کی اکثریت کو اہلِ غزہ کے مقبول بیانیے کی سطح پر لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میرے خیال میں یہ شام کے اسلامی منصوبے کے لیے ایک بہت بڑی اور شاندار کامیابی ہو گی۔

۳. شام کے عوام کی بالعموم اور شام کی نئی فوج کی بالخصوص روحانی اور عسکری تربیت پر توجہ دینا، کیونکہ یہ مرحلہ دعوت، تیاری، تعلیم، اور اس کے ساتھ ساتھ عسکری، ایمانی اور جہادی تعمیر کا مرحلہ ہے اور عوام و خواص کے دلوں میں توحید کے تصور کو مضبوط کرنے، انہیں زہد و قناعت، شجاعت، جاں نثاری، قربانی اور انغماسی و استشہادی تعلیم و تربیت دینے کا مرحلہ ہے یہاں تک کہ شامی معاشرہ شام کے اسلامی نظامِ حکومت کا دفاع کرنے، مجاہدین کی کفالت، حفاظت اور ان کی مدد و نصرت کرنے، ان کے اہل خانہ، بیواؤں اور یتیموں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے اور اپنی سرزمین میں آئندہ آنے والی عظیم جنگوں کی تکالیف و مصائب اور اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہو جائے۔ اور یہاں پر نئی شامی انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کو مسلح کرنے اور ہتھیاروں کو محض ریاست تک محدود نہ کرنے پر توجہ دے، اپنے عوام کو، خطے میں بالعموم اور شام میں بالخصوص، صہیونی۔صلیبی خطرے اور اس کے عزائم کے بارے میں آگاہ کرے اور خطے کے لوگوں کو ان عظیم جنگوں میں مشغول ہونے کے لیے تیار کرے

جولامحالہ عظیم تر شام (یعنی سوریہ، اردن، فلسطین اور لبنان) کی سرزمین میں رونما ہوں گی۔

۴. ریاست کو زراعت اور معیشت میں مضبوط کرنے کی تیاری کی جائے تاکہ وہ خود مختار اور باعزت مستقبل رکھے، اپنے اصولوں پر قائم رہے اور عالمی نظام کی لومڑیوں کی جانب ہاتھ نہ پھیلائے۔

۵. اس ظالمانہ و غیر منصفانہ عالمی نظام سے بدلہ لینے اور اسے اور اقوامِ متحدہ کو طویل المدتی طور پر آہستہ آہستہ کمزور کرنے کے لیے مستقبل کے کام کی منصوبہ بندی کی جائے جس عالمی نظام نے شامی عوام کے مصائب و آلام پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ عظیم تر شام کو خصوصاً اور امتِ مسلمہ کو عموماً تمام بیرونی غاصبوں اور مقامی جابر حکمرانوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی جائے اور ساتھ ساتھ جہاد کے دیگر میدانوں میں برسرِپیکار مجاہدین کی مدد کی جائے، خاص طور پر وہ لوگ جنہیں انہی دشمنوں کا سامنا ہے جو شامی انقلاب کے دشمن تھے تاکہ وہ دشمن اپنی صفوں کو دوبارہ ترتیب نہ دے سکیں اور شام کے میدان میں دوبارہ واپس نہ آسکیں۔

جہاں تک تنظیم القاعدہ کے سابق شیوخ کی سفارشات کا تعلق ہے، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے دمشق میں مجاہدین کی فتح اور اس کی آزادی کو ہمارے ساتھ دیکھا ہے تو مجھے یقین ہے کہ عرب بہار کے انقلابات کے آغاز میں پیش کیے گئے ان کے الفاظ اور مشورے اب بھی نافذ العمل ہیں۔ تاہم، میرے خیال میں اگر وہ آج ہم میں موجود ہوتے تو ذیل میں بیان کی گئی تین اہم ترین نصیحتوں پر زور دیتے:

پہلی نصیحت:

مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مجاہد نوجوانوں کے لیے، تنظیم القاعدہ کے سابق شیوخ کی دعوت، شام کی نئی قیادت کے ساتھ تعامل میں صبر و تحمل، غور و فکر اور نرمی و مہربانی سے پیش آنے کی دعوت ہوتی، صرف یہی نہیں بلکہ انہیں ان کی بات سننے، اطاعت کرنے اور ان کے حق میں نیکی کی نصیحت کرنے اور خیر، راستبازی اور تقویٰ کے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت ہوتی اور انہیں حکمت و بصیرت کے ساتھ حق کی طرف بلانے، انہیں نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے کی دعوت ہوتی۔ کیونکہ ان دِنوں، شام کی نئی قیادت کو خدا کی یاد دلانے اور اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے اور اللہ کی سنت کی طرف متوجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ انہیں گزرے ہوئے کل کے تجربات سے سیکھے گئے اسباق اور ان سے حاصل شدہ حکمت کی باتوں سے نرمی سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء، داعیانِ دین اور طالب علموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اہم کام کو سرانجام دیں۔

اور نوجوانوں کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ دمشق کی آزادی اور شامی انقلاب کی اس کے کچھ دشمنوں پر فتح، اہلِ علم و فقہ اور اہلِ دانش کے نزدیک، اسلام اور مسلمانوں کے لیے حال میں اور مستقبل میں بہت بڑی بھلائی شمار ہوتی ہے اور یہ وہ صورتِ حال ہے جس میں آج ہم شام کی سرزمین پر زندگی گزار رہے ہیں، اگرچہ یہ وہ کامل صورت نہیں ہے جس کی ہم نے تمنا کی تھی اور جس کا تصور ہمارے ذہنوں میں تھا، سوائے اس کے کہ شر اور برائی کا تھوڑا بہت خاتمہ ہوا ہے، ایک ایسی چیز جس سے مومن کے لیے کسی قدر آسانی ہوتی ہے اور اسے خوشی میسر آتی ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم مستقبل میں جس چیز کی امید رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ قدم، ان شاءاللہ، آنے والی خیر کا تعارف ہے اور عظیم دروازے کے کھولنے کا ذریعہ ہے۔

اور ان کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ فتوحات ان مجاہدین کے خون کی پیداوار ہیں جنہوں نے مدافعت، جہاد اور ظلم کے خلاف مزاحمت کے جذبے کو زندہ کرکے ان انقلابات کو قائم کرنے میں حصہ لیا، پس جو شخص شام میں فاتحین کی جڑوں کو نہیں دیکھتا اور جہاد کے بیج پر اور اس فتح میں مجاہدین کے خون سے حاصل شدہ ثمر پر توجہ نہیں دیتا، وہ خود کے سوا ہر چیز سے اندھا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور نوجوانوں کو پلک جھپکنے کے بقدر بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ ان شاءاللہ ان تبدیلیوں اور فتوحات سے سب سے زیادہ مستفید ہونے والی تو امتِ مسلمہ ہی ہے اور پھر مخلص مجاہدین اور داعیانِ دین ہی ان فتوحات سے استفادہ حاصل کرنے کے اہل اور سب سے پہلے اس عام فائدے میں داخل ہونے والے ہیں۔

شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”ہم نوجوانوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ معاملات کی اچھی سمجھ بوجھ رکھیں، تنگ نظری، تناؤ اور عجلت پسندی سے دور رہیں اور مختلف اسلام پسند جماعتوں کے کارکنان مثلاً تونس میں ”النہضہ“ یا دیگر بھائیوں کے ساتھ تنازعات میں نہ پڑیں بلکہ تعمیری کاموں کی تیاری کا آغاز کریں۔ اپنی دعوت میں نرمی و مہربانی، اچھے اخلاق کی پابندی، لوگوں کے لیے سینے کی کشادگی اور ان کی سمجھ بوجھ میں فرق ملحوظ رکھیں اور یاد رکھیں کہ ہماری امت مشکل اور پیچیدہ مراحل سے گزر رہی ہے اور اس نے ابھی اس زوال کی حالت سے اوپر اٹھنے اور باہر نکلنے کی کوشش شروع کی ہے جس میں وہ دہائیوں بلکہ صدیوں سے کھڑی ہے!
>
> نوجوانوں کو شعور کی اس سطح پر ہونا چاہیے جس کی ضرورت ہے اور یہ سب صفات، دین کے لیے جدوجہد اور اس کے لیے غیرت و حمیت اور حق بات بیان کرنے اور منہج کو واضح کرنے سے متصادم نہیں ہیں۔“

بلکہ انہوں نے اس میں ان خوبیوں کو بھی شامل کیا ہے جن کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے:

”نرمی و مہربانی، کامل آداب و اخلاق اور تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہمدردی، رحمت اور احسان جیسی صفات کو غالب رکھنا۔ یہ اپنا اصول بنالیں: میں اچھائی اور نیکی کر سکتا ہوں، میں حق بات کر سکتا ہوں اور سچ بول سکتا ہوں، لیکن پورے ادب اور شائستگی کے ساتھ۔ اور میں فسادی و انتشاری مسائل سے بچ سکتا ہوں۔ اور جان لو، اللہ تمہیں برکت دے، کہ حق کے درجے ہیں۔ جن میں سے بعض کو قول و فعل میں کسی بھی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا جبکہ بعض کو مخالفت یا رکاوٹ پر چھوڑا جا سکتا ہے (جسے عذر کہتے ہیں)، پس اسے خوب سمجھ لو۔ اور اپنے دلوں کو نفع بخش علوم کو سمجھنے اور شعور و سمجھ کی سطح کو بلند کرنے کے لئے کھلا رکھو۔“[۲]

دوسری نصیحت:

تنظیم القاعدہ حضرات نوجوانوں کو دعوت دیتے کہ وہ اس تاریخی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے دین کی تبلیغ کریں، توحید و جہاد کی دعوت پھیلائیں اور ملک کی تعمیر و ترقی اور لوگوں کی خدمت کے لیے ریاستی اداروں میں شامل ہو جائیں اور اپنی انتظامی، سیاسی، میڈیائی، عسکری اور معاشی مہارتوں اور صلاحیتوں کو اس جہاد کا ایک اہم معاون بننے کے لیے تیار کریں جو ایک دن ان شاء اللہ بیت المقدس کو فتح کرے گا اور اس سرزمین کو ناپاک صہیونیوں سے پاک کرنا شروع کر دے گا اور اسی طرح جامع تیاری کے میدان میں کام کرنے والے اپنے تمام بھائیوں کو محفوظ بنائیں۔ ریاست کی بنیادوں میں منہجِ حق اور صحیح نظریات رکھنے والوں کی موجودگی پورے خطے میں اسلام کی حمایت کے لیے کام کرنے والے نوجوانوں کو تحفظ فراہم کرنے میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔

شیخ عطیہ اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آج امتِ مسلمہ کے مصلحین، مجاہدین اور داعیانِ دین کو اس تاریخی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس انقلاب کے بعد کے حالات میں حاصل شدہ آزادیوں اور مواقع کی روشنی میں اور بہت سی رکاوٹوں کے خاتمے اور بہت سی پابندیوں کے ٹوٹنے کے بعد انتھک دعوتی، تعلیمی، تربیتی، اصلاحی اور احیائی کاموں کا آغاز کرنا چاہیے۔“[۳]

تیسری نصیحت:

وہ مجاہد نوجوانوں پر زور دیتے کہ وہ موجودہ مرحلے کا صحیح فہم حاصل کریں اور موجودہ حالات کو باریک بینی سے سمجھیں، اس مرحلے کے فرائض، واجبات اور مستحبات کا ادراک کریں اور اس میں مطلوب عمومی تفقہ حاصل کریں، پس آج شام میں جو کچھ حاصل کیا گیا ہے وہ جزوی فتح اور آزادی ہے، مکمل نہیں، اور جو کچھ حاصل کیا گیا ہے وہ کچھ لازمی اہداف و مقاصد ہیں، مکمل یا اکثر نہیں، اس وجہ سے انقلابی سفر ابھی طویل ہے اور انقلاب ابھی ختم نہیں ہوا اور ابھی تو جہاد شروع ہوا ہے۔ اگر سوریہ کی نئی انتظامیہ، بین الاقوامی برادری اور مغربی تسلط کے تئیں ضعف اور منہج کی کمزوری سے دوچار ہے تو علماء، داعیانِ دین، تمام مجاہدین اور ان کے پیچھے موجود شامی عوام کو اس گھناؤنی کمزوری اور وہن کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ انہیں حق بات بیان کرنے میں سخت ہونا چاہیے اور صحیح منہج کو واضح کرنا چاہیے۔ اللہ رحم فرمائے شیخ عطیہ اللہ پر جنہوں نے فرمایا:

”القاعدہ کسی بھی قسم کی تبدیلی کی خواہاں نہیں، سوائے اس کے کہ وہ جزوی، مرحلہ وار اور حکمت عملی پر مبنی ہو، اور وہ جانتی ہے کہ یہ تبدیلی جزوی اور مرحلہ وار ہے، کیونکہ مطلوبہ کامل تبدیلی ممکن نہیں، ’القاعدہ‘ ایک حقیقی، بنیادی اور انقلابی تبدیلی کی خواہاں ہے، جس کا نتیجہ ایک ایسی صورتحال ہو جہاں اللہ کا کلمہ سب سے بلند ہو اور اللہ کی شریعت واحد حاکم اور غالب ہو، جس میں امتِ مسلمہ کی آزادی، عزت اور وقار صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت حاصل کیا جائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ دین پورے کا پورا صرف اللہ کے لیے ہو اور حاکمیت بھی صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور یہی اسلامی سلطنت کا وہ مفہوم ہے جو القاعدہ اور تمام مجاہدین کے یہاں مطلوب ہے۔ پس یہ تونس اور مصر کے انقلابات کا معاملہ ہے: اگر ان کی نیت اور ارادہ درست تھا تو انہوں نے وہ حاصل نہیں کیا جو وہ چاہتے تھے، نہ ہی وہ حاصل کیا جو القاعدہ چاہتی تھی۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ القاعدہ نے جو کچھ یہ چاہتے تھے اس کے حصول میں ان شاء اللہ مدد کی، اور اس راہ کی بنیاد رکھنے اور سہولت فراہم کرنے میں حصہ ڈالا۔ اسی طرح القاعدہ نے ان انقلابات کی بنیاد رکھنے اور ان کے لیے زمین تیار کرنے میں مدد کی، امت کے عوام میں خوف کی رکاوٹ کو توڑنے، مزاحمت کی روح پھونکنے اور ظلم اور ظالموں کے خلاف انکار اور عزت نفس کی قوت کو زندہ

[۲] عطية الله، ثورة الشعوب وسقوط النظام العربي الفاسد: كسر صنم الاستقرار والانطلاقة الجديدة، ضمن الأعمال الكاملة» (٢/٨٣٨).

[۳] عطية الله، ثورة الشعوب وسقوط النظام العربي الفاسد: كسر صنم الاستقرار والانطلاقة الجديدة، ضمن الأعمال الكاملة» (٢/٨٣٨)

رکھنے کے ذریعے، اس کے علاوہ بھی کئی ذرائع اور وسائل کے ذریعے، جن پر اگر بات کی جائے تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ پھر ایک بہت اہم عامل کے ذریعے، یعنی: امریکہ کو غیر جانبدار کرنا اور اسے براہ راست اثر و رسوخ اور سامراجی تسلط کے دائرے سے نکالنا۔

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے اس گروہ کی برکت سے اس امت کو بہت کچھ عطا کیا ہے، اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی مدد فرمائے، اور یہ ان کے حق میں ایک بہتر آزمائش ثابت ہوئی کہ انہوں نے عراق، افغانستان اور باقی دنیا میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور اس پر اس قدر ذلت، رعب اور خوف مسلط کر دیا کہ وہ دیگر تکلیف دہ مسائل، جنگوں، تنازعات اور اضافی اخراجات میں مبتلا ہو گیا، ورنہ امریکہ، عرب بہار کے انقلابات کو پہلے دن سے کھڑا دیکھتا نہ رہتا بلکہ تیونس یا مصر میں فوجی طاقت کے ذریعے مداخلت ضرور کرتا۔

جب امریکہ کا تکبر، رعونت اور سامراجی عزائم عروج پر تھے عین اس وقت مجاہدین نے، اللہ کے فضل سے، پہلی بار اس کو ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا یہاں تک کہ وہ زبانِ حال سے کہنے لگا: 'آنکھ بصیرت افروز ہے لیکن ہاتھ چھوٹا ہے' (یعنی خواہش و ادراک کے باوجود بے بس اور مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہو چکا ہوں)، جیسا کہ کسی زمانے میں امتِ مسلمہ کا حال تھا۔ پس تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ انصاف پسند لوگوں اور حق اور سچائی کو تسلیم کرنے والوں کے نزدیک یہ مجاہدین کی ایک بہت بڑی خوبی اور کامیابی ہے۔

میں واپس آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہم ان انقلابات کی حمایت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان میں خیر کا پہلو ہے جس کا میں نے اوپر چند جملوں میں ذکر کیا ہے، اور اس لیے کہ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جس کی ہمیں امید ہے کہ اس کے بعد خیرِ کثیر پھیلے گی، اور اسی وجہ سے القاعدہ ان میں شامل ہے جو، اللہ کے فضل و کرم سے، ان انقلابات سے سب سے زیادہ خوش اور سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ پس دشمنوں کو اپنے غصے میں مرنے دو۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس کے ابتدائی لمحات سے ہی اس کی حمایت کی اور اس کے ساتھ چلا۔ اور اس میں موجود دھندلاہٹ اور ابہام کے باوجود امت کی خوشی میں شرکت کی، جس سے ہم بے خبر نہیں ہیں، البتہ غائب ہیں۔ کیونکہ القاعدہ امت کی بھلائی اور خیر چاہتی ہے اور جتنا ہو سکے اس سے چھوٹے بڑے نقصان کو دور کرنا چاہتی ہے، اسی لیے القاعدہ کو قائم کیا گیا ہے۔ اس امت کو حاصل ہونے والی کوئی بھی بھلائی ہو، القاعدہ اس کے ساتھ ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ القاعدہ اس بات کی متقاضی نہیں ہے کہ اسی کے ہاتھوں خیر جاری ہو اور وہی نیکی کہلائی جائے اور اسے قبول بھی کیا جائے، بلکہ القاعدہ کا مقصد خیر، نیکی اور راستبازی کا حصول اور حق، عدل و انصاف، رحمت اور احسان کو غالب کرنا ہے اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شریعت کی حاکمیت ہی کے تحت اپنی کامل شکل میں وقوع پذیر ہو سکتی ہے اور ایک حقیقی اسلامی سلطنت کے زیرِ سایہ ہی ممکن ہے جس کا قیام ہم اپنے تمام ممالک میں چاہتے ہیں، چاہے کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے! چونکہ زیادہ تر مطلوبہ بھلائی حاصل کرنا کسی خاص مرحلے پر ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا ہم اس میں سے کچھ خیر کو مقدور حد تک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''[4]

مجھے ان نصائح کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں تنظیم القاعدہ کے سابق رہنما اپنے مجاہد بیٹوں کو ایسی ہی نصیحتیں کرتے۔ میں یہاں اپنے نوجوان بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ عرب بہار کے انقلابات کے آغاز میں جاری کیے گئے شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے آخری بیان کی طرف رجوع کریں، نیز ان انقلابات کے بارے میں شیخ عطیہ اللہ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کا انٹرویو پڑھیں، اور شیخ ابراہیم الربیش رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منفرد تقریر بھی ہے جس کا عنوان ہے 'الثورات وموسم الحصاد' (انقلابات اور فصل کی کٹائی کا موسم)۔ اور شیخ البلیدی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات بھی کم اہم نہیں ہیں۔ یہ سب بیانات و تقاریر بہت اہم اور مفید نصائح اور رہنما اصولوں پر مشتمل ہیں، والله تعالى أعلم۔

ادارہ النازعات: میرے محترم استاذ، جو لوگ شام کے جہاد کے واقعات اور انقلاب کے تیرہ سالوں میں اس کے اتار چڑھاؤ کا نقشہ دیکھتے ہیں، انہیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی پیچ دار اور مسخ شدہ ہے، خاص طور پر تنظیم القاعدہ سے ''فک الارتباط'' (تعلق توڑنے) کے مرحلے کے بعد۔ آپ کی رائے میں، کیا ہم دمشق کی آزادی کے بعد بھی نئے تیز موڑ اور خم دیکھیں گے، اور مستقبل قریب میں شام میں جہاد کا مستقبل کیا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی! آیئے ہم بصیرت سے کام لیں اور حق کی خاطر غیر جانبدار رہیں، تاکہ شام میں اپنے عوام کی فتح پر ہماری محبت اور خوشی، حق بات میں شام کی نئی انتظامیہ کے لیے ہماری حمایت، دین و منہج کے لیے ہماری غیرت و حمیت اور جدوجہد اور حق بات کو واضح کرنے اور صحیح منہج کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی تضاد نہ ہو۔ یہاں

---

[4] عطية الله الثورات العربية وموسم الحصاد، ضمن الأعمال الكاملة». (٨٧١-٢/٨٧٣)

میں آپ کو پوری صراحت کے ساتھ بتانا چاہوں گا کہ ہماری معاصر دنیا میں تمام گروہ بندیوں، تشکیلات اور صف بندیوں کے درمیان ”نئی صف سے تعلق جوڑنے کا معاہدہ“ کیے بغیر ”پرانی صف سے تعلق توڑنے“ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے، جب کوئی ذہین شخص گلوبلائزیشن کے بعد کی دنیا میں کسی بھی فریق کے بارے میں ”پرانی صف سے تعلق توڑنے“ کی خبر سنے گا، تو وہ فوری طور پر ”نئی صف سے تعلق جوڑنے والے معاہدے“ کی تلاش کرے گا اور یہ کہ کس فریق نے اسے حاصل کیا۔

میں جانتا ہوں کہ نئی شناخت اور اس منصوبے کے بارے میں پہلے بہت کچھ کہا جا چکا ہے جس سے شام کی نئی انتظامیہ کی قیادت نے اپنا تعلق جوڑا، اور آج یہ بہت سے لوگوں کو معلوم ہے۔ لیکن سب سے خطرناک بات اس تعلق کو تیزی سے مستحکم کرنے اور اسے اس منصوبے اور اس کے علاقائی آلات کے ساتھ ایک اسٹریٹیجک اتحاد میں تبدیل کرنے کی حیرت انگیز رفتار ہے۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ شام میں جہاد کا مستقبل طویل عرصے سے انتہائی مشکل اور پیچیدہ مراحل میں داخل ہو چکا ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ شام میں جہاد کے مستقبل کا تعین اور منصوبہ بندی ۲۰۰۶ء سے کی گئی ہے، یعنی شامی جہاد اور شامی انقلاب کے آغاز سے بہت پہلے۔ اور اگرچہ صہیونی۔صلیبی مغرب نے ’معتدل جمہوری اسلام‘ کا اپنا تصور تیار کیا جسے وہ قبول کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اس فریم ورک میں ’اعتدال پسند جمہوری جہاد‘ کا اپنا تصور بھی پیش کیا، جس کے ساتھ وہ گزارہ کر سکتے ہیں اور اسے قبول کر سکتے ہیں۔ رینڈ کارپوریشن کی جانب سے ۲۰۰۶ء میں اینجل رباسا (Angel Rabasa) کی نگرانی میں شائع ہونے والی ایک بڑی تحقیق کا عنوان تھا: ”القاعدہ سے آگے“ (Beyond Al-Qaeda)۔ اس مقالے پر غور کرنے سے ہمیں ان باتوں کی صداقت کا ادراک ہو گا جو میں نے اوپر بیان کی ہیں، کیونکہ دو بڑی جلدوں میں شائع ہونے والا یہ مقالہ ایک درست نقشہ کھینچتا ہے اور شام کے جہاد کے مستقبل کے لیے اس کے تمام واقعات اور موڑوں اور آج کے حالات کے بارے میں بہت اچھی طرح سے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ میرے الفاظ کی صداقت پر شک کرنے والے کے لیے اس مقالے کا بغور مطالعہ کافی ہو گا جس میں شام کے مستقبل کے بارے میں ان کی منصوبہ بندی اور اس کے عملی نفاذ میں ہم آہنگی کی حد کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔

صہیونی۔صلیبی مغرب کے زیر تسلط عالمی نظام گزشتہ دو دہائیوں سے ”اعتدال پسند مسلمانوں کے نیٹ ورکس“ کی تعمیر اور ”مہذب جمہوری اسلام“ (Civil Democratic Islam) کو مستحکم کرنے میں کامیاب رہا اور موجودہ دہائی کے آغاز تک مغرب نے ”مہذب اعتدال پسند جہادی تنظیموں“ (Moderate Civil Jihadist Organizations) کی تشکیل میں بہت بڑی کامیابیاں حاصل کیں ہیں اور مغرب، بعض جہادی تحریکوں پر اپنے رجحانات اور خواہشات مسلط کرنے میں بھی کامیاب رہا ہے۔ انہیں اس منہج اور راستے سے، جسے مغرب پسند نہیں کرتا، ہٹا کر اس نہج پر ڈال دیا ہے جسے وہ قبول کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ گزارہ کر سکتا ہے۔ نیز صہیونی۔صلیبی مغرب ان تنظیموں پر اپنا یہ وژن اور نقطۂ نظر مسلط کرنے میں بھی کامیاب ہوا کہ وہ دشمن کون ہے جس سے ”اعتدال پسند جہادی تحریک“ کو لڑنا چاہیے اور وہ دشمن جسے اعتدال پسند مجاہدین کو بے اثر کرنا چاہیے۔ پس مغرب نے اعتدال پسند مجاہدین کے لیے، اپنے معیارات کے مطابق، قابض دشمنوں کی ایک فہرست مقرر کر رکھی ہے جن کے خلاف وہ جہاد کرنے کی اجازت دیتا ہے، ان میں بشار الاسد، ایرانی۔لبنانی حزب اللہ، ایران اور روس شامل ہیں۔ اس کے برعکس جہاں تک صہیونی و امریکی قبضے کا تعلق ہے تو وہ ان کے خلاف زبان، مال، ہاتھ اور نیزوں (بندوقوں) سے جہاد سے منع کرتا ہے اور انہیں غاصب و قابض صہیونی اور غاصب و قابض امریکی کہنے سے بھی منع کرتا ہے۔ پس یہاں سے شام کی جہادی قیادت کے درمیان ایک نیا، انتہائی منحرف اور بہت ہی گمراہ کن سیاسی تصور ابھرا ہے، اور وہ ہے غاصب و قابض (امریکی) رہنماؤں کو صدارت میں کامیابی پر مبارکباد دینا اور قابض (امریکی) ریاست کے لیے طاقت اور خوشحالی کی خواہش کا اظہار کرنا۔

یہ درحقیقت جہادی تصورات میں ایک بہت بڑا انحراف ہے، اسی لیے ایک طرف مجھے ان نوجوانوں پر بہت ترس آتا ہے جو جہاد سے محبت کرتے ہیں اور انہیں ان کے علم کے بغیر کھائی میں دھکیلا جاتا ہے، انہیں جنگوں کے لیے ایندھن اور لکڑی طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خلاف اور شام کے مبارک جہاد کے خلاف ہونے والی اندرونی و بیرونی سازشوں اور صہیونی۔صلیبی مغرب کے منصوبوں سے واقف نہیں ہیں۔

جبکہ دوسری طرف مجھے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے اور اس بات پر بھی یقین ہے کہ یہ مبارک جہاد ان شاء اللہ بیت المقدس کی طرف رواں دواں ہو گا، کیونکہ شام صدق و وفا کا مرکز اور اسلام کا گہوارہ ہے، یہ اللہ کی پسندیدہ اور اس کی زمین میں سے چنیدہ جگہ ہے، جہاں وہ اپنے بندوں میں سے اپنی پسندیدہ اور چنیدہ ہستیوں کو لاتا ہے۔ اللہ نے شام اور اس کے لوگوں کی ذمہ داری لی ہے، اور فرشتے اس پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ شام اور اہل شام کے حق میں یہی کافی ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور ہمیں خبر دی کہ منافقوں کے لیے یہاں کے مومنوں پر غالب آ جانا حرام ہے۔ آج، بحمد اللہ، ہم شام کو خالص برائی سے اچھائی میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن اس کی خیر میں ابھی دھندلاہٹ ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ شام میں ہمارے بھائیوں کے معاملات میں آسانی کے اسباب فراہم کرے اور ان کے کاموں میں درستی کا سامان مہیا فرمائے۔

شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں، میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مستقبل میں شام میں جہاد کی حقیقی نشاۃ ثانیہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب اہلِ جہاد ایک ایسے دھارے اور خط میں صف بندی کر کے جمع ہو جائیں جو آپس میں مربوط ہو کر ایک دوسرے کو تقویت دیتا ہو اور جب میں ’الشام‘ کی بات کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ہماری عظیم تر شام کی سرزمین یعنی موجودہ شام سے فلسطین، لبنان اور اردن تک ہے، میری معمولی رائے میں شام کے لوگ صرف اور صرف اپنے اتحاد اور ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر کے ہی اپنے عظیم تر شام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ شامی عقاب صرف اور صرف اپنے دو مربوط بازوؤں کے ساتھ ہی پرواز کر سکتا ہے: یعنی ’طوفان الاقصیٰ کا بازو‘ اور ’ردع العدوان‘ کا بازو۔

اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ ’طوفان الاقصیٰ‘ نے ’ردع العدوان‘ کی کامیابی کے لیے خطے میں سیاسی اور عسکری حالات پیدا کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے، جیسا کہ شامی انقلاب کے بہت سے رہنماؤں نے اس بات کا اقرار کیا ہے۔ انہی میں سے ایک کمانڈر احمد الدالاتی ہیں جنہوں نے حال ہی میں ایم بی سی چینل پر اپنے انٹرویو میں یہی بات کہی ہے۔ لہٰذا ’طوفان الاقصیٰ‘ کے معماروں اور ’ردع العدوان‘ کے تخلیق کاروں کے درمیان ہم آہنگی، یکجہتی اور باہمی ربط سے کوئی مفر نہیں۔ اب یا تو ان دونوں کی صف بندی ایک دوسرے کے لیے خدمت گار اور مددگار ثابت ہو گی یا یہ کہ مستقبل میں ’طوفان الاقصیٰ‘ ’ردع العدوان‘ کو نگل جائے گا یا معاملہ اس کے برعکس ہو گا، جیسا کہ ’طوفان الاقصیٰ‘ کے معماروں کی صف بندی اور ایرانی منصوبے کے ساتھ ان کا اتحاد، اس رجحان کی سمت کو ظاہر کرتا ہے، پس جس سمت میں وہ بڑھ رہے ہیں وہ ’ردع العدوان‘ کے تخلیق کاروں کی صف بندی اور اتحاد سے متصادم ہے۔

اگر اللہ ان دونوں گروہوں کے لیے آسانی پیدا کرے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اور تعاون کریں، بغیر اس کے کہ وہ قوم کے عزائم کے خلاف اتحاد کریں یا منصوبوں کی گود میں جا گریں، تو شام کے جہاد کا مستقبل اللہ کے اذن سے کامیابی اور توفیق کی طرف گامزن ہو گا اور اس سلسلے میں، میں نئی شامی انتظامیہ میں اپنے بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ لبنان میں اپنے سنی بھائیوں کا خیال کریں، ان کی مدد کریں اور ان کی جہادی ترقی پر کام کریں تاکہ وہ ان کے لیے خطے میں ایک جہادی سہارا اور مددگار بن جائیں۔ انہیں لبنان اور غزہ میں کتائب القسام کے بھائیوں کے ساتھ رابطے اور برادرانہ تعلقات کے پل بنانے پر توجہ دینی چاہیے اور لبنان میں شیعہ محاذ کے بجائے ایک لبنانی سنی محاذ بلکہ سنی حملہ آور محاذ کی تشکیل میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

والله تعالى أعلم۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

فلسطین میں بسنے والے اے ہمارے لوگو!

اللہ تمہارے لیے کافی ہو جائے، یقیناً اللہ ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ وہ تمہارے اجر اور تمہارے جہاد کو ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم! تم نے ہمیں عزتِ مسلم کا مفہوم سمجھا دیا ہے۔ تمہارے اعمال، استقامت اور عزت و وقار کے مظاہر نے ہمارے دلوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

اور اللہ کی قسم! تم نے اپنے اعمال سے یہودیوں کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے، اقوامِ کفر کو لرزا دیا ہے اور تمہارے ان شجاعت بھرے اقدامات کے تسلسل نے ہمارے سینوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کوششوں کو بابرکت بنائے اور تمہارے نشانوں کو ہدف پر بٹھائے۔ پس تم اپنے جہاد کو اسی طریقے سے جاری رکھو اور اپنی قوت و استعداد کو ہر ممکن حد تک بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کے اذن سے فلسطین میں تمہاری یہ عظیم الشان قربانیاں اس عظیم اسلامی بہار کا پیش خیمہ ہیں جو ان شاء اللہ جلد ہی آنے والی ہے۔ وہ عالمگیر بیداری اور انقلاب جو قابض قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کو روند ڈالے گی! اور اللہ کے لیے ایسا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

اللہ کی قسم! جب میں تمہارے ان کارناموں کو دیکھتا ہوں تو اپنے دل میں کہتا ہوں: الحمدللہ کہ تم مسجدِ اقصیٰ کے پڑوس میں ہو اور اس کے صحن تمہاری سرزمین میں ہیں، کیونکہ تم ہی اس امانت کو اٹھانے کے اہل ہو اور تم ہی امت کے لیے اس کی حفاظت کرنے کے ضامن ہو۔

اور اللہ کے ہاں اُس شخص کے لیے کوئی عذر نہیں جو تمہاری نصرت اور تمہارے جہاد و رباط کی حمایت کرنے اور تقویت پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی اس میں کوتاہی کرے۔ ہم اللہ رب العزت سے اُس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی بلند صفات کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جلد از جلد تم تک پہنچائے تاکہ ہم تمہاری مدد اور نصرت کر سکیں۔ اور جو بھی (ہمیں تمہاری مدد سے روکے اور) ہمارے اور تمہارے درمیان حائل ہو، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کی دنیوی خواہشات سے اسے محروم کر دے اور آخرت میں بھی اسے جنت سے محروم فرمائے۔

شیخ خالد باطرفی رحمہ اللہ

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البراء الإبّي

وجہ نمبر: چونتیس (34)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الاِبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

چونتیسواں سبب: اہل بدعت کے شبہات میں پڑ جانا

جب شیطان مجاہد کے دل میں شکوک و شبہات ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، خصوصاً فتنوں کے دور میں، تو ایسے میں مجاہد از سرِ نو اپنا جائزہ لینا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اپنی اصلاح یا کمزوری اور کوتاہی کے سدباب کی غرض سے نہیں، بلکہ اس لیے کہ اب اس کے نظریات اور ارادے ہی بدل چکے ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس کوئی واضح اور صحیح دلیل نہیں ہوتی۔

ہمارے سچے نبی ﷺ، صادق و مصدوق، نے ہمیں پہلے سے یہ خبر دے رکھی ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ شخص رات کو مومن سوئے گا لیکن صبح ہوتے ہی وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جو شخص صبح کو مومن تھا وہ رات ہوتے ہی کافر ہو جائے گا۔ ایسا شخص دنیا کے فانی مال و متاع کے بدلے اپنا دین فروخت کرتا رہتا ہے۔

تو اے مجاہد خبردار رہو! ایسا نہ ہو کہ متزلزل ایمان والے یہ لوگ تمہیں بھی تمہارے نبی ﷺ کے منہج کے بارے میں فتنے میں ڈال دیں۔ اور میں ان لوگوں کو بھی ایسی حرکتوں سے باز رہنے کا کہتا ہوں۔

یہ وہی حالت ہے جس کا اندیشہ فتنوں سے باخبر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو تھا۔ جب ان سے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے نصیحت کریں"۔ تو حضرت حذیفہ نے فرمایا:

> "اصل اور حقیقی گمراہی یہ ہے کہ تم اس چیز کو اچھا سمجھنے لگو جسے تم برا جانتے تھے۔ اور اسے برا مانوں جسے تم اچھا سمجھتے تھے۔ خبردار دین کے معاملے میں اپنے رنگ نہ بدلتے رہنا۔ کیونکہ اللہ کا دین تو ایک ہی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> "ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اتنا پکا کرے کہ اگر دنیا میں بسنے والے تمام لوگ کفر اختیار کر لیں تب بھی وہ کافر نہ ہو۔ اور اسے چاہیے کہ وہ امعہ (اناڑی) نہ بنے۔"

ان سے پوچھا گیا کہ امعہ کون ہوتا ہے؟ فرمایا:

> "جو یہ کہے میں تو لوگوں کا ساتھ دوں گا۔ کیونکہ شر اور برائی میں کسی دوسرے کو اپنا قابل تقلید نمونہ نہیں بنانا چاہیے۔"

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

> "تم لوگ اس وقت تک خیر سے رہو گے جب تک تم جسے برا جانتے تھے اسے اچھا نہ جاننے لگو۔ اور جسے اچھا جانتے تھے اسے برا نہ ماننے لگو۔ اور جب تک تمہارے علماء تم لوگوں کے درمیان بلا خوف و خطر بولتے رہیں۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> "انتہائی پیچیدہ بیماری یہ ہے کہ شخص اپنا دین ایمان بدلتا رہے۔"

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (مفتاح دار السعادہ) میں فرماتے ہیں:

> "جب میں شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) کے سامنے، اللہ ان سے راضی ہو، ایک کے بعد دوسرا اشکال پیش کرتا رہا تو انہوں نے مجھ سے کہا: 'اشکالات و شبہات کے لیے اپنے دل کو ایسا اسفنج نہ بنانا جو شبہات کو اندر جذب کر لے اور پھر جب نچوڑا جائے تو شبہات ہی نکلتے رہیں۔ بلکہ اُسے ایسے ٹھوس اور شفاف شیشے کی طرح بناؤ جس میں شبہات پھنسنے کے بجائے اُس پر سے گزر جائیں۔ پس دل اپنی شفافیت کی بدولت ان شبہات کو واضح دیکھ بھی لے اور اپنی مضبوطی کی بدولت انہیں رد بھی کر دے۔ بہ صورت دیگر اگر ہر شبہ جس پر تمہارا گزر ہو تمہارے دل میں جذب ہوتا رہے تو اس طرح تمہارا دل شبہات کا ٹھکانہ بن جائے گا'۔ شیخ الاسلام کے الفاظ کم و بیش اسی طرح تھے۔ شبہات کے رد میں ان کی اس نصیحت کے علاوہ مجھے نہیں یاد کہ کسی اور نصیحت نے زیادہ فائدہ پہنچایا ہو۔"

حضرت عباس ﷛ نے فرمایا:

”ہوائے نفس کے پیروکاروں کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔ کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے دل بیمار ہو جاتے ہیں۔“

حضرت ابو قلابہ ﷫، جنہوں نے ایک سے زیادہ صحابی رسول ﷺ کو پایا، فرماتے ہیں:

”ہوائے نفس کے پیروکاروں (یا فرمایا) جھگڑنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ یا تو یہ لوگ تمہیں اپنی گمراہیوں میں ڈبو دیں گے۔ اور یا جسے تم بھلا جانتے ہو اس میں سے تمہارے لیے کچھ ضرور گڈ مڈ کر دیں گے۔“

ہوائے نفس کے دو پیروکار حضرت محمد بن سیرین ﷫ کے ہاں داخل ہوئے اور ان سے کہنے لگے: اے ابو بکر، کیا ہم آپ کو ایک حدیث نہ سنائیں۔ تو حضرت ابن سیرین نے جواب دیا: ”نہیں“۔ انہوں نے کہا: چلیں ہم آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت ہی پڑھ دیتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت ابن سیرین نے جواب دیا: ”نہیں۔ یا تم دونوں یہاں سے اٹھ جاؤ۔ اور یا میں اٹھ جاتا ہوں“۔ چنانچہ یہ دونوں شخص ان کے ہاں سے نکل گئے۔ پھر حاضرین میں سے کسی نے کہا: اے ابو بکر، اس میں بھلا کیا مسئلہ تھا کہ وہ آپ کو کتاب اللہ کی کوئی آیت سنا دیتے۔ تو محمد بن سیرین نے فرمایا: ”مجھے خدشہ تھا کہ وہ کوئی آیت پڑھتے اور اس میں تحریف کر ڈالتے۔ پھر وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی۔“

اہل بدعت میں سے ایک شخص نے حضرت ایوب سختیانی ﷫ سے کہا: اے ابو بکر! میں آپ سے ایک لفظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت ایوب منہ موڑ کر چل دیے اور اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ نہیں، آدھے لفظ کے بارے میں بھی نہیں۔

حضرت ابن طاوس ﷫ نے اپنے ایک بیٹے سے کہا جو اہل بدعت کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا: ”اے بیٹے، اپنے کانوں میں انگلیاں دے دو تاکہ تم اس کی بات سننے ہی نہ پاؤ“۔ اور پھر کہا: ”اور زور سے بند کرو۔ اور زور سے“۔

حضرت عمر بن عبد العزیز ﷫ نے فرمایا:

”جو شخص اپنے دین کو جھگڑنے کا موضوع بنائے تو وہ ہمیشہ اپنا دین ایمان بدلتا رہے گا۔“

اما شاطبی ﷫ نے اپنی کتاب (الاعتصام) میں لکھا ہے:

”نجات پانے والے گروہ کو، جو کہ اہل سنت ہے، حکم ہے کہ وہ اہل بدعت سے دشمنی رکھیں، انہیں جلا وطن کریں اور جو ان کی ارد گرد جمع ہوں انہیں عبرت ناک سزا دیں۔ علماء نے اہل بدعت کی صحبت اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے خبر دار کیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے، کیونکہ اس طرح ان کی دشمنی اور بغض ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔“

محمد بن النضر الحارثی ﷫ نے فرمایا:

”جو کوئی ایسے شخص کی بات غور سے سنے جب کہ وہ جانتا بھی ہے کہ وہ صاحب بدعت ہے، تو اس سے عصمت[1] کی صفت نکال دی جاتی ہے اور اس کے اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔“

حضرت عمرو بن قیس ملائی ﷫ نے فرمایا:

”جب میں کسی جوان کو جوانی کے آغاز میں ہی اہل سنت کے ساتھ پلا بڑھتا دیکھتا ہوں تو اس سے امید رکھتا ہوں۔ اور اگر اسے اہل بدعت کے ساتھ پلا بڑھتا دیکھوں تو اس سے مایوس ہو تا ہوں۔ کیونکہ جوان اپنے آغاز کے مطابق ہی بڑا ہوتا ہے۔“

حضرت یحییٰ بن کثیر ﷫ فرماتے ہیں:

”جب تم کسی صاحب بدعت کو ایک راستے میں دیکھو تو تم دوسرا راستہ اختیار کرو۔“

بقیہ: سوات سانحے کا ذمہ دار کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ○ (سورۃ النحل: ۲۶)

”ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بنیاد سے اکھاڑ پھینکا، پھر ان کے اوپر سے چھت بھی ان پر آ گری، اور ان پر عذاب ایسی جگہ سے آ دھمکا جس کا انہیں احساس تک نہیں تھا۔“

[1] ایک خداداد یا وہبی صفت جو انسان کو بدی پر قدرت کے باوجود اس سے باز رکھتی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین محمد و علیٰ آلہ و صحبہ و ذریتہ اجمعین اما بعد

فقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی کتابہ المجید بعد أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمان الرحیم

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○﴾ (سورۃ الانفال: ۳۸ تا ۴۰)

صدق اللہ مولانا العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ، وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ، يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

قُلْ، کہہ دیجیے، یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے، لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا، ان لوگوں سے کہ جنہوں نے کفر کیا، اِنْ يَّنْتَهُوْا، کہ اگر وہ باز آ جائیں، یا اگر وہ رک جائیں، يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ، تو جو کچھ پہلے گزر گیا وہ معاف کر دیا جائے گا، یعنی ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اہل کفر کے بعض جرائم

اس سے پچھلے درس میں ہم نے یہ بات پڑھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمایا کہ کفار اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں، اور اس میں اپنی ساری جدوجہد کھپاتے ہیں۔ اسی طرح اس سے پہلے کی آیات میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ذکر فرماتے ہیں کفار کے مختلف جرائم کا، ان کی عبادت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کی قدر نہیں پہچانتے اس لیے مسجد حرام کے پاس تالیاں پیٹتے ہیں، سیٹیاں بجاتے ہیں اور اس کو عبادت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اس سے پہلے ہم نے پڑھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا کہ ان کا کفر وعناد اور دین سے انکار اس درجے تک بڑھ چکا ہے کہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اگر جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، وہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔

اللہ رب العزت کی بے پایاں رحمت

ان سارے جرائم کا ذکر کرنے کے بعد بھی اللہ کی رحمت ہے اپنے بندوں پر کہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اب بھی یہ باز آ جائیں، اب بھی رک جائیں تو پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن میں ایک دوسری جگہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ (سورۃ النساء: ۱۴۷)

”اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، (یا اللہ کا اس عذاب دینے میں کیا مفاد ہے) اگر تم شکر کرنے والے اور ایمان لانے والے بن جاؤ۔“

پس اللہ رب العزت اپنے بندوں پر رحیم ہے اور بارہا ان کے بڑے بڑے جرائم اور اللہ سے عذاب کا مطالبہ کرنے کے بعد بھی اللہ پھر ان سے کہتا ہے کہ نہیں! تم اگر پھر بھی باز آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ پچھلا سب کچھ معاف کر دیں گے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ:

أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ (صحیح مسلم)

”کیا تم جانتے نہیں کہ اسلام اپنے سے پیچھے کے سارے گناہ ڈھا دیتا ہے۔“

دلیلِ صداقتِ اسلام

یعنی اسلام لانا پچھلے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ تو یہ اس دین کی عظمت ہے۔ اگر کفار تھوڑی دیر کے لیے بھی اس پر غور کریں تو اسلام کی صداقت کی شاید سب سے بڑی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ مسلمان جب جنگ کرتے ہیں، جب دعوت دیتے ہیں تو ان کا مقصود محض اپنا انتقام لینا، محض اپنی قوت و طاقت کو بڑھانا اور دوسروں کی زمینوں پر قبضہ کرنا نہیں ہوتا۔ مقصود اللہ کے ایک حکم کو، ہمارے اور کفار کے رب کے، خالق کے حکم کو پورا کرنا ہوتا ہے اور اس کے دین کو پھیلانا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارے حق میں بڑے سے بڑے جرائم کرنے والا شخص بھی جب توبہ کر لے تو ہم اپنی پچھلی ساری چیزیں بھلا کے اس سے اپنا ہاتھ روک لیں گے اور وہ ہمارا بھائی بن جائے گا۔ یہی اللہ کا حکم ہے چاہے کسی کا دل مانے یا نہ مانے۔

ہم چیلنج کرتے ہیں اس بات پہ، دنیا کی کوئی قوم یہ کام کر کے دکھائے! کوئی اتنا سچا عقیدہ لا کے دکھائے کہ جس کی بنیاد پر وہ اتنی بڑی قربانی بھی دینے کو تیار ہو! کسی نے ان کی نسلیں شہید کی ہوں، ان کے بچوں کو قتل کیا ہو، ان کے گھر بار کاروبار تباہ کیے ہوں اور وہ محض اپنے عقیدے کی خاطر یہ سب ظلم معاف کرنے کو تیار ہو۔

حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے سے قبل تقریباً بیس سال تک یعنی تقریباً پورا مکی دور اور اس کے بعد مدنی دور کا بھی بیشتر حصہ، کیونکہ جب فتح مکہ ہو گئی تو اس کے بعد کیا بچا، تو اس پورے دور میں

وہ کفار کی صف اول میں کھڑے رہے اور اسلام کے خلاف مستقل ہر جنگ کے اندر وہ قیادت کرتے رہے، منصوبہ بندی میں شریک رہے۔ لیکن جس دن انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے تو ان کا گھر امن کی جگہ قرار پایا اور پچھلے کسی گناہ اور کسی جرم کے اوپر ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی بلکہ وہ رضی اللہ عنہ کہلائے اور قیامت تک ایمان لانے والا ہر شخص انہیں صحابی ہی سمجھتا ہے اور ویسا ہی احترام ان کو دیتا ہے جیسا کسی دوسرے صحابی کو دیتا ہے۔

اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کا معاملہ ہے۔ اس کے باوجود کہ احد کے دن انہوں نے ستّر مسلمانوں پر ضرب لگائی اور تمام غزوات میں جو سب سے بڑا نقصان پہنچا مسلمانوں کو وہ ان کے ہاتھوں پہنچا۔ اس کے باوجود جب وہ اسلام لے کر آئے تو سیفٌ من سیوف اللہ، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار بن گئے۔

پس یہ اسلام کی صداقت کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے لیے نہیں لڑ رہا، وہ ایک سچے عقیدے کی خاطر لڑ رہا ہے جس کو وہ اپنی جان سے، اپنی اولاد سے، اپنے اہل سے، اپنے مال سے، ہر چیز سے زیادہ قیمتی جانتا ہے۔ تو کوئی کافر بھی رک کر اگر تھوڑی دیر بھی غور کرے تو وہ اس دین کی عظمت کا قائل ہو جائے گا اور اس پہ ایمان لے آئے گا۔

کیا اسلام مسلمانوں کا دین ہے؟

ہم ویسے بھی دعوت اپنے دین کی طرف نہیں دیتے، یہ مسلمانوں کا دین نہیں ہے۔ اہل کفر و شرک جیسے دیگر مختلف اصطلاحات ایجاد کرتے ہیں کہ جس سے حقیقت کو چھپائیں تو ان کا میڈیا اس بات کو بھی یونہی پیش کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں بانئ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بی بی سی تو اکثر اس بات کو دہراتا ہے۔ کیا مطلب ہے بانئ اسلام کا؟ اسلام ان کا ایجاد کردہ دین تو نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی ہیں۔ اس کو قصداً ایسی اصطلاح دیتے ہیں کہ انسان جب سن رہا ہو تو غور نہیں کرتا کہ کیا اس کے معنی ہیں، لیکن اس کے اندر ایک پورا پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ کہیں کہ اللہ کا دین، اور اللہ کے دین کو نہ ماننا اور اللہ کے دین پر چلنے والے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا، وہ کہتے ہیں مسلمانوں کا دین، تو یہ مسلمانوں کا اپنا دین نہیں ہے، مسلمان تو خود اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، وہ اس کے احکامات کو پورا کرنے کے پابند ہیں، دین تو رب کا ہے جو کافر کا بھی رب ہے اور مسلمان کا بھی۔

تو پیارے بھائیو! یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ کافروں کے لیے ان کے ان سارے جرائم کے بعد بھی کہتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجیے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ اگر اب بھی رک جائیں، باز آ جائیں تو پچھلا جو کچھ گزرا وہ معاف کر دیا جائے گا۔

اور اگر باز نہ آئے تو!

﴿وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ﴾

اور اگر یہ پھر واپس لوٹیں گے، پھر اسلام کے مقابلے پر آئیں گے، پھر کفر کریں گے، پھر سرکشی کریں گے، تو پچھلے لوگوں کی سنت گزر چکی ہے۔ یعنی پچھلے لوگوں کے ساتھ اللہ کہ سنت گزر چکی کہ جیسے پچھلی ساری اقوام نے جب جب اللہ سے سرکشی کی، اللہ کے احکامات کی اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیا کی نافرمانی کی تو اللہ کی پکڑ نے ان کو دبوچ لیا اور وہ تباہ ہوئے، ان پہ عذاب آئے، تو اسی طرح اللہ کہ یہ سنت ان کے اوپر بھی پوری ہو گی، اور وہ پوری ہوئی۔ مختلف غزوات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کفار کو، مشرکین مکہ کو عذاب دیا۔ جو بھی ان میں سے کفر پہ قائم رہا تو یا وہ مسلمانوں کی تلواروں سے مارا گیا اور ہر طرح سے ذلت ان کے اوپر مسلط ہوئی۔ جو کل تک وہاں کے سربراہ تھے، جو سارے عرب کا مرکز سمجھے جاتے تھے ان کی لاشیں میدانوں میں پڑی ہوئی ہوتی تھیں۔ تو یہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم واپس لوٹو گے تو جو پچھلے گروہوں کے ساتھ ہوا، جو پہلے کفر کرنے والوں کے ساتھ ہوا، وہی تمہارے ساتھ بھی دہرایا جائے گا۔ اللہ کی سنت آج بھی وہی ہے۔ اس میں تاقیامت ہر ہر انسان کے لیے یہی پیغام موجود ہے کہ جو اللہ کے اصول اور سنتیں ہیں وہ اٹل ہیں اور جو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین سے منہ پھیرے گا، اور جو بھی اس سے دشمنی لگائے گا، اس سے سرکشی کرے گا تو اللہ ڈھیل ضرور دیتے ہیں لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ کی پکڑ ان کے لیے آتی ہے جیسا کہ پچھلے گزرے ہوئے لوگوں کے لیے آئی۔

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کفر کرنے والوں کو پیغام دیا کہ وہ ایمان لے آئیں، اس کے بعد یہاں اللہ اپنے مومن بندوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے حکم یہی ہے کہ:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾

”تم ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کے فتنہ باقی نہ رہے۔“

یعنی دعوت دے دی گئی اور دعوت دی جاتی رہے، لیکن دعوت کے ساتھ ساتھ یہ قتال اس انتظار میں نہ رکے کہ کون ان میں سے ایمان لاتا ہے۔ جنگ کرتے رہو کیونکہ جنگ ہی فتنے کو روکنے کا ذریعہ ہے۔

جہاد کا مقصد

تو یہ آیت پیارے بھائیو! جہاد کے سب سے بڑے مقصد کو بیان کرتی ہے۔ جہاد کے دیگر ذیلی مقاصد بھی ہیں لیکن سب سے بڑا مقصد کہ جس کے حصول تک جہاد نے جاری رہنا ہے اور جو جہاد کی ایک اعلیٰ واشرف صورت ہے، یعنی اقدامی جہاد، یا جو فرض کفایہ ہوتا ہے جس کے لیے

وہی نکلتا ہے جو خود شہادت کا طالب ہو، یہ جاننے کے باوجود کہ جہاد فرض عین نہیں ہے وہ پھر بھی نکلتا ہے۔ تو اس اقدامی جہاد کا مقصد کیا ہوتا ہے کہ جہاد جب دفاعی مرحلے سے نکل آئے جب زمینیں واپس مل جائیں، قیدی چھوٹ جائیں، یہ سارے عارضی اسباب ختم ہو جائیں تو پھر ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

”اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔“

فتنہ کیا ہے؟

فتنے کی تفسیر میں بالعموم علما سے دو اقوال منقول ہیں:

١. ایک یہ کہ فتنے سے مراد کفر و شرک ہے۔ کہ جنگ کرو یہاں تک کہ کفر و شرک باقی نہ رہے، یعنی کفر و شرک کے خاتمے تک جنگ نے جاری رہنا ہے۔
٢. اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کفر کا غلبہ، کفر کی سلطنت، کفر کی حکومت و شان و شوکت ہے کہ جب تک اس کے پاس شوکت و قوت موجود ہے اس وقت تک اس کے خلاف جنگ کرتے رہو۔ جب وہ ہاتھ سے جزیہ دینے لگے، ذلیل ہو جائے، چھوٹا بن کے رہے تو تمہارے ماتحت اس کو برداشت کیا جائے گا، بطور ذمی رکھا جائے گا اور جو اس کے حقوق بطور ذمی بنتے ہیں وہ اس کو دیے جائیں گے لیکن اللہ کی زمین پہ غیر اللہ کا نظام نہیں برداشت کیا جائے گا۔ اس وقت تک ان کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔

تو یہ ہے فتنہ۔ اور اس کے اندر یہ ضمنی پیغام بھی موجود ہے کہ سب سے بڑا فتنہ، اللہ کی نگاہ میں، اللہ کی کتاب کے مطابق، کفر و شرک یا کفر و شرک کا غلبہ ہے۔ تو جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان علاقوں کے اندر قتال سے بہت فتنہ پھیلے گا، اس سے یہ ہو گا، اس سے وہ ہو گا، تو ان کو یہی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ خون بہنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں، ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ کہ فتنہ تو قتل سے بھی بڑی چیز ہے۔ پس خون بہنے سے بھی بڑے مفاسد اور فتنے دنیا میں موجود ہیں۔ دہائیوں بلکہ صدیوں تک بعض علاقوں میں کفار کا غلبہ برداشت کرنا اور اللہ کے احکامات کو پامال ہوتے دیکھنا اور دہائیوں تک شریعت کا بالکلیہ معطل رہنا اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین کا نافذ رہنا، اس سے جو جو فساد پھیلتا ہے، عقیدوں کا فساد جو پھیلتا ہے، زمین میں جو ظلم پھیلتا ہے، آخرتیں جو برباد ہوتی ہیں، وہ فتنہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی خاطر کچھ قربانی دینی پڑے کچھ خون دینا پڑے تو وہ چھوٹا فتنہ ہے، وہ چھوٹا ضرر ہے، جس کو برداشت کیا جائے گا۔

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے یعنی کفر و شرک کا غلبہ باقی نہ رہے یا خود کفر و شرک ہی باقی نہ رہے۔ پس جہاد کے ذریعے کفر و شرک ختم ہوتا ہے اور دین کی دعوت پھیلتی ہے۔

جہاد: دعوت کا مؤثر ترین ذریعہ

ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ جہاد دعوت کے سب سے مؤثر ذرائع میں سے ہے بلکہ بعض علماء نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ جہاد دعوت کی سب سے اشرف و اعلیٰ صورت ہے اس لیے کہ جو دعوت جہاد کے زور سے پھیلتی ہے اور جب ضرب لگتی ہے تلوار کی یا لوہے کی تو جو تاثیر اس کی ہوتی ہے لوگوں کو نیند سے جگانے میں اور غفلت سے بیدار کرنے میں، ویسی تاثیر کسی اور چیز میں نہیں ہوتی۔ جیسا کہ نائن الیون کے بعد ہوا، اور جیسا ایسے دیگر واقعات کے بعد ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے بعینہ ویسے ہی جیسا کہ فتح مکہ کے بعد ہوا کہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا﴾ لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہونے لگے۔ تو جہاد کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ دین کو قوت بخشتے ہیں، دعوت کو پھیلاتے ہیں، نشر کرتے ہیں۔

پیارے بھائیو! یہ وہ دو تفاسیر ہیں جو اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ جنگ کرو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ پس اسی کی خاطر میرا اور آپ کا جہاد ہے کہ اس کفر و شرک کو ختم کیا جائے اور اس کے غلبے کو بھی مٹایا جائے۔ ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور دین اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔

یہ ایک تخریبی کام ہے کہ ہم نے پہلے کفر و شرک کے غلبے کو مٹانا ہے اور کفر و شرک کے جتنے مظاہر دنیا کے اندر ہیں نیز اس نوعیت کے جتنے بھی دیگر کام ہیں، جو بھی بدعات و شرکیات ہیں، تو جب تمکین ملے تو پہلا کام ہی یہ ہے کہ ان چیزوں کا علاج کیا جائے کہ جہاد تو ہے ہی توحید کے قائم کرنے اور شرک کے مٹانے کے لیے۔ یہ فرائض میں سے ہے کسی بھی اسلامی نظام کے کہ وہ نا صرف کفر و شرک کو وہاں برداشت نہ کرے بلکہ اس کی طرف دعوت دینے والوں کی بھی خبر لے اور ان مظاہر و ان جگہوں کی بھی کہ جن کی پوجا کی جاتی ہے۔ تو یہ تخریب ایک جزو ہے۔

اور دوسرا جزو ہے، ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾، کہ دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔ یہ تعمیری کام ہے کہ توحید کو نشر کیا جائے اور شریعت کا نظام دنیا کے اندر، اللہ کی زمین پر قائم کیا جائے۔ یہ دوسرا جزو محنت طلب ہے اور مجاہدین کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان کی جدوجہد صرف ایک تخریبی عمل تک محدود نہیں ہے، وہ تو صرف ایک جزو ہے اس جدوجہد کا، جبکہ دوسرا جزو ضروری بھی ہے اور اس کے بغیر تعمیر شروع ہو بھی نہیں سکتی۔

اسی اعتبار سے وہ دوسرا جزو اہم بھی ہے اور اس کی تیاری بھی اسی سطح پر ہونی چاہیے۔ ایک شرعی نظام کو لانے کی تیاری ہو، ایک شرعی نظام کے لیے جو کچھ درکار ہے اس کے لیے محنت اور کوشش ابھی سے ہو۔ شرعی نظام یکا یک ہوا سے تو نہیں آتا ہے۔ قضا کا شعبہ ہے تو اس کے لیے علماء درکار ہیں، شوریٰ کے لیے اس سطح کے لوگ درکار ہیں، مختلف صلاحیتوں والے، مختلف علمی سطحوں والے لوگ درکار ہیں۔ تو اس سمت بھی محنت شروع ہو، اس سمت بھی اقدامات ہوں کہ شریعت زمین کے اوپر قائم ہو اور توحید اللہ تعالیٰ کی نشر کی جائے۔ تو یہ دوسرا تعمیری جزو ہے جہاد کے مقصد کا کہ فتنے کا خاتمہ، یعنی کفر و شرک کا خاتمہ اور توحید کو نشر کرنا، یا کفر کے نظام کا خاتمہ اور اس کی جگہ شریعت کے نظام کو قائم کرنا۔ یہ وہ مقصد ہے کہ جس کے حصول تک پیارے بھائیو جنگ نے جاری رہنا ہے خواہ وہ جنگ پاکستان کے اندر ہو یا افغانستان کے اندر ہو یا دنیا میں کہیں بھی ہو۔ وہ اسی مقصد کے حصول تک جاری رہنی ہے۔ وہ شروع لال مسجد سے بھی ہو تو اس کا اختتام اسی وقت پہ ہونا ہے جب یہ مقاصد پورے ہو جائیں اور جب اللہ کا دین غالب ہو جائے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

اللہ فرماتے ہیں:

پس اگر یہ رک جائیں، اگر یہ باز آ جائیں تو بلاشبہ جو اعمال یہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پہ نگاہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پہ بصیر ہیں، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپے ہوئے نہیں ہیں۔

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾

اور اگر انہوں نے منہ پھیرا، یعنی اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ان کفار نے منہ پھیرا اور دین کی طرف اس کے بعد بھی نہ آئے، جہاد سے بھی سیدھے نہ ہوئے،

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾

تو جان لو اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ تمہارا مددگار ہے، تمہارا پشت پناہ ہے،

﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

اور اللہ تعالیٰ بہترین مولیٰ ہے اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔

تو جو لوگ سرکشی پہ پھر بھی قائم رہیں اور مسلمانوں کے جہاد پر نکلنے کے باوجود بھی ان کے رستے سے ہٹنا نہ قبول کریں، ان کے رستے میں کھڑے رہیں تو پھر اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ اہل ایمان کا مولیٰ اور نصیر ہے اور وہ ان کی مدد کرے گا چاہے کفار کے لشکر کتنے ہی بڑے اور بھاری کیوں نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم نے سورۂ انفال کی ابتدائی آیات کے اندر یہ بات پڑھی:

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ﴾

”تمہارا گروہ جتنا بھی پھیل جائے اور تمہارا لشکر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا چاہے وہ کتنا بھی کثیر کیوں نہ ہو۔“

تو یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہمارے ساتھ وعدہ ہے کہ اگر وہ کھڑے رہیں گے رستے میں تو اللہ کی مدد اور نصرت سے جہاد نے جاری رہنا ہے یہاں تک کہ یہ مقاصد پورے ہو جائیں۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد کیا ہو؟

پس ہر بھائی، ہر مجاہد اور اصولاً ہر مسلمان کو یہ نیت اور یہ عزم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی زندگی اس مقصد کے لیے ہے کہ اس نے اللہ کی توحید کو پھیلانا اور کفر و شرک کو مٹانا ہے اور اس کی زندگی اس مقصد کے لیے ہے کہ اس نے کفر کا غلبہ ختم کرنا اور شریعت کا نظام قائم کرنا ہے۔

یہ دنوں کی بات نہیں ہے، مہینوں کی بات نہیں ہے، سالوں کی بھی بات نہیں ہے، شاید زندگی بھر کا سودا ہے لہٰذا جو اس راہ پہ چلے وہ سوچ سمجھ کر اس رستے کو اختیار کرے کہ اس میں پھر واپسی کا رستہ ہے ہی نہیں کیونکہ واپس پلٹنے کے حوالے سے ہم نے سورۂ انفال ہی کے آغاز میں وعیدیں پڑھ لیں جو پیچھے ہٹنے والے اور فرار کی راہ اختیار کرنے والے کو مخاطب ہیں۔ تو انسان اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائے۔ اور صبر میں سب سے مشکل صبر ایک تو جو وقتی آزمائشیں اور سختیاں آئیں ان پہ صبر کرنا ہے لیکن سب سے بڑا صبر یہ ہے کہ انسان اس رستے سے بور نہ ہو، تھکے نہ، سالوں گزرنے کے بعد بھی وہ یہ نہ کہے کہ یار بہت ہو گیا، بس ہو گئی، پانچ سال ہو گئے، دس سال ہو گئے، کافی ہو گیا۔ تو یہ کہنے کو آسان بات ہے لیکن گر اللہ کی توفیق نہ ہو تو بہت مشکل کام ہو جاتا ہے کہ انسان مثلاً شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ایک ہی رستے پر تیس سال تک چلتا چلا جائے، اس کے جاننے والا کوئی بچا ہی نہ ہو۔ اس کی ہم عصر پوری نسل ختم ہو چکی ہو۔ شیخ کی زندگی کے آخری دنوں میں جن لوگوں سے ان کی خط و کتابت تھی ان میں سے بیشتر سے شیخ کی ملاقات بھی کبھی نہیں ہوئی تھی یا کسی کسی سے شیخ کی ایک یا دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ شیخ ایمن الظواہری کے علاوہ شاید باقی جتنے لوگ ان کے ماتحت تھے، حتیٰ کہ شیخ عطیۃ اللہ و شیخ ابو یحییٰ تک، ان میں سے بیشتر حضرات وہ تھے کہ جن سے کم تعلق رہا شیخ کا اور جن سے کبھی کبھار ہی افغانستان کے دور میں ملاقاتیں ہو سکیں۔ شیخ کا وقت تو ان لوگوں کے ساتھ گزرا تھا جو روس دور کے آغاز میں آئے تھے، کون ان میں سے باقی بچا تھا؟ جو چند لوگ باقی تھے ان میں سے، وہ بھی پچھلے سالوں کے اندر شہید ہو گئے اس محاذ پر۔ شیخ ایمن خود بھی اپنے عہد کی چند یادگاروں میں سے ہیں، لیکن پھر بھی ان کی گفتگو میں، ان کے کلمات میں، اللہ ان کی نصرت فرمائے، حفاظت فرمائے، ان کی باتوں کے اندر جو عزم محسوس ہوتا ہے وہ کسی تھکے ہوئے بوڑھے انسان کا عزم نہیں بلکہ وہ ہم میں سے ہر جوان سے بڑھ کر عزم ہوتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 40 پر)

امنیت (سکیورٹی) ❶

الشیخ المجاهد سيف العدل

مجاہدین اخبار کو خبریں اور راز چھپانے کی ترغیب

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله ﷺ وعلى آله وصحبه

اما بعد

یہ موضوع ایسے اعلیٰ اخلاق و فضائل کا موضوع ہے جو کسی نیک انسان کی نیکی و شرافت کی علامت ہے۔ یہ انسان کی عقل اور اس کے رشد کی علامت ہے اور یہ موضوع ہے "رازداری اور راز کو چھپانے میں مبالغہ اور اس کی حفاظت کرنے کی حرص"!

اے مجاہد بھائی! تمہارے لیے اس عادت کے اچھا ہونے کی یہی دلیل ہی کافی ہے کہ یہ خصلت جس آدمی میں پائی جائے تو لوگ اس کی مدح و ستائش کرتے ہیں اور اسے عقل والوں میں شمار کرتے ہیں۔ پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگ راز کی حفاظت کی نسبت اموال کی حفاظت پر زیادہ قادر ہیں۔ پس ہر مال کی حفاظت کرنے والا راز کی حفاظت کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایسا آدمی جس کو کوئی راز سونپا جائے تو اس کی حفاظت کے لیے اپنی اَن تھک کوشش کرنا پڑتی ہے جبکہ اسے اگر مال دیا جائے تو ایسی کوشش کوئی زیادہ جہد کی متقاضی نہیں ہوتی، وہ راز کی حفاظت کے لیے کی جانے والی کوشش کا دسواں حصہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان مال کے ضائع ہونے کی نسبت راز کے افشاں ہونے سے زیادہ ڈرتا ہے۔ کیونکہ مال تو آنی جانی چیز ہے جبکہ راز تو کسی کی جان لے سکتا یا کسی کی عزت کو مجروح کر سکتا ہے!

دیکھنے میں آیا ہے کہ مجاہدین میں عادتاً عام و خاص دونوں میں رازوں کو چھپانے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا اور بالآخر اس کے نتیجے میں مجاہدین اور ان کے اہل و عیال کو شدید اذیت پہنچتی ہے اور یہ لوگ جو ہمارے انصار و معاونین ہیں، ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمیں جہاد و دین کے مصالح سے غفلت برتے بغیر یہ بات سوچنی چاہیے کہ محض ایک معمولی غفلت سے کتنے ہی اہم کام معطل ہو گئے اور مجاہدین کی قوت کمزور ہو گئی اور یہ معمولی غفلت ہے: "خبروں کو برے انداز میں پھیلا دینا"۔ کتنے ہی مجاہد بھائیوں کو، جو کارروائی وہ کرنے جا رہے تھے، اس راز کے افشا ہو جانے کے سبب اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر کبھی کوئی مجاہد بھائی مجھ سے سوال کرتا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔

لیکن مطالعہ، سیر حاصل بحث اور تحقیق کے بغیر اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں۔ لیکن جو میرے لیے ممکن ہے وہ ان سطور میں راز کے ساتھ تعامل کے شرعی آداب کا ذکر کرنا ہے جن سے ہر مجاہد کو متصف ہونا چاہیے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ رازوں سے متعلق ان اقوال کو یہاں ذکر کروں اور رازوں کے ساتھ تعامل کی کیفیت اور ان کا تحفظ کرنے کے حوالے سے مجاہد کی مسئولیت کو بیان کروں۔

اے مجاہد بھائی! تمہیں جاننا چاہیے کہ ہر وہ بات جو معرفت و علم میں آجائے اسے کہہ دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ (سورۃ النسآء: ۸۳)

"اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔"

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ [1]

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔

"السر" اور "الکتمان" کی تعریف

شروع میں میں آپ کے لیے راز (السر) اور چھپانے (الکتمان) کے لفظوں کی تعریف نقل کرتا ہوں۔

الکتمان (چھپانا) سے مراد اپنے نفس کو ان اسباب کے خلاف ضبط میں رکھنا جو کسی معاملہ میں خلجان پیدا کر دیں اور یہ صبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم: جلد ۱: حدیث ۹

[2] الاخلاق الاسلامیہ، جلد ۲، صفحہ ۳۵۸

السر (راز) ہر وہ چیز جسے تم اپنے دل کے اندر چھپاؤ اور اسے خفیہ رکھو اور کسی کو بھی کسی مصلحت یا ضرر کی بنا پر اس سے مطلع نہ کرو وہ راز کہلاتا ہے یا اسے کسی قابلِ اعتماد شخص کے ساتھ خاص کر لے وہ راز ہے۔[3]

راز وہ ہے جسے انسان اپنے سینے میں چھپاتا ہے۔ سر کی جمع ہے اسرار اور اسی طرح السریرۃ اور اس کی جمع السرائر ہے۔[4]

کتمان یعنی راز کو چھپانا یہ ہے کہ انسان اپنے مافی الضمیر میں موجود بات پر ضبط رکھے اور اس کا اظہار نہ کرے اور اسے وقت سے پہلے ظاہر نہ کرے۔[5]

کتمان السر سے مراد ایسی چیز کے اظہار سے اجتناب برتنا ہے جس کا اظہار اچھا نہ ہو۔[6]

راز: قرآن کریم میں

اللہ عزوجل کی کتاب میں ایسی آیات وارد ہیں جو راز کی حفاظت پر دلالت کرتی ہیں اور بہت سی آیات ان لوگوں کے تذکرے میں ہیں جنہوں نے رازوں کی حفاظت کی جو ان کی نجات کا باعث بنی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس عمل میں بہت عظیم فوائد پنہاں ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی آیات انسان کو کثرتِ کلام سے منع کرتی ہیں اور بیان کرتی ہیں کہ انسان ہر خیر و شر کے کلمے کا، جو وہ منہ سے نکالتا ہے، جوابدہ ہے۔ ہم یہاں کچھ آیات ذکر کرتے ہیں جو رازوں کی حفاظت اور انہیں چھپانے کا حکم دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ عہد کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِۖ إِنَّ ٱلۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔولٗا (سورۃ الإسراء: ۳۴)

> ”اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔“

اور راز بھی ایک عہد ہے جس کو صاحبِ راز نے چھپانے کے وعدہ کے ساتھ آپ کے حوالے کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اُس کی پکڑ فرمائی ہے جس نے راز کو افشا کر دیا۔ یہ نبی ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے ساتھ واقع ہے جس کی وجہ سے سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> وَإِذۡ أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ إِلَىٰ بَعۡضِ أَزۡوَٰجِهِۦ حَدِيثٗا فَلَمَّا نَبَّأَتۡ بِهِۦ وَأَظۡهَرَهُ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهُۥ وَأَعۡرَضَ عَنۢ بَعۡضٖۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِۦ قَالَتۡ مَنۡ أَنۢبَأَكَ هَٰذَاۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡخَبِيرُ (سورۃ التحریم: ۳)

> ”اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلا دی اور اللہ نے یہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو انہوں نے اس کا کچھ حصہ جتلا دیا اور کچھ حصے کو ٹال گئے۔ پھر جب انہوں نے اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ: آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ نبی نے کہا کہ: مجھے اس نے بتائی جو بڑے علم والا، بہت باخبر ہے۔“

جبکہ ان لوگوں کے قصے جنہوں نے رازوں کی حفاظت کی، اللہ نے کتاب میں ذکر کیے ہیں۔ ان کا یہ راز چھپانا ان کے لیے راحت وسعادت کا باعث تھا اور ان کے اعمال کی کامیابی کا ضامن تھا۔ پس یہ بہت ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

یوسف علیہ السلام کا اپنا خواب چھپانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب انہوں نے خواب دیکھا تو ان کے والد یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

> قَالَ يَٰبُنَيَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلَىٰٓ إِخۡوَتِكَ فَيَكِيدُواْ لَكَ كَيۡدًاۖ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ لِلۡإِنسَٰنِ عَدُوّٞ مُّبِينٞ (سورۃ یوسف: ۵)

> انہوں نے کہا: بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اسی طرح لوط علیہ السلام کا اپنی قوم اور اپنی بیوی سے فرشتوں کو اور قوم و بیوی کے انجام کی خبر چھپانے کا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> قَالُواْ يَٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوٓاْ إِلَيۡكَۖ فَأَسۡرِ بِأَهۡلِكَ بِقِطۡعٖ مِّنَ ٱلَّيۡلِ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنكُمۡ أَحَدٌ إِلَّا ٱمۡرَأَتَكَۖ إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمۡۚ إِنَّ مَوۡعِدَهُمُ ٱلصُّبۡحُۚ أَلَيۡسَ ٱلصُّبۡحُ بِقَرِيبٖ (سورۃ ھود: ۸۱)

> ”(اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر

---

[3] المنہاج، جلد ۲، صفحہ ۴۸

[4] الاخلاق فی الاسلام، صفحہ ۲۰۱

[5] فضل اللہ الصمد، صفحہ ۴۸

[6] عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین لابن القیم، صفحہ ۱۷

تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آرہی ہے۔ یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی۔"

اسی طرح مریم علیہا السلام کا قوم سے معاملے کو چھپانا۔ اللہ فرماتے ہیں:

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا (سورۃ مریم: ۲۶)

"اب کھاؤ، اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: آج میں نے خدائے رحمٰن کے لیے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لیے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔"

خضر علیہ السلام کا اپنے عمل کے سبب کو موسیٰ علیہ السلام سے چھپانا اور اس میں عظیم سبق ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (سورۃ الکھف: ۶۷-۷۰)

"انہوں (خضر) نے کہا: مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ انہوں (خضر) نے کہا: اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔"

اس کے علاوہ متعدد آیات ہیں جن میں سے ہم نے اوپر مذکور پر ہی اکتفا کیا ہے اور "سر" یعنی راز کا لفظ قرآن میں بتیس مرتبہ مختلف صورتوں میں وارد ہوا ہے۔

"راز" احادیثِ نبویہ میں

بہت سی احادیثِ نبویہ مسلمانوں کو رازداری اور رازوں کو چھپانے کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں آپ نے راز کو افشا کرنے سے خبردار فرمایا ہے۔ یہاں ہم چند ایک احادیث پیش کرتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسْتَعِينُوا عَلَى إِنْجَاحِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ، فَإِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَحْسُودٌ [7]

"اپنے معاملات کی تکمیل میں رازداری کا سہارا لو کیونکہ ہر نعمت والے کے لیے ایک حاسد ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ [8]

"جب کوئی آدمی تم سے کوئی بات بیان کرے پھر (اسے راز میں رکھنے کے لیے) دائیں بائیں مڑ کر دیکھے تو وہ بات تمہارے پاس امانت ہے۔"

پس جب بھی کسی کے پاس کوئی راز امانت ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی حفاظت کرے اور اگر کوئی راز کو افشاء کرتا ہے تو یہ صفت منافقین کی صفات میں سے ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آية المنافق ثلاث: إذا حدَّث كذب، وإذا وعَدَ أخلف، وإذا ائتُمِنَ خان [9]

"منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلاف کرے اور جب اسے امانت دی جائے تو وہ خیانت کرے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ [10]

"مجالس امانت کے ساتھ ہیں۔"

اسی طرح معتمر بن سلیمان اور التیمی کہتے ہیں کہ:

---

[7] اسے بیہقی نے "شعب الاِیمان" میں روایت کیا ہے اور اسے البانی نے "صحیح الجامع" (۹۴۳) میں صحیح کہا ہے۔

[8] اسے احمد، ابو داود اور ترمذی (جامع ترمذی: جلد ۱: حدیث ۲۰۴۴) نے روایت کیا ہے اور البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا (صحیح سنن ترمذی میں)۔

[9] کنز العمال: جلد ۱: حدیث ۸۳۹

[10] اسے البانی نے "صحیح الجامع" میں حسن کہا ہے، ۶۶۷۸)۔

"نبی ﷺ نے انہیں کوئی راز کی بات کہی۔"[1]

مسلم کی ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"نبی ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا تو میں اپنی ماں کے سامنے خاموش رہا اور جب میں آیا تو آپ نے فرمایا تجھے کس چیز نے روک لیا تھا۔"

اسی مسند احمد اور ابن سعد نے حمید کے طریق سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

"آپ ﷺ نے مجھے پیغام دے کر بھیجا تو ام سلیم کہنے لگیں تجھے کس چیز نے روکا؟"

تو انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں نے کسی کو بھی اس کے بعد خبر نہیں دی اور مجھ سے ام سلیم نے سوال بھی کیا تھا۔"

اسی طرح ایک ثابت روایت میں کہ:

"وہ کہنے لگی ان کا کیا کام ہے؟ تو میں نے کہا یہ راز ہے تو اس پر انہوں نے کہا:

لَا تُخْبِر بِسِرِّ رَسُول اللہ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا

تم اللہ کے رسول کا راز کسی کو بھی نہ بتانا۔"

اور حمید بن انس کی روایت میں ہے:

اِحْفَظْ سِرَّ رَسُول اللہ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کی حفاظت کرنا۔

اور ایک روایت میں ہے:

"اللہ کی قسم اے ثابت اگر میں یہ بات کسی کو بیان کرنے والا ہوتا تو میں تجھے ضرور بیان کر دیتا۔"

اس پر بعض علماء کہتے ہیں گویا کہ یہ آپ ﷺ کا راز تھا اور اگر یہ علم ہوتا تو انس رضی اللہ عنہ کبھی اس کو نہ چھپاتے۔ ابن بطّال کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا موقف یہ ہے کہ کسی کا راز نہیں کھولنا چاہیے جبکہ اس سے صاحب راز کو کوئی تکلیف پہنچتی ہو۔ لیکن جب ایسا شخص فوت ہو جائے تو پھر اس کا چھپانا لازمی نہیں جیسا کہ اس کی زندگی میں لازم تھا۔ میں کہتا یہ ہوں جو بات اس تقسیم میں مستحب ہے وہ یہ کہ موت کے بعد اس راز کے ظاہر کر دینے میں کوئی حرج نہیں چاہے یہ صاحبِ راز کے لیے مضر بھی ہو۔ مثلاً اس میں کسی کا تزکیہ ہو یا کسی کی عزت ہو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ جو بالکل مکروہ ہے اور اس کا چھپانا حرام ہے اور جس کی طرف ابن بطال نے بھی اشارہ کیا ہے مثلاً جب اس میں کسی کا کوئی حق ہو تو ایسی صورت میں اس امید سے اسے افشا کیا جائے کہ وہ صاحبِ حق کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی صاحبِ راز کو ضرر پہنچانے والی بات کو افشا کرے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: بنگلہ دیش کے موجودہ منظر نامے کا جائزہ: مواقع و ذمہ داریاں

اگر بنگلہ دیش کے مسلمان اپنے دشمنوں پر نظر ڈالیں تو ان کی تعداد، ان کی تیاری اور ان کے اہداف کو دیکھیں تو وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اب ان کے لیے آرام کا کوئی وقت نہیں بچا۔

ان پر لازم ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے عوام کو دین کے لیے منظم کریں اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد، پشت پناہی اور نصرت میں لگ جائیں۔

لیکن اگر وہ اپنے مظلوم بھائیوں کو تنہا چھوڑ کر خاموش تماشائی بنے رہے، یا صرف آنسو بہاتے رہے اور کچھ نہ کر سکے، جبکہ وہ دیکھ رہے ہوں کہ ان کے بھائی نسل کشی، جبری ہجرت اور ظلم کا شکار ہیں، تو پھر وہ خود اگلے نشانے پر ہوں گے!

اور وہ دن دور نہیں ہو گا جب بھارتی ہندوتوا کی طوفانی لہر انہیں بھی بہالے جائے گی، اور وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح تباہی، قتل، بے دخلی، اور ذلت کا شکار ہوں گے، و لا حول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت میں استعمال کرے، ہمیں استقامت اور ثابت قدمی مرحمت فرمائے۔ اور ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

[1] باب حفظ السر ائ ترک افشاء، فتح الباری، جلد ۱۱، صفحہ ۸۲۔

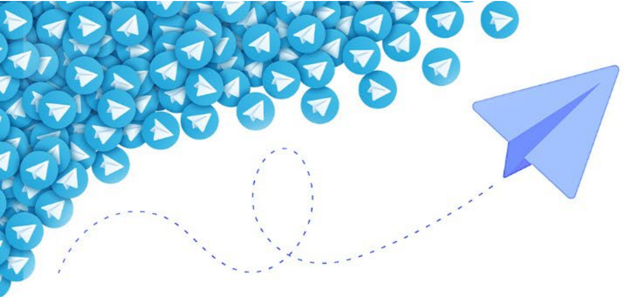

ٹیلی گرام: پرائیویسی کا فریب

ٹیلی گرام کی سیکورٹی کمزوریاں اور ڈیٹا شیئرنگ کے طریقوں کا جائزہ

نعمان حجازی

تعارف

ٹیلی گرام مجاہدین اور محبین جہاد کے درمیان مقبول ترین پلیٹ فارم ہے۔ اس کی مقبولیت کے عوامل میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ اسے ایک محفوظ رابطہ کاری کا پلیٹ فارم تصور کیا جاتا ہے جس کا ڈیٹا دشمن کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

ٹیلی گرام نے خود بھی برسوں سے 'پرائیویسی' اور 'آزادیٔ اظہارِ رائے' کے قلعے کے طور پر اور ایک ایسی ڈیجیٹل پناہ گاہ کے طور پر اپنی ساکھ بنانے کی کوشش کی ہے جہاں مین سٹریم رابطہ کاری کے پلیٹ فارمز کی حکومتوں اور خفیہ اداروں کو معلومات فراہم کرنے کی پالیسی سے تنگ لوگ پناہ لیتے ہیں۔ اس کا بانی پاوِل ڈورِو (Pavel Durov) بھی اپنے صارفین کی حفاظت کا غیر متزلزل عزم رکھنے پر بارہا زور دیتا رہا ہے۔

لیکن سائبر سیکورٹی سے منسلک ماہرین برسوں سے ٹیلی گرام کے سیکورٹی اور پرائیویسی کے دعووں کو بے بنیاد کہتے ہوئے اس پلیٹ فارم کو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں، جبکہ اس کے بانی کے 'اپنے صارفین کی حفاظت کا غیر متزلزل عزم رکھنے' کے دعوے بھی تب ہوا میں بکھر گئے جب اسے اگست ۲۰۲۴ء میں فرانس میں گرفتار کر لیا گیا جس کے نتیجے میں اس نے اپنے صارفین کی معلومات سرکاری اداروں کے ساتھ شریک کرنے کی حامی بھر لی۔

اگرچہ ٹیلی گرام نے بڑی احتیاط کے ساتھ سیکورٹی اور پرائیویسی کے محافظ کے طور پر اپنی ساکھ بنائی تھی لیکن گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد ایک پیچیدہ اور پریشان کن حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ ٹیلی گرام کا ایک 'پرائیوٹ'، 'سکیور' اور 'انکرپٹڈ' میسنجر ہونے کا دعویٰ سراسر فریب ہے۔ اس میں نمایاں سیکیورٹی کمزوریاں اور ایک ناقص انکرپشن نظام تو شروع سے ہی موجود تھا اب حکام کے ساتھ تعاون کرنے کی پالیسی تبدیلی نے باقی کی کسر بھی پوری کر دی ہے۔

اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہم سب سے پہلے اس کے انکرپشن نظام کا جائزہ لیں گے اور واضح کریں گے کہ کس طرح اس کے انکرپشن نظام کی ساخت کی وجہ سے صارفین کی اکثریت کا سارا ڈیٹا انکرپشن کے بغیر ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد ہم ٹیلی گرام کی جانب سے اپنے صارفین کی معلومات خفیہ اداروں کے ساتھ شریک کرنے کے قطعی ثبوت بھی پیش کریں گے۔

ٹیلی گرام کی انکرپشن کا جائزہ

کسی بھی محفوظ (Secure) میسنجر کی بنیاد اس کی انکرپشن (Encryption) ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ ٹیلی گرام اپنے 'محفوظ' (Secure) فیچرز کی بہت تشہیر کرتا ہے، لیکن سائبر سکیورٹی اور کرپٹوگرافی کے ماہرین ایک طویل عرصے سے اس کے حوالے سے خدشات کا اظہار کرتے آ رہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تنقید انکرپشن میں موجود کسی پیچیدہ ریاضیاتی (Mathematical) خامی پر نہیں کی جاتی بلکہ یہ ٹیلی گرام کے انکرپشن نظام کی بنیادی ساخت کی خامیوں پر کی جاتی ہے جس کی وجہ سے تمام صارفین کی پرائیویسی متاثر ہوتی ہے۔

ذیل میں ٹیلی گرام کے انکرپشن نظام کی چند نمایاں خامیاں بیان کی گئی ہیں:

ڈیزائن کی سنگین کمزوری: لازمی کی بجائے اختیاری (Optional) انکرپشن

ٹیلی گرام کی سیکورٹی میں سب سے بڑی کمزوری اس کا "اینڈ-ٹو-اینڈ انکرپشن (E2EE) کا نظام ہے۔ E2EE کی ٹیکنالوجی یہ یقینی بناتی ہے کہ پیغام صرف بھیجنے والا (Sender) اور وصول کرنے والا (Receiver) ہی پڑھ سکیں، اس کے علاوہ خود ایپلی کیشن کے سرور سمیت کسی کے لیے بھی یہ پیغام پڑھنا ممکن ہو۔ لیکن ٹیلی گرام میں یہ E2EE لازمی چیز نہیں ہے بلکہ ایک اختیاری چیز ہے۔ اور اختیاری بھی اس طرح نہیں کہ پہلے سے انکرپشن لگی ہو اور آپ کے پاس اختیار ہو کہ آپ اسے بند کر لیں اور انکرپشن کے بغیر استعمال کریں۔ نہیں! بلکہ اختیاری اس اعتبار سے کہ اصل میں ٹیلی گرام کی کوئی چیز بھی انکرپٹڈ نہیں ہوتی نہ وہ چینلز جو آپ نے سبسکرائب کیے ہیں، نہ وہ گروپس جن میں آپ نے شمولیت اختیار کی ہے نہ ہی ان گروپس میں ہونے والی گفتگو اور نہ ہی آپ کی کسی اور کے ساتھ کی جانے والی انفرادی گفتگو۔ ان سب چیزوں میں آپ کی ساری گفتگو اور تمام سرگرمیاں انکرپٹ نہیں ہو رہی ہوتیں بلکہ آپ کی تمام سرگرمیاں اور باتیں بغیر کسی انکرپشن کے ٹیلی گرام کے سرور پر محفوظ ہو رہی ہوتی ہیں۔

اگر آپ انکرپٹڈ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایک علیحدہ سے سہولت ٹیلی گرام میں رکھی گئی ہے جسے "سیکریٹ چیٹ" (Secret Chat) کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کی بھی افادیت اور صلاحیت انتہائی محدود ہے۔ مثلاً:

- یہ صرف انفرادی چیٹس کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ گروپس وغیرہ میں یہ انکرپشن نہیں لگائی جا سکتی۔

- انفرادی چیٹس میں بھی ایسی کوئی سہولت موجود نہیں کہ آپ اپنی تمام انفرادی چیٹس کو 'بائی ڈیفالٹ' انکرپٹڈ کر دیں بلکہ آپ کو جس جس رابطے کے ساتھ انکرپٹڈ گفتگو کرنی ہے اس کے ساتھ علیحدہ سے سیکریٹ چیٹ کھولنی پڑے گی اور یہ سیکریٹ چیٹ شروع کرنے سے قبل جس سے آپ رابطہ کر رہے ہیں اس کی رضامندی بھی درکار ہو گی۔
- سیکریٹ چیٹ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اور جس سے آپ نے سیکریٹ چیٹ کرنی ہے وہ بیک وقت آن لائن ہوں۔ اگر جس سے آپ رابطہ کرنا چاہتے ہیں وہ آن لائن نہیں تو آپ اس کو انکرپٹڈ پیغام نہیں بھیج سکتے۔ واضح رہے کہ یہ پابندی صرف انکرپٹڈ چیٹ کے لیے ہے انکرپشن کے بغیر چیٹ کے لیے نہیں۔ اگر آپ کا رابطہ ٹیلی گرام میں آپ کی فہرست میں موجود ہے تو انکرپشن کے بغیر پیغام بھیجنے کے لیے نہ تو آپ کو اس کی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک ہی وقت میں آن لائن موجود ہو۔ اتنی پابندیاں صرف انکرپٹڈ گفتگو کے لیے ہی ہیں۔
- یہ سہولت صرف موبائل پر ٹیلی گرام استعمال کرنے کے لیے ہے۔ اگر آپ کمپیوٹر پر ٹیلی گرام استعمال کرتے ہیں تو آپ کے لیے یہ سہولت موجود نہیں ہے۔ اس طرح سے سیکریٹ چیٹ کے لیے ضروری ہے کہ رابطے میں موجود دونوں ہی صارفین موبائل پر ٹیلی گرام استعمال کر رہے ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کمپیوٹر پر ٹیلی گرام استعمال کر رہا ہے تو سیکریٹ چیٹ استعمال نہیں کی جا سکتی۔

ان پابندیوں کو دیکھتے ہوئے ایک چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ٹیلی گرام اپنی جس سہولت کی سب سے زیادہ تشہیر کرتا ہے اور جس کی بنیاد پر خود کو ایک محفوظ (Secure) اور نجی (Private) اور انکرپٹڈ میسنجر قرار دیتا ہے وہ سہولت نا صرف یہ کہ اختیاری ہے، بائی ڈیفالٹ استعمال نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ٹیلی گرام اس کے استعمال کے راستے میں اس قدر رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے کہ کوئی اس کو استعمال کرنے کا سوچے بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیلی گرام کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ٹیلی گرام کے ۹۹ فیصد صارفین سیکریٹ چیٹ استعمال نہیں کرتے۔

داخلی طور پر تیار کردہ انکرپشن 'MTProto' کا مسئلہ

جیسا کہ ہم نے کہا کہ ٹیلی گرام کے ۹۹ فیصد صارفین تو سرے سے انکرپشن استعمال ہی نہیں کرتے اس لیے ان کی تو ٹیلی گرام پر تمام سرگرمیاں اور باتیں ہوتی ہی غیر محفوظ ہیں، لیکن اگر آپ کا شمار ان ایک فیصد صارفین میں ہوتا ہے جو ٹیلی گرام پر واقعی سیکریٹ چیٹ استعمال کرتے ہیں، اور آپ کو پورا اعتماد ہے کہ آپ ٹیلی گرام پر سیکریٹ چیٹ کے علاوہ کسی قسم کی کوئی حساس گفتگو یا کوئی غیر قانونی سرگرمی نہیں کرتے تب بھی آپ کو خوش نہیں ہونا چاہیے کہ ٹیلی گرام پر آپ محفوظ ہیں کیونکہ سیکریٹ چیٹ کے لیے ٹیلی گرام جو انکرپشن MTProto استعمال کرتا ہے وہ بھی کوئی اتنی طاقتور اور محفوظ انکرپشن نہیں۔

کرپٹوگرافی کا ایک بنیادی اصول ہے کہ ''کبھی اپنی انکرپشن خود نہ بنائیں''۔ یہ اس لیے کہ کرپٹوگرافی ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے اور اس میں چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا خطرہ رہتا ہے، حتی کہ کرپٹوگرافی کے بڑے بڑے ماہرین سے بھی غلطیاں سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ خود سے تیار کردہ انکرپشن نظاموں میں بالعموم ایسی کمزوریاں موجود ہوتی ہیں جن کا ادراک تب تک نہیں ہوتا جب تک کوئی ان کمزوریوں کا استحصال کرتے ہوئے آپ کے انکرپشن نظام کو توڑ نہیں لیتا۔ اس لیے ایسے انکرپشن نظام جو آزمائش کی بھٹیوں سے گزر چکے ہوں اور جو آزادانہ طور پر کرپٹوگرافی کے ماہرین کی جانچ پڑتال اور آڈٹ سے کامیاب ہو کر نکلے ہوں وہی آپ کی سکیورٹی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ اپنے لیے خود سے انکرپشن بنانا ایسا ہی ہے جیسے آپ گاڑی کا انجن بنانے لگ جائیں جبکہ آپ کے پاس گاڑیوں کے انجن کے حوالے سے ضروری مہارت موجود ہی نہیں اور نہ ہی آپ اس کی باریکیوں سے واقف ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ انجن بنانے میں کامیاب ہو جائیں اور ہو سکتا ہے وہ کامیابی سے کام کرنا بھی شروع کر دے لیکن کسی سنگین صورتحال میں اس کے تباہ کن طور پر ناکام ہونے کے امکان زیادہ ہیں۔ ایسی صورتحال میں وہ صرف خود ہی ناکام نہیں ہو گا بلکہ ساتھ میں سواریوں کو بھی لے ڈوبے گا۔

ٹیلی گرام اس بنیادی اصول کو نظر انداز کرتا ہے اور داخلی طور پر تیار کردہ اپنا ملکیتی (Proprietary) انکرپشن پروٹوکول 'MTProto' استعمال کرتا ہے، جو کہ نہ تو بہت زیادہ آزمائش سے گزرا ہے کیونکہ ایک تو یہ صرف ٹیلی گرام میں استعمال ہوتا ہے دوسرا ٹیلی گرام میں بھی صرف ایک فیصد صارفین اسے استعمال کرتے ہیں، دوسرا اس کا آزادانہ طور پر کوئی جامع سکیورٹی آڈٹ نہیں ہوا، جس کے ذریعے کرپٹوگرافی کے ماہرین اس میں موجود خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کروا سکیں۔

۲۰۲۱ء میں 'انفارمیشن سکیورٹی گروپ' (Information Security Group) اور 'اپلائڈ کرپٹوگرافی گروپ' (Applied Cryptography Group) سے تعلق رکھنے والے چار افراد کی ایک ٹیم نے 'MTProto' کا آڈٹ کیا اور اس میں موجود بہت سی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کی۔ اس رپورٹ میں ذکر کیا گیا کہ چاہے ٹیلی گرام ان کمزوریوں کو دور بھی کر دے تب بھی یہ انکرپشن نظام رائج انڈسٹری سٹینڈرڈ انکرپشن نظاموں (مثلاً سگنل پروٹوکول)، حتی کے ویب سائٹس کی https پروٹوکول کی سکیورٹی میں استعمال ہونے والی TLS انکرپشن سے بھی کمزور ہے۔

کلوزڈ سورس (Closed-Source) سرورز اور میٹاڈیٹا کے خطرات

شفافیت (Transparency) سکیورٹی کا ایک بنیادی ستون ہے۔ سائبر سکیورٹی کا ایک اہم اصول ہے جسے کیرک ہافس اصول (Kerckhoff's Principle) کہا جاتا ہے۔ اس کے

مطابق کسی نظام (System) کو اس وقت بھی محفوظ (Secure) رہنا چاہیے جب اس کے ڈیزائن کے بارے میں تمام تر معلومات، سوائے خفیہ چابیوں (Secret Keys) کے، عوامی علم میں ہوں۔

اگرچہ ٹیلی گرام کی کلائنٹ سائڈ ایپس (آپ کے فون پر موجود سافٹ ویئر) اوپن سورس ہیں، یعنی ان کا کوڈ اور تمام تر معلومات عوامی طور پر دستیاب ہیں، اس کا سرور سائڈ کوڈ ایک ملکیتی (Proprietary) بلیک باکس ہے جس کے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں۔ یہ بات کیرک ہافس پرنسپل کے دیرینہ سکیورٹی تصور کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ چونکہ ٹیلی گرام کے سرورز کا کوڈ بند اور خفیہ ہے، اس لیے آزاد محققین اس بات کی کسی بھی طرح تصدیق نہیں کر سکتے کہ ٹیلی گرام صارف کے ڈیٹا کے ساتھ کیا کرتا ہے؟ یعنی چاہے ہم یہ تصور کر لیں کہ صارف صرف 'سیکریٹ چیٹ' ہی استعمال کرتا ہے اور ہم یہ بھی مان لیں کہ ٹیلی گرام نے کوئی ایسا چور دروازہ نہیں رکھا جس سے وہ اس 'سیکریٹ چیٹ' کی انکرپشن کو اپنے پاس کھول سکے، تب بھی میٹا ڈیٹا کے حوالے سے ٹیلی گرام سرورز کی یہ غیر شفافیت تشویش ناک ہے۔ میٹاڈیٹا سے مراد یہ ہے کہ ٹیلی گرام کے سرور چاہے آپ 'سیکریٹ چیٹ' ہی کیوں نہ استعمال کر رہے ہوں یہ پھر بھی دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کس سے بات کر رہے ہیں، آپ اور جس سے آپ بات کر رہے ہیں دونوں کہاں موجود ہیں یعنی Location Information اور آپ نے کس سے کتنی دیر بات کی۔ واضح رہے کہ یہ بات صرف 'سیکریٹ چیٹ' کے حوالے سے ہو رہی ہے جبکہ آپ نے کون سے چینل سبسکرائب کر رکھے ہیں، ان چینلز پر آپ کیا مواد دیکھتے اور ڈاؤنلوڈ کرتے ہیں، آپ نے کن گروپس میں شمولیت اختیار کر رکھی ہے اور ان گروپس میں آپ کیا باتیں کرتے ہیں، اور آپ انفرادی طور پر 'سیکریٹ چیٹ' کے علاوہ کس سے کیا باتیں کرتے ہیں یہ ساری معلومات بھی سرور اپنے پاس محفوظ کر رہا ہوتا ہے۔ اب جبکہ سرور کا کوڈ خفیہ ہے تو آپ کے پاس ٹیلی گرام کے دعووں پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اس بات کی تصدیق کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ٹیلی گرام آپ کی معلومات بیچ نہیں کھاتا۔

ٹیلی گرام کی پالیسی میں تبدیلی: پرائیویسی کے علم بردار ہونے سے خفیہ اداروں کو صارفین کا ڈیٹا فراہم کرنے والے تک

برسوں تک ٹیلی گرام کا اپنے پلیٹ فارم کی سکیورٹی کمزوریوں پر تنقید کے مقابل دفاع اس کا سخت سیاسی مؤقف رہا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ کہ چاہے صارفین کا ڈیٹا اس کے سرورز پر کھلا ہی کیوں نہ پڑا ہو، وہ ہر قیمت پر اپنے صارفین کے ڈیٹا تک حکومتی رسائی کے مطالبات کی مزاحمت کرے گا۔ تاہم اگست ۲۰۲۴ء میں ٹیلی گرام کے بانی کی فرانس میں گرفتاری کے بعد حالیہ پالیسی تبدیلیوں اور داخلی رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ اب معاملہ ایسا نہیں رہا۔ وہ پلیٹ فارم جو خود کو کبھی پرائیویسی کا علم بردار کہا کرتا تھا اب باضابطہ طور پر سکیورٹی اداروں کو صارفین کا ڈیٹا فراہم کرنے والا آلہ بن چکا ہے۔ لیکن یہ پرائیویسی کے مؤقف سے انحراف بالکل پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا آغاز برسوں قبل ہو چکا تھا۔

مطلق پرائیویسی کے مؤقف سے رسمی پسپائی

۲۰۱۳ء میں اپنے قیام کے بعد ابتدائی سالوں میں ٹیلی گرام نے خود کو پرائیویسی کے سخت محافظ کے طور پر پیش کیا۔ اس عرصے میں کمپنی کا مؤقف تھا کہ وہ صارفین کا ڈیٹا کسی بھی حال میں حکومتی اداروں کے ساتھ شیئر نہیں کرے گی، حتیٰ کہ قانونی مطالبات کے باوجود بھی۔

۲۰۱۸ء میں ٹیلی گرام نے اپنی پرائیویسی پالیسی میں پہلی بار ترمیم کی، جس میں کہا گیا کہ وہ عدالت کے حکم سے تصدیق شدہ دہشت گردی کے مقدمات میں صارفین کا ڈیٹا حکام کے ساتھ شیئر کر سکتا ہے۔

ستمبر ۲۰۲۴ء میں ٹیلی گرام نے اپنی پالیسی کو مزید وسیع کیا اور اب معاملہ دہشت گردی کے کیسز تک محدود نہیں رہا بلکہ تمام قانونی مطالبات پر ٹیلی گرام حکام کے ساتھ ڈیٹا شریک کرے گا۔ ان حالیہ تبدیلیوں نے ٹیلی گرام کے پرائیویسی کے تحفظ کے تمام دعووں کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے جس کی وجہ سے پرائیویسی کے معاملے میں حساس صارفین ٹیلی گرام کا رخ کرتے تھے۔

ڈیٹا شیئرنگ کے دستاویزی کیسز

حکومتی اداروں کے ساتھ ڈیٹا شیئرنگ کی پالیسی صرف ایک رسمی کاروائی نہیں تھی بلکہ ۲۰۲۵ء کے اوائل میں ٹیلی گرام کی جانب سے جاری کردہ ڈیٹا نے حکومتی مطالبات کی تعمیل میں ٹیلی گرام کی جانب سے ڈیٹا شیئرنگ میں ڈرامائی اضافہ ظاہر کیا۔ TechCrunch اور Forbes کی رپورٹس کے مطابق ٹیلی گرام کی جانب سے مختلف حکومتوں کے ساتھ ڈیٹا شیئرنگ کے مطالبات میں تین ممالک کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں جن کے ساتھ اس عرصے میں سب سے زیادہ ڈیٹا شیئر کیا گیا۔

۱. بھارت: ۱۴ ہزار چھ سو اکتالیس مطالبات کے جواب میں ۲۳ ہزار ۵۳۵ صارفین کا ڈیٹا بھارتی حکومت کے ساتھ شیئر کیا گیا۔
۲. جرمنی: ۹۴۵ مطالبات کے جواب میں ۲ ہزار ۲۳۷ صارفین کا ڈیٹا جرمن حکومت کے ساتھ شیئر کیا گیا۔
۳. امریکہ: ۹۰۰ مطالبات کے جواب میں ۲ ہزار ۲۵۳ صارفین کا ڈیٹا امریکی حکومت کے ساتھ شیئر کیا گیا۔

یہ ڈیٹا ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ٹیلی گرام اب قانون نافذ کرنے والے اداروں کے مطالبات کے آگے مزاحم نہیں رہا بلکہ اب ایک فعال بلکہ کثرت سے صارفین کا ڈیٹا فراہم کرنے والا شراکت دار بن چکا ہے۔

اختتامیہ

شواہد بالکل واضح اور ناقابلِ تردید ہیں۔ ٹیلی گرام کی ایک ’محفوظ‘ (Secure) اور ’نجی‘ (Private) میسنجر کے طور پر شہرت ایک خطرناک فریب پر مبنی ہے۔ جو صارفین یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیلی گرام پر ان کی گفتگو ’بائی ڈیفالٹ‘ پرائیویٹ اور محفوظ ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ اور اس غلطی کی وجہ سے وہ ٹیلی گرام پر مستقل طور پر غیر محفوظ ہوتے ہیں اور اپنی اسی غلط فہمی کی بنیاد پر ٹیلی گرام پر حساس معلومات اور گفتگو شیئر کر رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ ٹیلی گرام کا ’سکیور‘ کا لیبل صرف مارکیٹنگ کے لیے ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

صارفین کے لیے عملی مشورہ

- اگر ٹیلی گرام کو سوشل میڈیا پلیٹ فارم یا عوامی چینلز کی پیروی کے لیے استعمال کیا جائے، جس طرح فیس بک یا ایکس کو استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ یہ آپ کے ذہن میں ہو کہ ان پلیٹ فارمز پر آپ کا ڈیٹا اور سرگرمیاں بالکل بھی محفوظ نہیں ہیں اور آپ اس کے اعتبار سے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوں، تو اس طرح استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
- کسی بھی قسم کی حساس یا نجی گفتگو کے لیے ٹیلی گرام کا استعمال کرنا ایک سنگین غلطی ہے، اس مقصد کے لیے دیگر قدرے محفوظ پلیٹ فارمز موجود ہیں (جیسے سگنل/Signal) جنہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔
- اگر کسی خاص معاملے میں یا کسی خاص وجہ سے آپ کے لیے ٹیلی گرام پر گفتگو کرنا گزیر ہو تو موبائل پر سیکریٹ چیٹ کے ذریعے سے ہی کیا جائے لیکن ساتھ میں اس حقیقت کا بھی ادراک رہے کہ سیکریٹ چیٹ سے چاہے آپ کی گفتگو محفوظ ہو رہی ہو لیکن آپ کی دیگر معلومات پھر بھی سرور پر محفوظ ہو رہی ہیں اور سرور کو یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ آپ کس سے بات کر رہے ہیں، اور ٹیلی گرام یہ ساری معلومات سیکیورٹی اداروں کو فراہم کر سکتا ہے۔

ٹیلی گرام کی یہ کہانی ڈیجیٹل دنیا میں رہنے والوں کے لیے ایک اہم سبق ہے۔ یہ اس بات کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے کہ ہمیں ان تمام ٹولز اور سافٹ ویئرز کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کرنی چاہیے جن پر ہم اپنے ڈیٹا کے حوالے سے اعتماد کرتے ہیں، اور ان کے دعووں کا تکنیکی حقائق کے ساتھ موازنہ ضرور کرنا چاہیے۔ ایک ایسے دور میں جب ہر طرح کے صارفین کی پرائیویسی پر حملے ہو رہے ہیں اور ڈیجیٹل دنیا میں اپنی معلومات کو چھپانا اور خود کو محفوظ رکھنا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے، اہلِ جہاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی ٹول یا سافٹ ویئر پر اس کے دعووں کی بنیاد پر اندھا اعتماد نہ کریں بلکہ استعمال سے قبل اس کی پوری طرح جانچ پڑتال کریں۔ ورنہ ہماری لاپرواہی ہمیں خدانخواستہ کسی اندھی کھائی میں بھی دھکیل سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

معاملات میں مساوات نہیں

”میں ایک زمانہ تک اس خیال میں رہا کہ معاملات میں سب میں مساوات ہونا چاہیے مگر حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ خود جناب رسول ﷺ ایسی مساوات نہ فرماتے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خود مجلس میں حضور ﷺ حضرات شیخین کے ساتھ جو معاملہ لطف و عنایات کا فرماتے تھے دوسروں کے ساتھ نہ فرماتے تھے۔

كما في جمع الفوئد عن الترمذي عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يخرج على أصحابه من المهاجرين الانصارى لا يرفع طرفه أولا الا الى ابى بكر و عمر كانا ينظر ان اليه وينظر اليهما ويتبسمان اليه ويتبسم اليهما حاصة والى سائراصحابه عامة

’حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کی طرف تشریف لاتے تھے جن میں مہاجر بھی ہوتے اور انصار بھی۔ مگر حضور ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر ہی کی طرف نظر فرماتے تھے اور وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف نظر رکھتے تھے اور حضور پر نور ﷺ ان کو دیکھتے رہتے تھے اور وہ دونوں تبسم کرتے رہتے تھے اور حضور ﷺ بھی تبسم فرماتے تھے یہ سب حالت خاص طور پر ان دونوں کے ساتھ ہوتی تھی اور باقی صحابہ کے ساتھ عام طور پر ہوتی تھی۔‘

جب حضور نے اس کا اہتمام نہیں فرمایا تو ہم کیا چیز ہیں۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

(بحوالہ ملفوظاتِ حکیم الامت ج ۴)

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۵

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

نویں فصل

اردن میں کرامہ کی فتح کے بعد شاہ حسین نے کہا: ہم سب فدائی ہیں اور اس فتح کی عزت کے جذبات کے ساتھ فلسطینی نوجوان ہزاروں کی تعداد میں عرب ممالک کے پناہ گزین کیمپوں سے نکل کر الفتح تحریک کے دفاتر میں شامل ہونے لگے، اردن اور دیگر عرب ممالک میں فلسطینی انقلاب نے اپنی جڑیں مضبوط کرنی شروع کر دیں، اس کے رہنما اور قائدین، خاص طور پر یاسر عرفات، عرب دارالحکومتوں میں بڑے پرتپاک استقبال سے نوازے جانے لگے، خاص طور پر قاہرہ میں جمال عبدالناصر کے دور میں، جو عرب قوم کے رہنما سمجھے جاتے تھے۔

بہت سے فلسطینی خاندان مغربی کنارے اور پناہ گزین کیمپوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ نہ صرف وہ خاندان جو ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر چکے تھے بلکہ وہ بھی جو ۱۹۶۷ء کی جنگ کے دوران بکھر گئے تھے، اور اسرائیلی قبضے سے بچنے کے لیے فرار ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک خاندان تاجر احمد کا تھا جو الخلیل سے تھا۔ احمد کے چار بیٹے تھے، جن میں سے ایک الخلیل میں اس کے ساتھ رہا، جبکہ تین ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی قبضے کے دوران اردن ہجرت کر گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ان میں سے دو نے اردن کے انقلاب میں شمولیت اختیار کی، جبکہ تیسرا وہاں ٹرک ڈرائیور کے طور پر کام کرتا تھا۔ جن دو نے انقلاب میں شمولیت اختیار کی تھی وہ کبھی بھی الخلیل واپس نہیں آ سکتے تھے، کیونکہ انہیں گرفتار ہونے کا حقیقی خطرہ تھا، جبکہ تیسرا احمد کبھی کبھار اپنے خاندان سے ملنے آتا تھا اور اپنے والد کے ساتھ دکان میں بیٹھتا تھا، جہاں وہ میری خالہ کے شوہر سے ملتا اور اردن میں فلسطینیوں کی حالت کے بارے میں بات کرتا۔

اردن میں فلسطینیوں کی حالت بلاشبہ فخر اور اعزاز کا باعث تھی، لیکن احمد مستقبل کے بارے میں فکر مند تھا، اسے یقین تھا کہ اردن میں فلسطینیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت شاہ حسین کو پریشان کر رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ کچھ فدائی وہاں لوگوں کے جذبات کا لحاظ کیے بغیر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے، جو ممکنہ طور پر انقلاب اور شاہ کے درمیان تصادم کا باعث بن سکتی تھیں۔ احمد نے متعدد بار اپنی تشویش کا اظہار کیا، لیکن بعض حاضرین خود کو تسلی دینے کی کوشش کرتے تھے کہ معاملات تصادم اور تنازع تک نہیں پہنچ سکتے، بلکہ یہ ناممکن ہے۔ اور اچانک خبریں آئیں کہ ۱۹۷۰ء کے ستمبر کی ان جھڑپوں کا آغاز ہوا جو "سیاہ ستمبر" کے واقعات کے نام سے جانی گئیں اور حقیقی جنگوں میں تبدیل ہو گئیں، جن کی بازگشت پوری علاقے میں سنائی دی اور اس نے عرب رہنماؤں کی سطح پر سیاسی حرکات کو جنم دیا۔

ام احمد کے تین بیٹے اردن میں ان خونی جھڑپوں میں شامل تھے اور ان کے تینوں بیٹوں کی بیویاں اور کئی بچے تھے، اور وہ وہاں حقیقی خطرے میں تھے، جس کی وجہ سے ام احمد نہ سو سکتی تھی اور نہ ہی کچھ کھا سکتی تھی، بس ان کے لیے خوف سے کانپتی رہتی تھی۔ ابو احمد اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی نصیحت کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا ہے وہی ہو گا، لیکن ماں کے دل کو ایسی حالت میں سکون نہیں مل سکتا۔

اس کے پیشِ نظر ابو احمد نے مجبوراً اردن جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنے بیٹوں اور ان کے خاندانوں کی خیریت معلوم کر سکے۔ ام احمد چیخ اٹھی: "کیا آپ اکیلے جائیں گے؟" ابو احمد نے جواب دیا: "ہاں!"، ام احمد بولی: "اس کا کیا فائدہ؟ میرا خوف اور فکر مزید بڑھ جائے گی"، ابو احمد نے پوچھا: "تو پھر کیا حل ہے؟ کیا رائے ہے؟" ام احمد نے جواب دیا: "ہم دونوں ساتھ جائیں گے"، ابو احمد نے اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے، انہوں نے اپنے اور اس کے لیے پرمٹ تیار کیے اور اردن جانے کے لیے روانہ ہو گئے، جہاں حالت تقریباً ایک حقیقی جنگ کے مانند تھی۔

ان کے بیٹے ڈرائیور سعید کے گھر تک پہنچنے میں شدید خطرات حائل تھے، جب وہ گھر پہنچے تو بھی انہیں سکون نہیں ملا کیونکہ حالات انتہائی خطرناک تھے اور گولیوں کی بوچھاڑ بند نہیں ہو رہی تھی، جس کی وجہ سے انہیں کھڑکیاں بند کرنی پڑیں اور فرنیچر اور الماریاں ان پر رکھنی پڑیں تاکہ گولیاں گھر میں داخل نہ ہوں اور کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ وہ مستقل جھک کر چلنے پر مجبور تھے، اور جب بھی کوئی اپنا سر اٹھا کر سیدھا چلنے لگتا تو سب اسے چیخ کر کہتے کہ سر نہ اٹھاؤ، کہیں کوئی بھٹکی ہوئی گولی نہ لگ جائے۔ ابو احمد کبھی کبھار بڑبڑاتے: "یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، ہم

وہاں محفوظ تھے"، تو ام احمد جواب دیتی: "یہاں اپنے بیٹوں اور بچوں کے ساتھ، چاہے خطرہ ہو، وہاں انتظار کرنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔" ابو احمد پھر سے بڑبڑاتے: "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اللہ خیر کرے، یاساتر، یاساتر۔"

ستمبر کے جرش اور عجلون کے واقعات ختم ہوئے اور تحریک لبنان منتقل ہو گئی، جیسے ہی حالات پر سکون ہوئے، ابو احمد اور ان کی بیوی واپس الخلیل لوٹ آئے، اور ابو احمد اپنی دکان میں واپس جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے خوفناک واقعات اور حقیقی دہشت کے بارے میں بات کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔ موجود لوگ ان کی سلامتی پر مبارکباد دیتے اور وہ دوبارہ اللہ کا شکر ادا کرتے کہ وہ، ام احمد، ان کے بیٹے اور ان کے بچے سب محفوظ رہے۔

زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ریڈیو پر جمال عبد الناصر کی موت کا اعلان ہوا، جو فلسطینی عوام پر بجلی کی طرح گرا، جن کی اکثریت نے اسے عرب قوم کا رہنما اور امید سمجھا تھا، اس پر ملک بھر میں، کیمپوں، شہروں اور دیہاتوں میں پر زور مظاہرے شروع ہو گئے، مخیم الشاطئ میں کئی دنوں تک تعلیم معطل رہی، بھوک ہڑتال کا اعلان کیا گیا تو دکانیں نہیں کھلیں اور مظاہرے کیے گئے، جن کی قیادت کیمپ کے متعدد اساتذہ اور دانشوروں نے کی، جو عرب اتحاد کے حق میں نعرے لگا رہے تھے اور صدر کی تعریفیں کر رہے تھے، اور وہ عرب قومی شعارات اور جمال عبد الناصر کے لیے دعا کرتے ہوئے تصاویر اور بینرز بلند کر رہے تھے۔ ان مظاہروں میں کیمپ کے ہر فرد یا ان کی اکثریت نے شرکت کی، مرد رو رہے تھے اور عورتیں آہ و زاری کر رہی تھیں، اور ان کی آہیں بلند ہو رہی تھیں۔ مظاہرہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا، یہ کیمپ سے نکل کر شہر کی اہم سڑکوں مرکزِ شہر اور شارع عمر مختار کی طرف بڑھا۔ ہم بھی بطور طالب علم ان میں شامل ہو گئے، چھوٹے بڑے لڑکے اور لڑکیاں سب نعرے لگا رہے تھے: تعيش الوحدة العربية... فلسطين عربية، بالروح بالدم نفديك يا جمال۔

جب مظاہرہ پہلی بار غزہ شہر کی مرکزی سڑک عمر المختار سٹریٹ پر پہنچا تو وہاں ان کا سامنا بڑی تعداد میں قابض فوج سے ہوا، جنہوں نے مظاہرین کو ڈرانے اور منتشر کرنے کے لیے ان کی جانب گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ مظاہرین نے پتھراؤ شروع کر دیا تو فوج نے ٹانگوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیں جس سے متعدد زخمی ہوئے جنہیں دار الشفاء ہسپتال اور ایجنسی کلینک لے جایا گیا جو ۱۹۶۷ء کے قبضے کے بعد اس دور میں علاج مہیا کرتی تھیں۔ قابض فوج اور اس کے حکام نے علاقے کو کنٹرول کرنے اور مزاحمتی تحریک روکنے کے لیے متعدد اقدامات کیے تھے، جن میں شہریوں کی گنتی کرنا، بالغ مردوں اور عورتوں کو شناختی کارڈ جاری کرنا، بچوں کا اندراج کرنا اور پیدائش کا اندراج کرنا شامل تھا۔ اس مقصد کے لیے پاسپورٹ اور پرمٹ کا دفتر کھولا گیا جو شہری امور کی نگرانی کرتا تھا۔

انہوں نے علاقائی عمائدین اور معززین کے ساتھ رابطے اور سمجھوتے شروع کیے، جنہیں فوجی گورنر وقتاً فوقتاً بلاتا تھا، تاکہ لوگوں کی زندگی کے معاملات پر تبادلۂ خیال کرے اور ان کے ذریعے لوگوں تک اپنی بات پہنچائے، آپ دیکھتے کہ ان سرداروں یا معززین میں سے کئی افراد شہر کے فوجی گورنر کے دفتر جاتے، عربی قبا پہنے اور مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے، گورنر کے کمرے میں داخل ہوتے، جو عام حالات میں ان کے ساتھ احترام سے پیش آتا تھا، مگر مظاہرے یا آپریشن کی صورت میں غصے میں ہوتا اور ان پر چیختا چلاتا تھا اور وہ خاموش رہتے، اگر کوئی ان میں سے بولتا تو "جناب حاکم" اور "جناب محترم" جیسے الفاظ سے بات شروع کرتا۔

یہ مختار لوگ اپنے ساتھ مختاری کی مہر رکھتے تھے، اگر کوئی بیرون ملک جانا چاہتا یا کوئی منصوبہ شروع کرنا چاہتا یا تعمیر کے لیے اجازت نامہ چاہتا یا کوئی بھی رسمی معاملہ کرتا تو اسے اپنے گاؤں کے مختار کے پاس جانا پڑتا، جو اس کاغذ پر اپنی مہر لگاتا اور عام طور پر اس کے بدلے میں کچھ پیسے لیتا۔

مقبوضہ علاقوں میں موجود فوجی گشت کر رہے تھے، ان کے پاس فوجی نقشے تھے اور وہ ان کے مطابق چلتے تھے تاکہ علاقوں کی خفیہ معلومات اور ان کی تفصیلات کو ہر وقت، دن رات جانچ سکیں، وہ شہروں، دیہاتوں اور کیمپوں میں، میدانوں، وادیوں اور پہاڑوں میں چلتے پھرتے تھے۔ درجنوں فوجی دو، تین یا چار قطاروں میں چلتے نظر آتے، اور ہر ایک کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا۔ وہ اپنی رائفلیں اٹھائے ہوئے ہوتے تھے اور دائیں اور بائیں دیکھ رہے ہوتے تھے، جبکہ آخری قطار میں موجود فوجی کبھی کبھار مکمل گردش کرتے تھے، تاکہ یہ جان سکیں کہ آیا ان کے پیچھے کوئی ان پر حملہ کرنے والا تو نہیں۔ وہ چلتے رہتے، پھر کچھ دیر کے لیے رکتے، افسر اپنے ہاتھ میں موجود نقشے کو دیکھتا اور پھر طے شدہ سمت میں بڑھتا، اکثر وہ کسی نوجوان یا مرد کو روکتے، اس کا شناختی کارڈ مانگتے، تاکہ اس کی شناخت کر سکیں، افسر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتا جس پر کچھ ان مطلوبہ افراد کے نام اور شناخت نمبر لکھے ہوتے، جنہیں گرفتار یا تحقیقات کے لیے بلایا جانا ہوتا تھا۔ ہر روز یا کچھ دنوں کے بعد بڑی تعداد میں فوجی جیپیں نظر آتیں، جن کے آگے ایک بے نشان شہری گاڑی ہوتی، جس پر زرد لائسنس پلیٹ ہوتی، اس کے پیچھے درجنوں فوجی جیپیں چلتیں۔ یہ سب کسی گھر، باغیچے یا جگہ پر چھاپہ مارنے جا رہی ہوتیں تاکہ کسی مطلوبہ فدائی یا ان کے مددگار کو گرفتار کر سکیں۔ کبھی کبھار وہ مطلوبہ شخص کو گرفتار کرنے کے بعد واپس جا رہے ہوتے، اس کے ہاتھ جیپ کی سیٹ کے ساتھ بندھے ہوتے، اور اس کے سر پر موٹا کپڑے کا تھیلا ہوتا جو فوجی رنگ کا ہوتا، کبھی اس شخص کو اس کے کپڑوں سے پہچانا جا سکتا تھا اور کبھی نہیں پہچان پاتے۔ اس شخص کو تفتیش کے لیے لے جایا جا رہا ہوتا تھا۔

ان تمام کارروائیوں کے باوجود، مزاحمتی کارروائیاں جاری رہیں، ہر چند دنوں بعد سننے میں آتا کہ کسی موبائل گاڑی پر بم پھینکا گیا جس سے کچھ فوجی زخمی ہوئے، یا کسی فدائی نے کار لوستاف

رائفل سے کسی فوجی جیپ یا پیدل گشت کرنے والے فوجیوں پر گولیاں چلائیں جس سے کچھ زخمی یا ہلاک ہوئے۔ لیکن اکثر ان مسلح فدائیوں کی واضح یا نیم واضح شکلیں نظر آتیں جو کھلے عام ہتھیار لے کر چلتے یا ان کے کپڑوں کے نیچے ہتھیار ہوتے یا بوریوں میں ہتھیار لے کر چلتے، اور عام لوگ جانتے تھے کہ یہ ہتھیار ہیں۔

یہ تمام مظاہر بتدریج غائب ہونے لگے اور فدائیوں کی تحریک زیادہ سے زیادہ خفیہ ہونے لگی۔ ستر کی دہائی کے اوائل میں جنرل ایریل شیرون کی قیادت میں یونٹ ۱۰۱ کا قیام عمل میں آیا، جس کی قیادت میجر مائیر داجن نے کی۔ یہ یونٹ سرخ ٹوپیاں پہننے کے حوالے سے مشہور ہوا اور عوام میں اسے ''سرخ ٹوپیوں والے'' کہا جانے لگا۔ یہ ایک خصوصی یونٹ تھا، جسے خصوصی تربیت دی گئی تھی۔ یہ یونٹ کیمپوں کی گلیوں اور کھیتوں کے درمیان چھپ کر مشتبہ افراد پر گولیاں چلاتا، لوگوں پر حملہ کرتا، انہیں مارتا پیٹتا اور بغیر کسی ضابطے یا قانون کے تشدد کرتا تھا۔ اس یونٹ کا مزاحمت کے خلاف جنگ میں اہم کردار تھا اور اس نے بہت سے رہنماؤں اور کارکنوں کو مارا۔ اس یونٹ کی ایک ٹیم تقریباً دس سے بیس فوجیوں پر مشتمل ہوتی تھی جو سب رسمی فوجی لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ یہ تمام جوان ہوتے تھے اور بہترین تربیت یافتہ تھے جن کے پاس نئے ہتھیار ہوتے تھے اور سرخ کپڑوں کی ٹوپیاں پہنتے تھے۔ ان کے پاس لکڑی کے چھوٹے ڈنڈے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک سے زیادہ کے پاس بڑے وائرلیس آلات ہوتے تھے جن کے انٹینا اونچے ہوتے تھے اور ان سے مسلسل رہنمائی اور ہدایات کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

ایک دن اس یونٹ نے ایک فدائی کا پیچھا کیا جس کے پاس ایک بم تھا اور وہ کیمپ کی گلیوں میں بھاگنے لگا، یونٹ کے فوجی اس کے پیچھے گولیاں چلاتے ہوئے بھاگے اور وائرلیس والا فوجی اپنی قیادت سے رابطہ کرنے لگا۔ انہوں نے اس علاقے کو پہچان لیا جہاں وہ نوجوان چھپا تھا اور انہوں نے اس علاقے کو گھیر لیا۔ جلد ہی بڑی تعداد میں اضافی فوجی فورسز پہنچ گئیں اور انہوں نے اس علاقے کو مکمل طور پر گھیر لیا۔ لوگوں کو اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیا گیا اور انہیں سڑک کے کنارے بٹھا دیا گیا۔ جاسوسوں نے ایک ایک کر کے ان سے تفتیش شروع کی اور فوجی گھروں میں داخل ہو کر اس نوجوان یا اس کے چھپنے کی جگہ کی تلاش میں ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ کسی طرح انہوں نے اس گھر کا سراغ لگا لیا جہاں وہ نوجوان چھپا ہوا تھا۔ افسران اور جاسوس اندر داخل ہوتے اور باہر آتے اور مشورہ کرتے رہے، آخر کار انہوں نے اس پناہ گاہ کا مدخل پہچان لیا جہاں وہ نوجوان چھپا ہوا تھا اور انہوں نے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے اسے باہر نکلنے کا حکم دیا، لیکن کوئی باہر نہیں آیا۔

وہ پناہ گاہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو ان پر گولی چلائی گئی جس کی وجہ سے وہ واپس چلے گئے۔ پھر اس یونٹ کے کچھ فوجی چھپ کر آئے اور جگہ کو دھماکہ خیز مواد سے بھر دیا اور واپس چلے گئے۔ پھر انہوں نے دھماکہ کر دیا، دھماکے کی آواز نے پورے کیمپ کو ہلا کر رکھ دیا، پھر وہ ایک بلڈوزر لائے جس نے مکان کو مسمار کر دیا اور پناہ گاہ اور اس میں موجود چیزوں کو تلاش کرنے کے لیے کھدائی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد چار فدائیوں کی لاشیں نکالی گئیں جو اس پناہ گاہ میں چھپے ہوئے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ''الجبهة الشعبية'' کے جنگجوؤں کی موجودگی کم ہو گئی اور زیادہ تر مزاحمت کار فتح تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ علاقوں میں جبهہ کی اکثریت تھی اور مردوں اور نوجوانوں کی گرفتاریاں کبھی نہیں رکیں۔ ہر روز درجنوں افراد کو گرفتار کیا جاتا، خاص طور پر فدائی کارروائیوں کے بعد، اور ہمیشہ کچھ ایسے ہوتے تھے جنہیں رہا کر دیا جاتا تھا۔ ایک طرف یہ منظر ہوتا کہ ایک عورت اپنے شوہر یا بیٹے کے رات کے وقت گرفتاری کے غم میں رو رہی ہوتی اور نہیں جانتی کہ کیا کرے اور دوسری طرف یہ منظر کہ کوئی عورت اپنے شوہر یا بیٹے کے جیل سے چند دنوں، مہینوں یا سالوں تک تفتیشی کمروں اور جیلوں میں غائب رہنے کے بعد واپسی پر زغردہ بلند کر رہی ہوتی۔

الخلیل شہر میں گرفتاری کا سلسلہ قبضے کے ابتدائی دنوں سے ہی شروع ہو گیا تھا، جب اسرائیلی اعلیٰ حکام شہر کے میئر اور بزرگ رہنما شیخ محمد علی الجعبری کے گھر آئے اور ان سے خاص احترام اور تعریف کا اظہار کیا اور ان سے ان کی خواہش کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ان کے سپاہی لوگوں کی عزت اور مال پر حملہ نہ کریں، ان حکام نے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہو گا اور ان کے سپاہیوں نے اس کا معقول حد تک احترام بھی کیا۔ لیکن اگلے دنوں میں وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا، جن میں زیادہ تر علاقے الجعبری خاندان کے تھے اور کچھ دیگر خاندانوں کی زمین بھی شامل تھی۔ ان زمینوں پر کریات اربع کالونی کی تعمیر شروع ہوئی اور اسی وجہ سے خالد بن ولید مسجد کی تعمیر روک دی گئی جو ان مقبوضہ زمینوں کے قریب تھی۔ اسی طرح اسامہ بن منقذ اسکول، پرانا بس اسٹینڈ، اور الدبوئیہ عمارت پر بھی قبضہ کر لیا گیا، جہاں فوجی مراکز قائم کیے گئے جو وقت کے ساتھ ساتھ آبادکاری کے مراکز اور حرم ابراہیمی کی جانب مستوطنین کی نقل وحرکت کے مراکز بن گئے۔

دشمن وقت کے ساتھ ساتھ فوجی تحرکات کو بڑھاتا گیا، لیکن اس نے ہمیشہ کوشش کی کہ مقامی لوگوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو اور ان کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اچھے تعلقات قائم رکھے جائیں، یا کم از کم دشمنی کا تعلق نہ ہو۔ کچھ فوجیوں کی مدد سے عرب اور یہودی بچوں کے درمیان کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں، بڑے آبادکار جیسے ''ربی حاخام لیونگر'' اور دیگر علاقے کے معززین کے پاس آتے تھے تاکہ عربی روایات کے مطابق صلح کی جاسکے۔ ان کا اصرار ہوتا تھا کہ اچھے ہمسائے اور برادرانہ تعلقات قائم رہیں، وہ ''عطوہ'' لیتے اور جرمانہ طے

کرتے اور اگر ضروری ہوتا تو دیت بھی ادا کرتے۔ اہم بات یہ تھی کہ عرب لوگوں کو پر سکون اور صلح پسند حالت میں رکھا جائے۔

کچھ علاقے جہاں مزاحمت کی حرارت بر قرار رہتی تھی، وہ قریب کے کیمپوں میں تھے جہاں دہیشہ اور العروب کیمپ مرکزی سڑک پر واقع تھے جو یروشلم اور بیت لحم کے درمیان تھے۔ جب فوجی حکام، فوجی ملازمین، آباد کار یا سیاح اس سڑک پر حرکت کرتے، تو انہیں ان کیمپوں سے کچھ فدائی حملوں کا سامنا کرنا پڑتا، جس کے بعد وہاں کے رہائشیوں کے سروں پر آسمان ٹوٹ پڑتا، کرفیو نافذ کیا جاتا، مردوں کو حراست میں لیا جاتا، انہیں مارا پیٹا جاتا اور لمبے عرصے تک گرفتار رکھا جاتا۔

شہری علاقوں کے لوگ، خاص طور پر الخلیل شہر کے لوگ، ہمیشہ ان کیمپوں کے باشندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، کیونکہ مہاجرین یا پناہ گزینوں کو ہمیشہ کمتر سمجھا جاتا تھا، اگرچہ انہیں بھی اسی قبضے نے ان کے دیہات اور شہروں سے بے دخل کیا تھا جو اب سب کے سروں پر مسلط ہے، اسی طرح دیہات کے اور اطراف کے لوگوں کو بھی شہر کے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے، جیسا کہ وطن کے مختلف علاقوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں شہر کا باشندہ دیہاتی باشندے کو حقارت سے دیکھتا ہے اور خود کو اس سے برتر سمجھ کر اس سے پیش آتا ہے، سوائے کچھ نادر مواقع کے۔ دیہاتی لوگ اور ان کی عورتیں کھیتی باڑی، پیداوار، مویشی پالنے اور دودھ دہی بنانے کا کام کرتے ہیں، اور پھر شہر میں آکر اپنے سامان جیسے ٹوکریوں میں انجیر، انگور اور مختلف پھل وغیرہ بیچتے ہیں یا دودھ، دہی یا مکھن بیچتے ہیں، اور شہر سے اپنی ضرورت کی اشیاء جیسے کپڑے، جوتے، صابن وغیرہ مہنگے داموں خریدتے ہیں، اور چند پیسوں کے ساتھ خوش وخرم اپنے دیہات واپس جاتے ہیں۔

آپ کو صبح سویرے گاؤں کے بیچ میں دیکھنے کو ملے گا کہ کوئی بچہ یا عورت ٹوکری میں انجیر یا انڈے لے کر بس کے انتظار میں ہوتی ہے، وہ اپنے سامان کو سینے سے لگائے ہوتے ہیں، اور جب بس آتی ہے تو ان کی لمبی سفر پر روانگی ہوتی ہے۔ شہر کے بازار میں اتر کر تاجر ان سے ان کا سامان خرید لیتے ہیں، اور وہ شہر کے بازار میں گھومتے ہیں، شہر کی اشیاء دیکھتے ہیں اور اپنی پسند کی چیزیں خریدتے ہیں، پھر بس کے انتظار میں واپس آتے ہیں تاکہ اپنے گاؤں واپس جا سکیں۔ جب وہ گاؤں کے بس اسٹاپ پر اترتے ہیں تو پھر انہیں لمبی مسافت طے کرنی پڑتی ہے، اور اگر ان کا بوجھ بھاری ہوتا ہے تو وہ گھنٹوں انتظار کرتے ہیں تاکہ کوئی رشتہ دار یا جاننے والا آکر ان کی مدد کرے، اس کے باوجود وہ خوش وخرم اور مطمئن ہوتے ہیں۔

جب ۱۹۶۸ء میں مقبوضہ علاقوں کے اندر فلسطینی مزدوروں کے لیے کام کرنے کا دروازہ کھولا گیا تو ان مزدوروں نے یہودی معاشرے کی تفصیلات، عادات وروایات اور مذہب کے بارے میں بہت کچھ جاننا شروع کیا۔ جمعہ کی دوپہر کے بعد یہودیوں کے ہاں ہفتہ کا آغاز ہوتا ہے جو غروب آفتاب کے کچھ وقت بعد تک رہتا ہے۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اس کی پابندی اپنی نجی زندگی اور گھروں میں نہیں کرتے، لیکن سرکاری ادارے بند ہوتے ہیں اور آگ یا بجلی کی کسی چیز کو جلایا یا بجھایا نہیں کیا جاتا۔ یہ سختی یوم کپور[1] (یوم الغفران) کے دن ہوتی ہے۔

یوم کپور سے کچھ دن پہلے، جو ۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو تھا، مزدور واپس آئے تاکہ وہ بھی چھٹی کریں کیونکہ کارخانے، کاروبار اور ادارے بند تھے۔ یہ مزدور اپنے گھروں کے سامنے جمع ہو کر باتیں، مذاق اور چائے پینے لگے، اسی طرح ہمارے محلے کے کچھ مزدور بھی ۶ اکتوبر کی دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے، جب ایک ہمسایہ اپنے گھر سے ریڈیو لے کر بھاگتا ہوا آیا اور چیخا: ”عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے۔“ سب لوگ چونک گئے اور کہنے لگے: ”کیا کہہ رہے ہو؟ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ؟ کون سے عرب؟“ اس نے اپنے ریڈیو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: سن لو! مصری نشریاتی ادارے کی آواز گرج رہی تھی، جو مصری مسلح افواج کی قیادت کا پہلا فوجی بیان پڑھ رہا تھا، جس میں سینا اور سویز نہر کے ساحلوں پر مصری حملے اور بار لیف لائن پر قبضے کا اعلان کیا گیا تھا۔ کئی لوگوں نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ کیا وہ سچ سن رہے ہیں! جب مزید فوجی بیانات نے جنگ میں شامی شرکت اور معرکوں میں عربوں کی پیش قدمی کی تصدیق کی، مصری اور شامی فضائی دفاع نے بڑی تعداد میں اسرائیلی طیارے گرائے اور بڑی تعداد میں ٹینک تباہ کیے تو جشن کی آوازیں اور خوشی کے اظہار شروع ہو گئے۔

جنگ جیتنے اور واپسی کے خواب ہر ایک کے دل میں جگمگانے لگے، جسے صرف قابض فوجوں کے لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آواز نے توڑا، جو کرفیو اور گھروں میں رہنے کا اعلان کر رہے تھے۔ لوگ گھروں میں رہنے لگے، یہ خواب دیکھتے ہوئے کہ یہ آخری بار ہے کہ ان پر کرفیو لگایا جا رہا ہے، سب خاندان ریڈیو کے گرد جمع ہو گئے، اور ہم بھی ریڈیو کے گرد بیٹھے تھے۔

---

[1] یوم کپور (Yom Kippur) یہودی کیلنڈر کا ایک سب سے اہم مذہبی موقع ہے، جو عموماً ستمبر یا اکتوبر میں آتا ہے، اسے "توبہ کا دن" یا "عیدِ کفّارہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یوم کپور کا مقصد اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور توبہ کرنا ہے۔ یہ دن اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ انسانی زندگی میں ندامت اور اصلاح کی ضرورت ہے، یوم کپور کے دوران، یہودی لوگ روزہ رکھتے ہیں، دعا اور عبادت کرتے ہیں، اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہیں۔ یہ دن نرمی، خود احتسابی اور دوسروں کے ساتھ خوشگوار روابط قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یوم کپور سے پہلے ایک دن، ”رش ہشانہ“ کے موقعے پر نئے سال کا جشن منایا جاتا ہے، جس سے یوم کپور کے بعد کی مدت کے لیے حساب کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دن کی اہم رسومات میں عبادت گاہوں میں خصوصی خدمات اور دعائیں شامل ہوتی ہیں، اور لوگ ایک دوسرے سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہیں۔ یوم کپور کے اختتام پر، لوگ دوبارہ ملتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دسویں فصل

اگلے دن جب میرا بھائی محمود مصر سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے غزہ آیا، ایک اور طالب علم جو مصر سے گرمیوں کی چھٹیوں پر آیا تھا، اس کے سامان کی تلاشی کے دوران ایک خط پکڑا گیا، جس میں ان فلسطینی نوجوانوں کی فہرست تھی جو مصر میں فتح تحریک کے لیے منظم کیے گئے تھے، تاکہ غزہ کے علاقے میں فدائی کام کی تنظیم شروع کریں۔ اس فہرست میں محمود کا نام بھی تھا، جس کی بنا پر اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس سے تفتیش شروع ہوگئی۔ غزہ کی جیل میں تفتیشی شعبے کو ''مسالخ'' کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں جو بھی داخل ہوتا تھا، اس پر بے پناہ تشدد اور ظلم ہوتا تھا۔ یہ ایک عمارت تھی جس کے بیچ میں ایک راہداری تھی، جس کی چوڑائی تقریباً چار میٹر اور لمبائی بیس میٹر تھی، اس کے دونوں طرف مختلف سائز کے کمروں کے دروازے کھلتے تھے، جہاں تفتیش ہوتی تھی۔ اس لمبی راہداری میں قیدیوں کو زمین پر بٹھایا جاتا یا دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا اور ان کے سروں کو موٹے کپڑے کے تھیلوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا جو کندھوں تک ہوتے تھے اور ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے تھے۔ سپاہی ان کے درمیان گھومتے رہتے، وہ انہیں مارتے، ٹھوکر مارتے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے۔ اگر سپاہیوں کو لگتا کہ کوئی لمحہ بھر کے لیے بھی سو گیا ہے یا اونگھ گیا ہے تو اس پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیتے تھے۔ وقتاً فوقتاً کسی قیدی کو گھسیٹ کر ایک طرف کے کمروں میں لے جایا جاتا، جہاں اس کے سر سے تھیلا ہٹا دیا جاتا اور اس کے سامنے چند تفتیشی افسران ہوتے جو عبرانی لہجے میں عربی بولتے تھے اور اس سے ہزاروں سوالات کرتے تھے۔ اس دوران لاتیں، مکے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے، ایک تفتیشی افسر دوست بن کر قیدی کی مدد کرنے کا ڈرامہ کرتا تھا، وہ اسے مارنے والے ظالم افسران سے بچاتا تھا اور کہتا تھا: اسے چھوڑ دو، میں اس سے بات کروں گا، مجھے معلوم ہے کہ مار پیٹ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اعتراف کرنا چاہتا ہے، وہ ظالموں کو کمرے سے باہر نکال دیتا تھا اور پھر میٹھے بول بول کر قیدی کو اعتراف کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ انکار کا کوئی فائدہ نہیں، سب کچھ معلوم ہے، اور وہ پھر اسے ماریں گے اور اذیت دیں گے یہاں تک کہ وہ اعتراف کر لے، تو اس تکلیف کا کیا فائدہ؟ اور اسی طرح کی میٹھی باتیں کرتا تھا، کبھی اسے سگریٹ دیتا تھا یا چائے کا کپ پیش کرتا تھا۔ اگر وہ اعتراف کروانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس سے لکھوا لیتا، اور اگر ناکام رہتا تو دوبارہ ظالم افسران کو بلا لیتا جو اپنی طاقت سے اعتراف کروانے کا کام جاری رکھتے تھے۔

قیدی کو اس کی پیٹھ پر لٹایا جاتا اور اس کے ہاتھ پیچھے ہتھکڑیوں سے بندھے ہوتے، اس کے چہرے اور سر پر کپڑے کی بوری ہوتی، اور ایک شخص اس کے سینے پر بیٹھ جاتا، تاکہ اس کا گلا گھونٹے اور بوری پر پانی ڈالے۔ دوسرا شخص اس کے پیٹ پر کھڑا ہوتا، جبکہ تیسرا شخص کرسی کو اس کی ٹانگوں کے درمیان رکھ کر بیٹھ جاتا، تاکہ اس کی ٹانگوں کو الگ کر سکے، اور چوتھا شخص اس کے خصیوں کو دباتا، دو اور افراد اس کے دونوں پیروں کو پکڑے ہوتے، اسی طرح ایک راؤنڈ کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ ہوتا اور پھر دوبارہ اسی طرح تشدد کیا جاتا۔ کبھی کبھار اس کے ہاتھوں کو پیچھے ہتھکڑیوں سے باندھ دیا جاتا اور اسے حلقے میں یا دیوار پر لگے پائپ سے باندھ دیا جاتا، جہاں وہ تقریباً معلق ہوتا اور اس کی انگلیوں کے سرے زمین کو چھوتے، اس دوران اس کے سر پر ایک یا زیادہ بوریاں ڈال دی جاتیں، اور پھر اس کے پیٹ میں مکوں اور جسم کے دیگر حصوں میں لاتوں سے مارا جاتا اور اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا کبھی کبھار اس پر پنکھا بھی چلایا جاتا، جس سے وہ سردی سے کانپنے لگتا اور اس کا جسم جم جاتا۔

اس سارے سلوک سے محمود کو غزہ کی جیل کی سلاخوں میں تفتیش کے دوران گزرنا پڑا، اس کا جسم ڈھانچا بن گیا اور وہ پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ چالیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جس میں اسے کم ہی نیند میسر آئی یا کھانا نصیب ہوا۔ جب کبھی وہ چاہتے کہ وہ کچھ دیر آرام کرے تاکہ وہ مر نہ جائے تو اسے ایک چھوٹے سے سیل میں ڈال دیا جاتا جو ڈیڑھ میٹر چوڑا اور ڈھائی میٹر لمبا ہوتا۔ وہاں وہ پانچ یا چھ دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہوتا جنہیں تفتیش اور کم نیند نے کمزور کر دیا ہوتا۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر گر کر سو جاتے اور صرف جلادوں کے ہاتھوں سے ہی بیدار ہوتے جو انہیں دوبارہ تفتیش کے لیے لے جاتے۔ ہفتوں کے انکار کے بعد کہ محمود کا کسی تنظیم یا فتح سے کوئی تعلق نہیں، اس کے سامنے ایک طالب علم کا ذکر کیا گیا جو مصر سے آیا تھا اور جس کے پاس اس کے اور دیگر لوگوں کے ناموں کی فہرست تھی۔ محمود نے انکار جاری رکھا اور کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے، اس کے بعد اسے دوبارہ پرانے طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بالآخر محمود نے اعتراف کیا کہ مصر میں کسی نے اسے فتح کے لیے منتخب کیا تھا اور کہا کہ وہ اس سے رابطہ کریں گے۔ محمود نے سوچا کہ اس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا، لیکن تفتیش دوبارہ شروع ہو گئی۔ کیا تم نے کسی ہتھیار کی تربیت لی ہے؟ تم سے کس مشن کی توقع کی گئی؟ تمہارے ساتھ کون شامل تھا؟ کیا تم نے کسی اور کو شامل کیا؟ اور وہ کون تھے؟ ہزاروں سوالات تھے، اور اس کے انکار کے باوجود کہ اس نے کچھ نہیں کیا، تفتیش دوبارہ شروع ہوئی اور زیادہ سخت اور اذیت ناک ہوگئی۔ محمود نے تب سمجھا کہ اس نے غلطی کی ہے۔ اس نے اپنا پہلا اقرار کر لیا تھا اور وہ ویسے بھی اسی عذاب میں مبتلا رہتا، لہٰذا اسے اپنے اقرار پر قائم رہنا چاہیے، تاکہ وہ خود کو زیادہ عرصے قید میں نہ پھنسا لے۔ اسی طرح تفتیش کار محمود اور دوسرے قیدیوں کو اذیت دیتے رہے جہاں سارا دن اور رات قیدیوں کی چیخیں اور تفتیش کاروں کی گالیاں اور شتم سنائی دیتی رہتیں۔

تقریباً چالیس دن بعد تفتیش کاروں نے سمجھا کہ انہیں محمود سے مزید کچھ حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا اسے خصوصی قید میں منتقل کر دیا، چند ہفتوں بعد اسے عام جیل میں منتقل کر دیا۔ وہ جیل کے ایک سیکشن میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو اسے کچھ کپڑے، کمبل، دو پلاسٹک کی پلیٹیں اور ایک چمچ ملا، وہاں تقریباً بیس قیدی اور بھی تھے، جن میں سے کچھ کو وہ کیمپ کے بیٹوں کے طور

پر جانتا تھا۔ وہاں اس کے بھائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو تسلی دی، سب نے اپنا تعارف کروایا، نام، علاقہ اور الزام وغیرہ بتایا۔

محمود کو سب سے زیادہ پریشانی اور فکر اپنی ماں اور ہمیں دیکھنے اور یہ یقین دہانی کرانے کی تھی کہ وہ ابھی زندہ ہے، اور ٹھیک ہے۔ اسے امید تھی کہ اسے زیادہ عرصے کے لیے قید نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ بہت سے لوگ جو قید ہو کر جیل میں داخل ہوتے ہیں اور پھر کبھی باہر نہیں آتے۔ اس نے پہلے لمحے سے ہی اہل خانہ کی ملاقاتوں کے بارے میں پوچھا، تو نوجوانوں نے اسے بتایا کہ غزہ کے علاقے کے لیے ملاقات ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو ہوتی ہے۔ اس نے تاریخ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اسے مزید دو ہفتے انتظار کرنا ہو گا۔

میری ماں نے کچھ پڑوسیوں سے پوچھا، جن کے بیٹے قید میں تھے، خاص طور پر ہماری پڑوسن ام العبد سے، کہ کیا ہم کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ جیل لے جاسکتے ہیں اور کیا انہیں اندر لے جانے کی اجازت ہو گی؟ تو جواب نفی میں ملا۔ انہوں نے پوچھا کہ کتنے لوگوں کو ملاقات کی اجازت ہے؟ تو پتہ چلا کہ تین بڑے یا دو بڑے اور ایک چھوٹے کو اجازت ہے۔ پہلی ملاقات سے پہلے کی رات، ہم نے بہت بحث کی کہ ماں کے ساتھ محمود سے ملنے کون جائے گا۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ جائے۔

آخر ماں نے میری بہن فاطمہ، مجھے اور مریم کو منتخب کیا، حسن ناراض ہوا اور اسے برا لگا، لیکن ماں نے اسے سمجھایا کہ وہ اسے فوجیوں اور جیلروں کے ساتھ جھگڑے سے بچانا چاہتی ہیں اور یہ کہ پہلی ملاقات ہے، ہم جائیں گے، صورتحال کو جانچیں گے، پھر فیصلہ کریں گے۔ حسن نے مایوسی کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی۔

جمعہ کی صبح جب سورج طلوع ہو رہا تھا، ہم غزہ سینٹرل جیل کی عمارت سرایا کے سائڈ گیٹ کے باہر کھڑے تھے۔ وہاں پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ سینکڑوں خاندان دیوار کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ وہاں آہنی پائپوں کی ایک رکاوٹ تھی تاکہ قطار کو منظم کیا جاسکے۔ ہم سب ایک مخصوص انتظار گاہ میں بیٹھ گئے، دروازے میں ایک کھڑکی کھلی اور ایک سپاہی نے جھانک کر دیکھا، پھر دروازہ کھولا اور ہاتھ میں ایک رجسٹر لے کر باہر آیا اور نام پکارنے لگا۔ جب بھی کسی قیدی کا نام پکارا جاتا، اس کے اہل خانہ کھڑے ہو کر ''جی'' کہتے اور آہنی حد فاصل کی ابتدا کی طرف بڑھ جاتے تاکہ عمارت میں داخلہ کی منتظر قطار میں کھڑے ہو سکیں۔ جب بھی وہ نام پکارتا تو ان کے اہل خانہ قطار میں کھڑے ہو جاتے، وہ انہیں تلاشی کے لیے اندر لے جاتے، مردوں اور عورتوں کو الگ کرنے کے بعد دوبارہ ملاتے اور ملاقات کے لیے لے جاتے۔

ہم شدت سے انتظار کر رہے تھے، پھر میرے بھائی محمود کا نام پانچویں گروپ میں پکارا گیا۔ ہم نے ''جی'' کہا اور قطار میں کھڑے ہو گئے، پھر انہوں نے ہمیں اندر داخل کرنا شروع کیا۔

ہمارے ساتھ کوئی بالغ مرد نہیں تھا، اس لیے ہم سب خواتین کی تلاشی کے حصے میں چلے گئے، جہاں خواتین سپاہیوں نے میری والدہ، بہنوں اور میری تلاشی لی۔ پھر ہمیں ایک صحن میں لے گئے، جہاں ہم نے دوسروں کی تلاشی مکمل ہونے تک انتظار کیا۔ ہم نے دیکھا کہ ہم سے پہلے کا گروپ ملاقات سے واپس آ رہا تھا، پھر ہمیں لمبے، مدھم روشنی والے راستوں سے گزار کر ملاقات کے سیکشن تک لے جایا گیا، جہاں ایک سیمنٹ کی دیوار میں لوہے کی جالیوں سے ڈھکی کھڑکیاں تھیں جو دیوار کے دونوں طرف ہمیں قیدیوں سے جدا کرتی تھیں۔ بچے پہلے دوڑتے ہوئے داخل ہوئے اور بڑے آہستہ چلتے ہوئے، میں بھی بچوں کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہوا اور سب اپنے والد یا بھائی کو تلاش کرنے لگے۔ میں نے اپنے بھائی محمود کو ایک کھڑکی کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھا اور چلانے لگا: یہاں ہے محمود، یہاں ہے محمود۔ شور بلند ہو گیا تھا اور میری ماں نے مجھے نہیں سنا لیکن انہوں نے مجھے کھڑکی کے سامنے کھڑے دیکھا تو وہ میری بہنوں فاطمہ اور مریم کے ساتھ آگے بڑھیں۔ میری ماں نے محمود پر ہزاروں سوالوں کی بارش کر دی۔ اس کی حالت، صحت، کیا انہوں نے اسے مارا؟ کیا اسے کھانا دیا؟ اس کے جسم کا حال؟ کیا اس کی ٹانگیں یا ہاتھ شل ہو گئے؟ بے انتہا سوالات بغیر کسی جواب کا انتظار کیے! اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ محمود انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کرتا ہوا ہاتھ کے اشارے سے کہتا: ماں، میں ٹھیک ہوں، سب ٹھیک ہے، دیکھو میں تمہارے سامنے ہوں، میری صحت ٹھیک ہے، میرے پاؤں ٹھیک ہیں، سب کچھ ٹھیک ہے۔ آپ کیسی ہیں؟ اور میرے بہن بھائی کیسے ہیں؟ فاطمہ تم کیسی ہو؟ مریم تم کیسی ہو؟ فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: بھائی میں ٹھیک ہوں اور مریم نے کہا: الحمد للہ۔

میری والدہ نے ان سے ان کے کیس اور عدالت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے اور ان شاء اللہ سزا ایک سال یا ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میری والدہ نے یہ سن کر ایسی چیخ ماری کہ جیسے ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہو اور بولی: ایک سال یا ڈیڑھ سال؟ ہائے اللہ! تو محمود نے انہیں تسلی دینا شروع کی اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ انہوں نے ایک وکیل مقرر کر دیا ہے، پھر وہ جیل کے محافظ جو ہمارے پیچھے کھڑے تھے، اور ان کے پیچھے دوسری طرف موجود لوگ زور زور سے تالیاں بجانے اور چلانے لگے: ملاقات ختم، ملاقات ختم! ہم نے دوبارہ الوداعی سلام کیا، اور محافظوں نے محمود اور دوسرے قیدیوں کو پکڑ لیا اور انہیں دروازے کے پیچھے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور ہمیں یعنی اہل خانہ کو، باہر دھکیلنے لگے۔

اس ملاقات سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میں نے محمود کو دیکھا، اس نے میری خیریت معلوم کی اور میں نے اس کی خیریت معلوم کی۔ جب اس نے میری والدہ کو الوداع کہا تو مجھے بھی بلایا اور بولا: الوداع احمد۔ اس پورے وقت میں میری والدہ کے سوالات اور محمود کی تسلیاں چلتی رہیں، اور

کیس اور سزا کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ اہم بات یہ ہے کہ اس ملاقات کے بعد ہماری والدہ کی نفسیاتی حالت بہتر ہوگئی اور وہ کسی حد تک اپنی معمول کی حالت میں واپس آنے لگیں۔

محمود غزہ کی جیل کے سیکشن (ب) میں تھا، جو آٹھ کمروں پر مشتمل تھا، ان کمروں کے دروازے تین میٹر چوڑی راہداری پر کھلتے تھے۔ ہر کمرے کا رقبہ پندرہ مربع میٹر سے پچیس مربع میٹر تک ہوتا تھا، ان کمروں میں چھوٹی کھڑکیاں اور لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے۔ ایک کونے میں بیت الخلاء ہوتا تھا، ہر کمرے میں کم از کم بیس قیدی ہوتے تھے، جو زمین پر کمبل بچھا کر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے سوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ کے بل نہیں لیٹ سکتا تھا اور اگر وہ کروٹ بدلنا چاہتا تو اسے اٹھ کر کھڑا ہونا پڑتا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹنا پڑتا۔ اگر کسی کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوتی تو اسے سوئے ہوئے لوگوں کے اوپر سے گزر کر جانا پڑتا اور جب وہ واپس آتا تو اس کی جگہ دوسرے لوگ لے چکے ہوتے۔ صبح چھ بجے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوتا کہ کچھ دیر میں گنتی شروع ہوگی اور روشنیوں کو جلا دیا جاتا۔ محافظ دروازوں پر دستک دیتے اور قیدیوں کو جگاتے، ہر قیدی کو جاگ کر اپنی چیزیں سمیٹنی اور ترتیب دینی پڑتی تھی اور گنتی کے انتظار میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ اگر کوئی قیدی دیر سے جاگتا اور اس کے ساتھی اسے نہ جگاتے، تو محافظ دروازہ کھول کر اندر آتے اور اسے بے دردی سے مارنے لگتے۔ بہت سارے محافظ ایک افسر کی قیادت میں آتے، وہ قیدیوں کی گنتی کرتے، قیدیوں کو دو قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا تھا، محافظوں کے پاس لاٹھیاں ہوتی تھیں، ہیلمیٹ پہنے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک کے پاس آنسو گیس کی گن بھی ہوتی تھی۔ وہ ہر کمرے میں جا کر قیدیوں کی گنتی کرتے اور پھر دوسرے سیکشنز کی گنتی کے لیے نکل جاتے۔ آخر میں لاؤڈ اسپیکر سے گنتی ختم ہونے کا اعلان ہوتا، جس کے بعد قیدیوں کو ناشتے کے لیے کھانا پیش کیا جاتا۔ یہ عام طور پر دو یا تین سلائس بریڈ، تھوڑا سا مکھن وغیرہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھار اس کے ساتھ آدھا ابلا ہوا انڈا بھی ہوتا، اور ایک کپ ایسی چیز ہوتی جو ذائقے اور خوشبو میں چائے جیسی ہوا کرتی تھی۔ قیدی اپنا کھانا کھاتے، پھر وہ باری باری باتھ روم جاتے۔

پہرے دار ایک ایک کر کے کمروں میں آتے، تاکہ قیدیوں کو دو دو کمروں کے حساب سے (فورہ) نامی صحن میں لے جائیں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو اونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی، جس کی چھت پر خاردار تاریں تھی، اور اس کا رقبہ تقریباً ایک سو بیس مربع میٹر تھا۔ قیدی ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ پیچھے باندھے اور سر جھکائے ہوئے صحن میں جاتے، وہاں پہرے دار لاٹھیوں کے ساتھ کھڑے ہوتے اور قیدی حلقے کی شکل میں چلنے لگتے جو بھی اپنا منہ کھول کر کسی ساتھی سے بات کرتا، یا پیچھے رہتا یا آگے بڑھتا تو، اسے لاٹھیوں، ٹھوکروں اور تھپڑوں سے مارا جاتا۔ قیدی اس حالت میں ایک گھنٹہ یا اس سے کم وقت تک گھومتے، پھر واپس اپنے کمروں میں چلے جاتے۔ ہر قیدی کو اپنے تہہ کیے ہوئے کمبل پر بیٹھنا ہوتا، اور انہیں گروپوں یا حلقوں میں بیٹھنے یا بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی، اگر وہ ایسا کرتے تو پہرے دار کمرے میں گھس کر انہیں مارتے اور بسا اوقات کچھ کو سزا کے سیل جنہیں (سنوکات) کہا جاتا ہے، میں لے جاتے تھے۔

دوپہر کی گنتی کے بعد دوپہر کے کھانے کا اعلان ہوتا، جو کچھ سلائس بریڈ اور سبزیوں کا شوربہ ہوتا۔ کبھی کبھار اس میں کچھ سبزیاں جیسے گاجر بھی ہوتیں اور کبھی کبھی یہ صرف گرم پانی ہوتا جس میں نمک کا ذائقہ ہوتا۔ کبھی کبھار آلو کا بھرتہ، چاول یا بینگن کے ٹکڑے آتے۔ قیدیوں کو جو بھی ملتا اسے بمشکل ہی چھوتے۔ کچھ قیدی برتن دھوتے اور دوسرے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے، نیند کے مارے ان کی پلکیں بھاری ہونے لگتیں۔ اگر کوئی پہرے دار، جو کمروں کے سامنے راہداری میں چکر لگا تا رہتا، انہیں سوتے ہوئے دیکھ لیتا تو زور سے چلاتا تاکہ وہ نہ سوئیں، کیونکہ سونے کی صرف رات میں اجازت تھی۔

گھنٹے بوجھل گزرتے تھے جب تک کہ رات کا کھانا نہ آجائے، جو پلیٹ میں بمشکل نظر آتا۔ قیدی شام پانچ بجے کے قریب کھانا کھاتے، پھر غروب آفتاب کا انتظار کرتے، غروب آفتاب کے ایک یا ڈیڑھ گھنٹے بعد اور شام کی گنتی اسی طرح کرنے کے بعد، پہرے دار روشنی بند کر دیتے اور قیدی ایک دوسرے کے قریب سو جانے کی تیاری میں لیٹ جاتے۔ پہرے دار ہمیشہ کمروں کی نگرانی کرتا اور اس کے جوتوں کی آواز زمین پر گونجتی، جیسے کہ وہ انہیں رات میں بھی سونے کی اجازت نہ دینا چاہتا ہو۔

جمعرات کے دن قیدیوں کو چار چار کے گروپ میں حمام لے جایا جاتا، جہاں ہر قیدی کو ہفتے میں پانچ منٹ نہانے کے لیے ملتے۔ پانی شاذ و نادر ہی گرم ہوتا اور ایک ہی بیکار صابن کی ٹکیا تمام قیدیوں کے لیے کافی ہونی ضروری تھی (یعنی سیکشن کے ایک چوتھائی قیدیوں کے لیے)۔ نہانے کے بعد جیل کا داروغہ ہر کمرے کو ایک استرا دیتا جس سے سب کو باری باری اپنی داڑھی مونڈنی ہوتی تھی۔ جمعہ کا دن اہل خانہ کی ملاقاتوں کا دن ہوتا، ہر علاقے کے قیدیوں کے اہل خانہ اس دن ملاقات کے لیے آتے تھے، جس جمعہ کی صبح جن قیدیوں کے اہل خانہ ملاقات کے لیے آ رہے ہوتے وہ تیار ہو جاتے اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا انتظار کرتے جو دیواروں پر نصب ہوتا اور ایک گروپ کے بعد دوسرے گروپ کے زائرین کے ناموں کا اعلان کرتا۔ جن کے نام بلائے جاتے وہ اپنی کوٹھریوں سے باہر آتے۔ جب جیل کے داروغہ ان کے لیے دروازے کھولتے تو انہیں تمام سیکشنوں سے اکٹھا کر کے ایک انتظار گاہ میں لے جایا جاتا، جہاں ان کی جامہ تلاشی لی جاتی، پھر انہیں ملاقات کے سیکشن میں لے جایا جاتا، جہاں دوبارہ تلاشی لی جاتی، ہر سیکشن کے قیدیوں کو الگ الگ رکھا جاتا اور بعد میں انہیں دوبارہ ان کی کوٹھریوں میں واپس بھیج دیا جاتا۔ وہاں ان کے ساتھی انہیں ملاقات کی مبارکباد دیتے، اور وہ جواب دیتے ”اللہ آپ کو برکت دے، آپ کی بھی باری آئے“۔

میرے بھائی محمود نے اس کٹھن اور تلخ حقیقت کا سامنا کیا اور اس نے غزہ کی اس جیل میں زندگی گزاری جو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے سینکڑوں قیدیوں سے بھری ہوئی تھی۔ جیل انتظامیہ کسی بھی منظم اجتماعی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتی تھی اور قیدیوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھتی تھی، جو انسانی حقوق اور جنیوا کنونشن کے تحت فراہم کیے گئے تھے۔ اگر کوئی بھی اعتراض کرنے کی کوشش کرتا تو اسے ایسی سختی اور مار پیٹ کا سامنا کرنا پڑتا جو کسی انسان کے تصور سے بھی باہر ہو۔

عدالت کے دن جیل کے داروغہ محمود اور دیگر قیدیوں کو بتاتے کہ انہیں عدالت جانے کے لیے تیار ہونا ہے، چند منٹوں میں انہیں کوٹھریوں سے نکالا جاتا، ان کی مکمل تلاشی لی جاتی، ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائی جاتیں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جاتیں۔ پھر انہیں گھسیٹ کر جیل کی عمارت کے دوسرے کونے میں واقع فوجی عدالت میں لے جایا جاتا، وہاں انہیں انتظار گاہ میں بٹھایا جاتا اور ایک ایک کر کے عدالت کے کمرے میں لایا جاتا، جہاں انہیں قیدیوں کے پنجروں میں بند کر دیا جاتا اور فوجی ان کی نگرانی کرتے۔ عدالت کے کمرے کے وسط میں ایک بڑی میز ہوتی جس کے پیچھے تین کرسیاں ہوتیں اور ان کے پیچھے اسرائیل کا جھنڈا ہوتا۔ جب جج، جو فوجی افسران ہوتے تھے، کمرے میں داخل ہوتے تو ایک فوجی زور سے حکم دیتا، ”کھڑے ہو جاؤ!“ جس پر کمرے میں موجود ہر شخص کو کھڑا ہونا ہوتا، یہاں تک کہ وہ اہل خانہ بھی جو کمرے کے دوسرے کونے میں بیٹھے ہوتے اور ان پر فوجیوں کی بندوقیں تنی ہوتیں، عدالت کی کاروائی شروع ہوتی اور وکیل کا کردار نہ ہونے کے برابر ہوتا۔

محمود درجنوں فوجیوں میں سے اپنی ماں، ماموں اور بھائی حسن کی طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جو دوسرے لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ وہ اپنے چہرے پر اطمینان کی مسکراہٹ لانے کی کوشش کر رہا تھا، جس کا جواب ماں ایک ہلکی اور پریشان مسکراہٹ سے دیتی تھیں، جو اس کی فکر اور مستقبل کے بارے میں خوف کو چھپانے میں ناکام رہتی تھی۔ عدالت کی کاروائی بار بار بغیر کسی نتیجے کے جاری رہتی تھی، اور ہر مرتبہ قیدیوں کو دوبارہ جیل واپس لے جایا جاتا تھا جہاں ان کے ساتھی ان سے پوچھتے کہ کیا ہوا، تسلی دیتے اور اگر کسی کو سزا مل جاتی تو اسے حوصلہ دیتے کہ آزادی قریب ہے اور قید مردوں کو متاثر نہیں کرتی، یہ قومی وابستگی کی قیمت ہے۔

جیل کے حالات ناقابل برداشت حد تک سخت تھے، اور جیلر کا کسی بھی اعتراض پر ردعمل ہر تصور سے زیادہ سخت تھا۔ اکثر ایک قیدی کا سر اس لیے توڑ دیا جاتا تھا کیونکہ اس نے کھانے کے بارے میں سوال کیا تھا کہ کیا یہ انسانوں کے کھانے کے لائق ہے؟ اور کیا یہ بیس لوگوں کے لیے کافی ہے؟ اکثر کسی کی ہڈیاں اس لیے توڑ دی جاتی تھیں، کیونکہ اس نے دوسرے کمروں کے دروازے کی طرف دیکھا تھا جب وہ قطار میں میدان کی طرف جا رہا تھا۔ اکثر ان کی آنکھوں پر نیل پڑ جاتے تھے کیونکہ تین یا چار دوسرے قیدی اپنے کمرے کے کونے میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا تاکہ جیلر کا ان کے ساتھ یہ برتاؤ کو ختم کر سکیں۔ محمود کے ساتھ تین یا چار قیدی اس مسئلے پر بات چیت کر رہے تھے اور ہر کوئی اپنی جگہ بیٹھا تھا تاکہ جیلر کو شک نہ ہو۔ اس برتاؤ کو ختم کرنے کا طریقہ تلاش کر رہے تھے، ان سب پر یہ واضح تھا کہ تشدد اور طاقت کا استعمال ان کے حق میں نہیں ہو گا، کیونکہ ان کے پاس صرف اپنے ہاتھ تھے جبکہ جیلر کے پاس لاٹھیاں، ڈھالیں، ہیلمیٹ اور آنسو گیس تھی، اور مکمل بربریت اور بے حسی تھی۔ تو کیا کرنا چاہیے؟ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس برتاؤ کو تبدیل کرنے کا واحد طریقہ کھانے سے مکمل انکار کرنا ہے، کیونکہ بھوک ہڑتال کے ذریعے آپ تکلیف اور بھوک کا سامنا کرتے ہیں، اور موت کا انتظار کرتے ہیں تاکہ جیلر کی سختی اور ظلم کو شکست دے کر اسے ہمارے ساتھ برتاؤ کے طریقے کو تبدیل کرنے پر مجبور کریں۔

سب کی رائے لی گئی اور اتفاق رائے کر لیا گیا۔ اسیر کارکن سے جو کھانا تقسیم کرنے کے لیے باہر جاتا تھا، کہا گیا کہ جیلر سے ایک قلم چوری کرے اور کچھ کاغذوں کا انتظام کرے، کئی کوششوں کے بعد وہ اس میں کامیاب ہو گیا، اس نے قلم اور کاغذ کئی دنوں تک چھپائے رکھے اور کمرے کے ایک کونے میں رکھا جہاں جیلر انہیں آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کمرے میں خطوط لکھنے کا آغاز ہوا جو دوسرے حصوں میں بھیجے جائیں گے تاکہ اجتماعی طور پر ہڑتال کی جا سکے، اور یہ سب ایک ہی وقت میں شروع ہو۔

یوم ملاقات کو کچھ قیدیوں نے خطوط اٹھائے اور انہیں تفتیشی عمل سے گزارا، خطوط کو پلاسٹک میں لپیٹا گیا تھا اور انہیں منہ میں چھپانا آسان تھا، انتظار کے کمرے میں خطوط کو دوسرے سیکشن کے نوجوانوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر ایک نے خط اپنے منہ میں چھپایا اور وہ انہیں بہت احتیاط سے آپس میں بانٹتے رہے۔ اگر کسی نے دیکھا کہ ایک محافظ راہداری میں حرکت کر رہا ہے اور قریب آ رہا ہے، تو وہ کھنکھار لیتا یا زمین پر اپنے پیر مارتا، اور خط چھپا لیا جاتا۔ جب کمرہ خالی ہو جاتا تو خط کو دوبارہ لپیٹ لیا جاتا اور اگلی کھانے کی قسط کا انتظار کیا جاتا، پھر وہ انہیں خط دیتا اور وہ اسے پڑھنے اور بانٹنے لگتے، اس طرح دو ہفتوں کے اندر تمام قیدیوں کو اطلاع مل گئی اور انہوں نے ہڑتال کی تیاری کر لی۔

اتوار کی صبح گنتی اور کھانا آنے کے بعد، محافظوں نے معمول کے مطابق قیدیوں کو کھانا تقسیم کرنے کے لیے باہر نکالا، اس نے کھانا اٹھایا اور پہلے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: ”کھانا“ نوجوانوں نے جواب دیا ”ہم نہیں چاہتے، ہم ہڑتال پر ہیں!“ محافظ حیران ہوا اور اپنے ساتھی کو بلایا تاکہ اعلیٰ حکام کو اطلاع دے سکے۔ پھر قیدی نوجوان کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ ”کھانا“ قیدیوں نے جواب دیا ”ہم نہیں چاہتے، ہم ہڑتال پر ہیں!“ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور باقی کمروں میں بھی یہی ہوا، اور اسی طرح دوسرے سیکشنز میں بھی۔

محافظوں کا دماغ خراب ہو گیا اور جیلر اور اس کے افسران بڑی تعداد میں محافظوں کے ساتھ لاٹھیاں، ڈھالیں اور گیس لے کر سیکشنز کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔ جیلر نے محافظ پر چیخ کر کہا ”دروازہ کھولو“، محافظ نے پہلا دروازہ کھولا، ڈائریکٹر نے چیخ کر کہا: ”کھانا لے آؤ“ قیدی کھانا لایا اور جیلر نے قیدیوں سے ایک ایک کر کے پوچھنا شروع کیا: ”کیا تم کھانا چاہتے ہو؟“ جواب ملا: ”نہیں“ دوسرے سے پوچھا، جواب ملا: ”نہیں“، تیسرے اور چوتھے سے بھی یہی سوال کیا اور مختلف کمروں میں گھوما، مگر کوئی بھی کھانا لینے یا کھانے کے لیے تیار نہیں تھا وہ صرف پانی پیتے اور چند نمک کے دانے لیتے، دوپہر کا کھانا آیا، لیکن کسی نے نہیں لیا۔ رات کا کھانا آیا، لیکن کسی نے نہیں لیا۔ ایک دن، دوسرا دن، تیسرا دن گزر گیا، ایک ہفتہ اور دو ہفتے گزر گئے، قیدی کمزور ہونے لگے، ان کے جسم ڈھلنے لگے اور آنکھیں اندر دھنسنے لگیں۔ ہر روز یا کچھ دنوں بعد جیلر یا اس کے کسی افسر نے آکر کوشش کی کہ کوئی ٹوٹ گیا ہو یا ہار مان گیا ہو اور کھانا کھانے کے لیے تیار ہو، مگر ایسی کوئی صورت حال نہ ہوئی، واضح ہو گیا کہ قیدی مقابلہ کرنے اور آگے بڑھنے پر مصر ہیں، یہ معاملہ یقیناً اعلیٰ حکام تک پہنچا دیا گیا۔ جیلر نے آکر قیدیوں سے مطالبات پوچھے تو سب کا ایک ہی جواب تھا: میں بات کرنے کا مجاز نہیں ہوں، کمیٹی سے بات کریں، محمود صالح، حسن ثبات اور عبدالعزیز شاہو۔ جیلر چیخا: یہاں کوئی کمیٹیاں نہیں ہیں، ہم کسی کمیٹیوں کو نہیں مانتے، تم سب تخریب کار اور مجرم ہو۔

ایک تیسرا ہفتہ گزر گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ بھوک ہڑتال نے اثر کرنا شروع کر دیا ہے، یہ واضح ہو گیا ہے کہ قیدیوں کی زندگیوں کو حقیقی خطرہ لاحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے عالمی میڈیا اور بین الاقوامی مجالس میں اسرائیل پر شدید دباؤ پڑے گا، یہ مناسب نہیں ہے کہ یہ قیدی بھوک سے مر جائیں، فلسطینیوں کی ایسی بہادری اور عظمت کی تصویر سامنے آنا بھی مناسب نہیں ہے۔ مذاکرات کا آغاز ہوا اور کمیٹی کو جیلر کے دفتر میں بلایا گیا، میز پر لذیذ کھانے کی پلیٹیں رکھی گئیں اور جیل انتظامیہ کی ٹیم جیلر کی قیادت میں بیٹھی، اور ان کے سامنے تینوں قیدی بیٹھے تھے، ان میں سے کوئی بھی اپنی کرسی پر ٹھیک سے بیٹھ نہیں پا رہا تھا لیکن پھر بھی وہ ہمت کر رہے تھے اور اپنی جسمانی طاقت کی آخری رمق کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جیلر نے انہیں کھانا کھانے کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے ادب اور نرمی سے انکار کر دیا وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہڑتال پر ہیں اور اگر مطالبات پورے ہو جائیں تو وہ سب سے آخر میں کھانا کھائیں گے۔

مطالبات کیا ہیں؟ جسمانی تشدد اور مار پیٹ کی پالیسی کا خاتمہ، کمروں میں آزادانہ بیٹھنے کی اجازت، دن میں سونے کی اجازت، فوارہ میں آزادانہ چلنے، بیٹھنے یا جمع ہونے کی آزادی، ہمیں نیند کے لیے مناسب گدے فراہم کیے جائیں، کھانے کی مقدار بڑھائی جائے، صفائی کے سامان کی مقدار دوگنی کی جائے، اور غسل خانے کا وقت بڑھا کر ہفتے میں دو بار کیا جائے، دفاتر، قلم اور کتابوں کی اجازت دی جائے اور دیگر مطالبات، مطالبات کو نوٹ کیا گیا اور ان پر بعد میں جواب دینے کا وعدہ کیا گیا۔ تینوں قیدیوں نے بمشکل خود کو اٹھایا اور انہیں محافظوں نے ساتھ لیا جن کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے کہ انہوں نے ان مردوں کے عزم اور ارادے کو روز بروز بڑھتے ہوئے دیکھا۔ دو دن بعد کمیٹی کو دوبارہ بلایا گیا اور جیلر نے ان مطالبات پر اپنا مؤقف بتایا، کچھ مطالبات کو منظور کر لیا گیا اور کچھ کو مسترد کر دیا گیا۔ کمیٹی کے اراکین نے جاتے ہوئے اعلان کیا: ”یہ کافی نہیں ہے اور ہڑتال جاری رہے گی“، انہیں بٹھا کر مزید مطالبات پر بات چیت کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن جواب ملا: ”ہمیں اپنے تمام مطالبات کی مکمل منظوری چاہیے۔“ اگلے دن کمیٹی کو دوبارہ بلایا گیا اور ان مطالبات پر جواب دیا گیا جن میں سے زیادہ تر کو منظور کر لیا گیا تھا، کمیٹی نے ہڑتال ختم کرنے پر اصولی طور پر رضامندی ظاہر کی، لیکن انہوں نے قیدیوں کے سیکشن میں جا کر انہیں نتائج سے آگاہ کرنے اور ان کی رائے سننے کی اجازت مانگی، اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا تو کمیٹی نے ہڑتال جاری رکھنے کا اعلان کیا اور باہر نکل گئی۔ چند گھنٹوں بعد انہیں دوبارہ بلایا گیا اور انہیں ایک افسر کی معیت میں سیکشن میں جانے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے سیکشن کا دورہ شروع کیا، ایک کے بعد ایک کمرے میں داخل ہوئے، قیدیوں سے ملے، انہیں ہونے والے واقعات سے آگاہ کیا اور ہڑتال ختم کرنے پر ان کی رضامندی حاصل کی، یہاں تک کہ انہوں نے پورے جیل کا دورہ مکمل کر لیا۔

جب افسران نے اس بات کی تصدیق کر لی کہ ہڑتال ختم ہو گئی ہے اور قیدی کھانا قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، تو لازمی تھا کہ پہلے تین دنوں میں صرف مائع غذا تک ہی محدود رہیں۔ اس کے بعد غذا کو جامد اور سخت کھانوں میں تبدیل کیا جائے گا کیونکہ معدہ اور آنتیں جو کئی ہفتوں سے کام نہیں کر رہی تھیں، وہ عام کھانے کے لیے تیار نہیں تھیں، اور انہیں بتدریج فعال کیا جانا ضروری تھا جیسا کہ قید میں موجود ایک ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا۔

پہلی غذا کھانے کے بعد، تمام قیدی ہر کمرے میں ایک اجتماعی نشست میں بیٹھ گئے، کمرہ (۷) بلاک (ب) میں ایک حلقے کی شکل میں بیٹھے، محمود نے اس نشست میں اس فتح کے بارے میں بات چیت کی جو حاصل ہوئی تھی اور کہا کہ اگر مردوں کا عزم اور موت کے لیے تیاری ہو تو کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، اور فتح ضرور ان کا مقدر ہو گی۔ اس نے فلسطینی انقلاب کے بارے میں بات کی جو صرف مردوں کے عزم اور تیاری سے شروع ہوا تھا اور اعلان کیا کہ فتح تحریک کا ایک نعرہ ہے کہ ”زمین کو صرف اس کے مرد آزاد کرا سکتے ہیں“ بالکل جیسے ہمارے اجداد نے کہا تھا کہ ”زمین کو صرف اس کے بیل جوت سکتے ہیں۔“ اگلے دن، قیدی صحن میں باہر نکلے جبکہ پہرے دار ڈنڈوں کے ساتھ موجود نہیں تھے۔ اور ہر ایک نے بغیر کسی مداخلت کے جو چاہا کیا، چلا یا بیٹھا، ایک پہرے دار قریب کی چھت پر کھڑا ہو کر بغیر کسی مداخلت کے صورتحال کو دیکھ رہا تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 68 پر)

غزہ کا محاصرہ توڑنے کے لیے ملائیشیا سے ”ہزار بحری جہازوں کے بیڑا“ کا اعلان

ملائیشیا کی سول سوسائٹی تنظیموں نے غزہ کے مظلوم عوام کی امداد اور قابض اسرائیل کے مسلط کردہ ظالمانہ محاصرے کو توڑنے کیلئے ایک غیر معمولی اور تاریخ ساز عالمی اقدام کا اعلان کر دیا ہے، جسے ”ہزار جہازوں کا بیڑا“ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بیڑا دنیا بھر سے، مختلف براعظموں سے، ہزار سے زائد کشتیوں کے ذریعے قابض ریاست کے ظلم کے خلاف ایک بیدار انسانی ضمیر کی صدا ہوگا۔ یہ اعلان ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں منعقدہ ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں کیا گیا جہاں اسلامی تنظیموں کے رابطہ بورڈ MAPIM کے صدر عزمی عبد الحمید نے بتایا کہ یہ عظیم الشان مہم دراصل غزہ کے عوام پر قابض اسرائیل کی جانب سے ڈھائے جانے والے نسل کشی جیسے جرائم کے ردعمل میں شروع کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس مہم کو یورپ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کی کئی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی حمایت حاصل ہے۔ عزمی عبد الحمید نے کہا کہ حال ہی میں قابض اسرائیلی افواج کی جانب سے ”میڈلین“ نامی امدادی کشتی کو روکے جانے کے واقعے نے دنیا بھر میں ایک بار پھر غزہ میں جاری انسانی المیے کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ اسی سانحے نے بین الاقوامی برادری کو جھنجھوڑا اور عالمی سطح پر فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کی ایک نئی لہر کو جنم دیا۔

اسرائیل کی جانب سے روبڈوزر کا استعمال

اسرائیلی فوج نے برسوں سے کیٹر پلر ڈی ۹ کا استعمال فلسطینی آبادیوں کو مسمار کرنے، ملبہ ہٹانے، فوجیوں کو آگے بڑھانے کے لیے، سڑکوں کو کلیئر کرنے اور زمین کو ہموار کرنے جیسے فرنٹ لائن کاموں کو انجام دینے کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد سے غزہ میں جنگ شروع ہونے کے بعد، اسرائیلی فوج نے اپنی فیلڈ آپریشنز کو بڑھانے اور اپنے فوجیوں کو لاحق خطرات کو کم کرنے کے لیے کیٹر پلر ڈی ۹ کے روبوٹک ورژن کو تیزی سے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ جسے سرکاری ملکیتی کمپنی اسرائیل ایروسپیس انڈسٹریز کی ٹیم نے تیار کیا ہے۔ اس حوالے سے فرانس ۲۴ کی خبر میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی مشینری اور دیگر نظام فی الحال انسان چلا رہے ہیں، مستقبل کے ورژن خود مختار ہو سکتے ہیں۔ یعنی آرٹیفیشل انٹیلی جنس کی بنیاد پر مشینری اپنے کام کے طریقۂ کار کا فیصلہ خود کرے گی۔

ملائیشیائی کارکنوں نے کوالالمپور میں ملائیشین انویسٹمنٹ بورڈ کے دفتر کے سامنے ایک پُرامن مگر پراثر احتجاجی مظاہرہ بھی کیا، جس میں انہوں نے امریکہ کی بدنام زمانہ کمپنی ”کیٹر پلر“ سمیت ان تمام کمپنیوں سے تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ کیا، جو قابض اسرائیل کی درندگی کی معاون ہیں۔

کیٹر پلر پر الزام ہے کہ اس کی مہیا کردہ بھاری مشینری فلسطینی گھروں کو مسمار کرنے اور غیر قانونی یہودی بستیوں کی تعمیر میں استعمال کی جاتی ہے۔ مظاہرین نے ان کمپنیوں کے ساتھ جاری تعلقات کو صریحاً نسل کشی میں شراکت داری قرار دیا۔ آرمی انجینئرز اور فوجی ماہرین کا کہنا ہے کہ روبڈوزر، کیٹر پلر کے D9 بلڈوزر کا روبوٹک ورژن، خودکار جنگ کا مستقبل ہے۔

شپنگ جائنٹ مرسک (Maersk) کمپنی نے اسرائیلی بستیوں میں کام کرنے والی کمپنیوں کے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے

شپنگ انڈسٹری کی بڑی کمپنی مرسک مقبوضہ مغربی کنارے میں غیر قانونی اسرائیلی بستیوں سے منسلک کمپنیوں سے دستبردار ہو رہی ہے۔ فلسطین کے حامی کارکنوں کے کئی مہینوں کے مسلسل دباؤ کے بعد، جنہوں نے شپنگ اینڈ لاجسٹکس کمپنی سے فلسطین پر اسرائیل کے قبضے سے فائدہ اٹھانے والی کمپنیوں سے تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اپنے بیان میں، مرسک نے کہا کہ مقبوضہ مغربی کنارے میں اپنی کارروائیوں کا جائزہ لینے کے بعد، اس نے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق (OHCHR) کی ہدایات پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جو ان بستیوں میں کام کرنے والی کمپنیوں کے ناموں کا نقشہ تیار کرتا ہے جہاں پانچ لاکھ اسرائیلی بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رہتے ہیں۔ مرسک کے اسرائیل کے ساتھ کام بند کرنے کے مطالبے کی حمایت کرنے والے کارکنوں نے اس پیش رفت کا خیر مقدم کیا ہے۔ تاہم، ان کا کہنا ہے کہ کمپنی کو اب اسرائیل کے لیے فوجی ساز و سامان کی نقل و حمل کو روکنے کی ضرورت ہے، جس میں اس کے F-35 لڑاکا طیاروں کے ضروری پارٹس بھی شامل ہیں، جو غزہ کو ملیامیٹ کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ فلسطین کے حق میں مظاہرے کرنے والے کارکنوں کا دعویٰ ہے کہ مرسک نے خاص طور پر گزشتہ ۲۰ ماہ کے دوران اسرائیلی فوج کو سروس فراہم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ فلسطینی نوجوانوں کی تحریک (PYM) سے منسلک عائشہ نزار نے ایک بیان میں کہا، مرسک ہمارے لوگوں کی نسل کشی سے فائدہ اٹھا رہا ہے، فلسطینیوں پر بمباری اور قتل عام کے لیے استعمال ہونے والے F-35 پارٹس کو باقاعدگی سے شپ کرتا ہے۔ ہم اس وقت تک دباؤ اور عوامی طاقت کو متحرک کرنا جاری رکھیں گے جب تک مرسک اسرائیل کو ہتھیاروں اور ہتھیاروں کے اجزاء کی نقل و حمل کو ختم نہیں کرتا۔ نزار نے مزید کہا کہ غیر قانونی بستیوں میں کمپنیوں کے ساتھ کام بند کرنے کے مرسک کے فیصلے نے عالمی جہاز رانی کی صنعت کو واضح

پیغام دیا کہ بین الاقوامی قانون اور بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری اختیاری نہیں ہے۔ اسرائیل کی غیر قانونی بستیوں کے ساتھ کاروبار کرنا اب قابل عمل نہیں ہے، اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ آگے کون آتا ہے۔ پچھلے ایک سال کے دوران، مرسک کو دنیا کے دیگر حصوں سے اسرائیل کو فوجی پرزہ جات کی منتقلی جاری رکھنے پر ڈنمارک میں انسانی حقوق کے گروپوں کی طرف سے سخت تنقید کا سامنا ہے، جہاں اس کا صدر دفتر ہے۔ فروری میں، تقریباً ہزار کارکنوں نے کوپن ہیگن میں اس کے صدر دفتر میں احتجاج کیا۔ نیویارک اور مراکش میں بھی مظاہرے ہوئے ہیں۔ مارچ میں، مرسک کو بائیکاٹ ڈیویسٹمنٹ اینڈ سینکشن (BDS) کی سرکاری فہرست میں بھی شامل کیا گیا۔

صومالیہ میں مصری فوج کی تعیناتی پر ایتھوپیا کی برہمی

ایتھوپیا کے آرمی چیف کی جانب سے خبردار کیا گیا ہے کہ پڑوسی ملک صومالیہ میں مصری فوجیوں کی تعیناتی ایتھوپیا کی قومی سلامتی کے لیے بڑھتے ہوئے خطرے اور علاقائی کشیدگی میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔ ایتھوپیا کی پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے، فیلڈ مارشل برہانو جولا نے کہا کہ صومالیہ میں غیر ملکی افواج کی موجودگی ایتھوپیا کی خودمختاری اور علاقائی استحکام کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ تعاون کی آڑ میں صومالیہ میں غیر ملکی فوجی تعیناتیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اگست ۲۰۲۴ء میں مصر اور صومالیہ کے درمیان ایک متنازع فوجی معاہدے کے تحت دس ہزار مصری فوجیوں کو صومالیہ میں تعینات کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ توقع ہے کہ مصری دستوں کا کچھ حصہ صومالیہ میں افریقی یونین ٹرانزیشن مشن (ATMIS) کے تحت کام کرے گا، جبکہ بقیہ براہ راست مصری کمانڈ کے تحت ہو گا۔ اس معاہدے میں صومالیہ کو ہتھیاروں کی منتقلی کی دفعات بھی شامل ہیں۔ ایتھوپیا اسے مصر کی طرف سے ایک اسٹریٹجک گھیرے کے طور پر دیکھتا ہے، خاص طور پر جب کہ دونوں ممالک دریائے نیل پر گرینڈ ایتھوپیا رینیسانس ڈیم (GERD) پر اختلافات کا شکار ہیں۔ جہاں ایتھوپیا ڈیم کو اپنی ترقی کی بنیاد کے طور پر دیکھتا ہے جبکہ مصر کو خدشہ ہے کہ اس سے اس کی پانی کی فراہمی کو خطرہ ہو گا۔ برہانو نے کہا کہ بدلتا ہوا سیکیورٹی منظر نامہ ایتھوپیا کو صومالیہ میں اپنی فوجی اور اسٹریٹجک پوزیشن کا دوبارہ جائزہ لینے پر مجبور کر رہا ہے، جہاں ایتھوپیا کی افواج طویل عرصے سے ملک کو مستحکم کرنے اور القاعدہ سے منسلک الشباب گروپ کا مقابلہ کرنے کی کوششوں کے حصے کے طور پر کام کر رہی ہیں۔

واضح رہے کہ مصر-صومالیہ معاہدہ اس سال کے شروع میں ایتھوپیا اور صومالی لینڈ کے درمیان ایک علیحدہ معاہدے کے نتیجے میں سامنے آیا ہے، جس میں ایتھوپیا کو بحیرہ احمر تک رسائی کی اجازت دی گئی ہے، یہ ایک ایسا اقدام تھا جس نے صومالیہ کی وفاقی حکومت کو ناراض کیا اور علاقائی سفارتی تناؤ کو جنم دیا۔ کشیدگی کو کم کرنے کے مقصد سے ترکی کی ثالثی میں ہونے والی بات چیت کے باوجود، ایتھوپیا حکومت صومالی لینڈ کے معاہدے سے باضابطہ طور پر پیچھے نہیں ہٹی ہے۔

اردن نے غزہ کے لیے فی امدادی ایئرڈراپ ۴۰ ہزار ڈالر تک کا نفع کمایا انڈونیشیا اور روس کے درمیان اسٹریٹجک شراکت داری پر دستخط

انڈونیشیا کے صدر پرابوو سوبیانتو نے سینٹ پیٹرزبرگ میں روسی صدر ولادیمیر پوٹن کے ساتھ بات چیت کے بعد روس کے ساتھ اسٹریٹجک پارٹنرشپ کے معاہدے پر دستخط کیے۔ یہ معاہدہ ایسے وقت ہوا ہے جب انڈونیشیا روس کی حمایت سے برکس گروپ میں ایک مکمل رکن کے طور پر داخل ہو چکا ہے۔ برکس گروپ کا قیام مغرب کی قیادت والے جی سیون جیسے فورمز کا مقابلہ کرنے کے مقصد سے کیا گیا تھا۔ اور اس نے پوٹن کو یوکرین پر حملے کے بعد بین الاقوامی سفارتی تنہائی سے باہر نکلنے کا راستہ فراہم کیا ہے۔ روس نے انڈونیشیا کے ساتھ فوجی، سکیورٹی، تجارتی اور جوہری تعلقات کو گہرا کرنے کی بھی تجویز پیش کی ہے۔ خود مختار مالیاتی ادارے داننتارا انڈونیشیا اور روسی ڈائریکٹ انوسٹمنٹ فنڈ نے ۲ء۲۹ بلین ڈالر مالیت کا سرمایہ کاری فنڈ بنانے پر اتفاق کیا۔ انڈونیشیا کے صدر ایک نیوٹرل خارجہ پالیسی پر قائم ہیں۔ وہ روس اور امریکہ سمیت کسی بھی ملک کے ساتھ قریبی تعلقات رکھنے کے عزم کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی اصرار ہے کہ انڈونیشیا کسی فوجی بلاک میں شامل نہیں ہو گا، حالانکہ اس نے گزشتہ نومبر میں بحیرہ جاوا میں روس کے ساتھ مشترکہ بحری مشقیں کی تھیں۔ جکارتہ کے روس کے ساتھ قریبی تعلقات نے انڈونیشیا کے مغربی اتحادیوں میں تشویش پیدا کر دی ہے۔ پرابوو سوبیانتو نے اس ہفتے کینیڈا میں ہونے والی جی ۷ سربراہی کانفرنس میں اپنی شرکت کو روس میں پوٹن سے ملاقات کے سبب چھوڑ دیا۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ میں یہ بھی دعوی کیا گیا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ مسلم آبادی والا ملک یعنی انڈونیشیا ۲۰۲۷ء تک معاشی میدان میں روس سے آگے نکل جائے گا۔ انڈونیشیا اپنے سیاحتی مقام بالی کی وجہ سے کافی مشہور ہے لیکن اب اس کی وجہ شہرت یہاں دنیا کے سب سے بڑے نِکل (ایک قسم کی سفید دھات) کے ذخائر بھی ہیں۔ نِکل نامی دھات الیکٹرک گاڑیوں کی بیٹریوں کا ایک اہم جزو ہے۔ جب صدر ویدودو نے پہلی بار ۲۰۱۹ء میں خام نکل کی برآمد پر پابندی لگائی تھی تو یورپی یونین نے عالمی تجارتی ادارے (ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن) میں انڈونیشا کے خلاف مقدمہ کر دیا تھا۔ صدر ویدودو نے اُس وقت کہا تھا کہ وہ انڈونیشیا میں اس دھات کی پروسیسنگ کی قابلیت کو بہتر کرنا چاہتے ہیں، جسے ’ڈاؤن سٹریمنگ‘ کہا جاتا ہے۔ خام نکل کو پگھلانے کے لیے انڈونیشیا چین پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے۔

نائیجر کا فرانسیسی فرم کے ذریعہ چلائی جانے والی یورینیم کان کو نیشنلائز کرنے کا اعلان

نائیجر نے فرانس کی نیوکلیئر فرم اورانو کی طرف سے چلائی جانے والی یورینیم کی کان کو نیشنلائز کرنے کا منصوبہ بنایا ہے کیونکہ نائجر سابق نوآبادیاتی حکمران فرانس سے بتدریج دوری اختیار کر رہا ہے۔ کمپنی، جس کا ۹۰ فیصد حصہ فرانسیسی ریاست کی ملکیت ہے، نے جمعہ کو کہا کہ نائجر کے فوجی حکمرانوں کی جانب سے سومیر کان کو قومیانے کا منصوبہ ’کان کنی کے اثاثوں کو چھیننے کی ایک

منظم پالیسی' کا حصہ ہے، جس پر قانونی کارروائی کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ فوجی حکومت جو ۲۰۲۳ء کی بغاوت میں اقتدار میں آئی تھی، کان کنی کی مراعات پر نظر ثانی کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکی تھی۔ حکومت کی جانب سے بیان میں کہا گیا کہ وہ سومیر کان کا کنٹرول سنبھالنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ حکومت نے اورانو پر الزام لگایا کہ وہ اس جگہ پر تیار کردہ یورینیم کا غیر متناسب حصہ حاصل کر رہی ہے۔ اورانو کے پاس سومیر میں ۶۳ فیصد حصص ہے، جبکہ نائجر کی سرکاری ملکیت سوپامین کے پاس باقی حصہ ہے، لیکن حکومت نے کہا کہ اورانو نے ۱۹۷۱ء اور ۲۰۲۴ء میں پیداوار کا ۸۶ء۳ فیصد لیا تھا۔ نائیجر کے فوجی رہنما اقتدار سنبھالنے کے بعد سے فرانس سے دوری اختیار کرتے ہوئے روس کے ساتھ قریبی تعلقات اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

۲۰۲۴ء میں، نائیجر نے ملک میں اپنی تین اہم کانوں پر سے اورانو کے آپریشنل کنٹرول کو ہٹا دیا: سومیر، کومناک اور امورین، جو دنیا میں یورینیم کے سب سے بڑے ذخائر میں سے ایک ہے۔ اورانو نے کہا کہ اس کا ارادہ ہے کہ "اپنے تمام نقصانات کے لیے معاوضے کا دعویٰ کرے اور Somair کی آج تک کی پیداوار کے مطابق اسٹاک پر اپنے حقوق کا دعویٰ کرے"۔ اورانو، جو نائیجر میں ۵۰ سالوں سے کام کر رہی ہے، پچھلے مہینے، اس نے اپنے ڈائریکٹر کے لاپتہ ہونے اور اس کے مقامی دفاتر پر چھاپے کے بعد نائجیرین حکام کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔

بھارت روہنگیا شہریوں کی غیر قانونی ملک بدری بند کرے، ایمنیسٹی انٹرنیشنل

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پناہ گزینوں کے عالمی دن سے پہلے جاری بیان میں کہا ہے کہ ہندوستانی حکومت کو فوری طور پر روہنگیا مردوں، عورتوں اور بچوں کی ملک بدری کو روکنا چاہیے، انہیں پناہ گزینوں کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ عزت کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے اور نہیں تحفظ فراہم کرنا چاہیے جس کے وہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کے تحت مستحق ہیں۔

صرف پچھلے مہینے میں، بھارتی حکام نے مبینہ طور پر کم از کم ۴۰ روہنگیا پناہ گزینوں کو ملک بدر کیا، جن میں بچے اور بوڑھے لوگ بھی شامل تھے۔ انہیں بحری جہاز سے زبردستی اتار کر اور انہیں لائف جیکٹس دے کر میانمار کے قریب بین الاقوامی پانیوں میں چھوڑ دیا گیا۔ ایک الگ واقعے میں حکام نے ۱۰۰ سے زیادہ روہنگیا پناہ گزینوں کو سرحد پار بنگلہ دیش جانے پر مجبور کیا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل سے بات کرنے والے ان کے رشتہ داروں کے مطابق، ۸ مئی کو، ہندوستانی حکام نے دہلی میں رہنے والے کم از کم ۴۰ روہنگیا پناہ گزینوں کو حراست میں لیا، جن میں سے اکثر کے پاس اقوام متحدہ کی پناہ گزین ایجنسی (UNHCR) کی طرف سے جاری کردہ شناختی دستاویزات تھے۔ اس کے بعد پناہ گزینوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی، انہیں دور انڈمان اور نکوبار جزائر پر لے جایا گیا، اور انہیں ہندوستانی بحریہ کے جہاز میں منتقل کر دیا گیا۔ بحیرہ انڈمان میں، پناہ گزینوں کو مبینہ طور پر لائف جیکٹس دی گئیں اور زبردستی پانی میں ڈال دیا گیا، جس سے ان کے پاس میانمار کے علاقے میں واقع ایک جزیرے پر تیرنے کی کوشش کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل سے بات کرتے ہوئے روہنگیا پناہ گزینوں میں سے ایک کے رشتہ دار نے کہا: "ایک بار جب وہ ساحل پر پہنچے تو انہوں نے ایک ماہی گیر کا فون استعمال کر کے ہمیں فون کیا، اس کے بعد ہمیں ان کا کچھ علم نہیں۔ ہم ان کی حفاظت کے بارے میں بہت پریشان ہیں"۔ اگرچہ خیال کیا جاتا ہے کہ پناہ گزین بحفاظت ساحل پر پہنچ گئے ہیں، لیکن ان کی موجودہ جگہ اور حالت ابھی تک نامعلوم ہے۔

کچھ دنوں بعد، آسام کے ماتیا ٹرانزٹ ڈیٹینشن سینٹر میں زیر حراست ۱۰۰ سے زیادہ روہنگیا پناہ گزینوں کو، جو کہ بھارت میں اس طرح کی سب سے بڑی جگہ ہے، کو بس کے ذریعے لے جایا گیا اور پھر مشرقی سرحد کے پار بنگلہ دیش میں زبردستی بھیج دیا گیا، مبینہ طور پر کسی بھی رسمی قانونی عمل تک رسائی حاصل کیے بغیر۔ ۱۷ مئی کو، دو روہنگیا پناہ گزینوں نے ایک پٹیشن دائر کی جس میں ہندوستان کی سپریم کورٹ پر زور دیا گیا کہ وہ مداخلت کرے اور مزید ملک بدری کو فوری طور پر روکے۔ تاہم، سپریم کورٹ نے اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ حیران کن طور پر جج نے حالیہ پاک بھارت تنازع کے دوران دائر کی گئی درخواست کے وقت پر تنقید کی۔

بھارت میں مقیم ایک روہنگیا پناہ گزین نے انتقامی کارروائی کے خوف کی وجہ سے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ایمنسٹی انٹرنیشنل سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "ہم ملک بدر کیے جانے کے مسلسل خوف میں جی رہے ہیں، اگرچہ ہمارے پاس UNHCR کے پناہ گزین کارڈ ہیں، بھارتی حکومت ہمارے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کرتی ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں، میرے بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں کو بھارتی حکومت کی طرف سے بغیر کسی وارننگ کے کیسے لے جایا گیا؟" ۸ مئی کو، روہنگیا پناہ گزینوں کے حالات زندگی اور ملک بدری سے متعلق ایک کیس میں، ہندوستانی حکومت نے سپریم کورٹ کو بتایا کہ وہ نہ تو UNHCR کے جاری کردہ پناہ گزین کارڈوں کو تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی روہنگیا کو پناہ گزینوں کے طور پر، کیونکہ ہندوستان ۱۹۵۱ء کے اقوام متحدہ کے پناہ گزین کنونشن کا دستخط کنندہ نہیں ہے اور اس لیے پناہ گزینوں کے تحفظ میں کوئی توسیع نہیں کرتا۔ بھارتی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ ملک میں رہنے کا آئینی حق صرف بھارتی شہریوں کو ہے، اس لیے روہنگیا پناہ گزینوں کی صورت حال غیر ملکی قانون کے دائرے میں آتی ہے جو جبری ملک بدری کی اجازت دیتا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا ماننا ہے کہ اقوام متحدہ کے پناہ گزین کنونشن کی بھارت کی عدم توثیق لوگوں کو خطرے، ظلم و ستم اور بے وطنی کے حالات پر مجبور کرنے کا بہانہ نہیں ہو سکتا۔ روایتی بین الاقوامی قانون میں 'نان ریفولمنٹ' کے اصول کے تحت ہندوستان کو اب بھی ضرورت ہے کہ وہ لوگوں کو ایسی جگہوں پر واپس بھیجنے سے باز رہے جہاں انہیں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں اور زیادتیوں کا نشانہ بننے کا حقیقی خطرہ ہو۔

یہ شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے کے تحت بھی ایک قانونی ذمہ داری ہے جس کا ہندوستان ایک فریق ہے۔

بھارت کی آبی جارحیت، ڈیموں کی اسٹوریج اور نظام آبپاشی متاثر ہونے لگا

سندھ طاس معاہدے کی یکطرفہ معطلی کے بعد بھارت کی جانب سے پانی روکے جانے کی وجہ سے پاکستان میں خریف کی فصل شدید متاثر ہو رہی ہے، منگلا اور تربیلا ڈیم میں پانی کے ذخیرے میں تیزی سے کمی آ رہی ہے، ارسا کے تازہ اعداد وشمار کے مطابق پانی کے بہاؤ میں مجموعی طور پر ۲۱ فیصد کمی اور دو اہم ڈیموں منگلا اور تربیلا میں تقریباً ۵۰ فیصد لائیو اسٹوریج کی کمی کا سامنا ہے۔ منگلا اور تربیلا پنجاب اور سندھ میں آبپاشی کے لیے پانی فراہم کرنے اور ہائیڈروپاور پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ بھارت کی جانب سے دریاؤں کے پانی کے بہاؤ میں روزانہ کمی و بیشی معمول بن چکی ہے، جس کے باعث پاکستان میں ڈیموں کی اسٹوریج صلاحیت متاثر ہونے لگی ہے۔ انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کے حکام کے مطابق بھارت کبھی پانی کے بہاؤ میں اچانک کمی کر دیتا ہے اور کبھی غیر متوقع اضافہ، جس کا براہِ راست اثر پاکستان کے آبی ذخائر پر پڑ رہا ہے۔ حکام نے خبردار کیا ہے کہ اگر یہی صورتحال برقرار رہی تو منگلا ڈیم میں پانی بھرنے کا عمل متاثر ہو سکتا ہے، جو آئندہ موسمِ خریف میں زرعی ضروریات کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ ارسا کے مطابق پانی کی کمی کے پیشِ نظر منگلا سے اخراج ۱۰ ہزار کیوسک سے بڑھا کر ۲۵ ہزار کیوسک کر دیا گیا ہے تاکہ متوازن فراہمی جاری رکھی جا سکے۔ دوسری جانب پاکستان نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) سے ہندوستانی آبی جارحیت سے نمٹنے کی خاطر دو میگاواٹر اسٹوریج ڈیموں کی فنڈنگ کے لیے ملک میں پیدا ہونے والی ہر قابل ٹیکس مصنوعات پر (سوائے برقی توانائی اور ادویات کے) خصوصی ایک فیصد ٹیکس لگانے کی اجازت طلب کی ہے۔ وزارت آبی وسائل اور وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق، دیامر بھاشا ڈیم اور مہمند ڈیم کی جلد تکمیل کے لیے صوبائی حکومتوں کی اکثریت کی جانب سے مالی اعانت سے ہچکچاہٹ کے بعد نیا ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تاہم، حکومت کو آئی ایم ایف کی مخالفت کا بھی سامنا ہے، جس نے وفاقی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ منظور شدہ ایک ٹریلین روپے کے وفاقی پبلک سیکٹر ڈویلپمنٹ پروگرام کے اندر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ دیامر بھاشا ڈیم جس کی لاگت ۴۸۰ ارب روپے ہے اور مہمند ڈیم جس کی لاگت کا تخمینہ ۳۱۰ ارب روپے ہے ۲۰۱۸ء میں منظور کیا گیا تھا لیکن ان کی تکمیل کے لیے ابھی بھی کم از کم ۵۴۰ ارب روپے درکار تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ پاک بھارت کشیدگی کے دوران پاکستانی فوجی اور سیاسی قیادت کی جانب سے اس ایشو پر سخت بیان دیئے گئے لیکن ٹرمپ کی ثالثی میں اسے مکمل نظر انداز کیا گیا، کیونکہ شاید وہ ثالثی نہیں بلکہ حکم نامہ تھا جس پر فوراً سے پیشتر بلا چون وچرا عمل درآمد کیا گیا۔

فوجی فرٹیلائزر کا پی آئی اے کے حصص خریدنے میں دلچسپی کا اظہار

پاکستان کی سب سے بڑی کھاد ساز کمپنی فوجی فرٹیلائزر کمپنی لمیٹڈ نے پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز یعنی پی آئی اے کے حصص خریدنے میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے، یہ پیش رفت پی آئی اے کی مجوزہ نجکاری کے تناظر میں سامنے آئی ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق فوجی فرٹیلائزر کمپنی، جو پاکستان میں کھاد اور کیمیکل سازی کے علاوہ سیمنٹ، فوڈ پروسیسنگ، توانائی اور بینکاری کے شعبوں میں بھی سرمایہ کاری کرتی ہے، اب قومی ایئرلائن میں شمولیت کی خواہش مند ہے۔ حکومت اس نجکاری کو بین الاقوامی مالیاتی فنڈ یعنی آئی ایم ایف کے ۷ ارب ڈالر کے اصلاحاتی پروگرام کا حصہ قرار دے رہی ہے۔ پی آئی اے کی نجکاری کا معاملہ عرصہ دراز سے میڈیا کی شہ سرخیوں کا مرکز بن رہا ہے۔ گزشتہ سال یہ معاملہ اس وقت مضحکہ خیز صورتحال اختیار کر گیا جب ۸۵ ارب کے ڈیمانڈ کے جواب میں ۱۰ ارب کی بولی لگائی گئی۔ ترجمان قومی ایئرلائن کا کہنا تھا صرف لندن ہیتھرو کے روٹ کی مالیت ۱۰۰ ملین ڈالر ہے جو ۳۰ ارب روپے بنتے ہیں، پراپرٹیز، اثاثہ جات اور ۳۳ جہاز الگ ہیں۔ واحد بولی دہندہ کا تجربہ رئیل اسٹیٹ کے علاوہ کچھ نہیں، غیر سنجیدہ بولی ایک جہاز کی قیمت کے لیے بھی ناکافی ہے۔ یہ بات تو معروف ہے کہ جن بولیوں اور ٹینڈرز میں کوئی فوجی کمپنی شریک ہو وہاں کسی عام سویلین کمپنی کے لیے مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر فوجی فرٹیلائزر یہ ڈیل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات کیا ہو سکتے ہیں۔ کھاد کے سیکٹر میں فوجی فرٹیلائزر کے پاس اجارہ داری ہے، سبسڈی بھی ملتی ہے، گیس کی پورے ملک میں لوڈشیڈنگ ہو، لیکن فوجی فرٹیلائزر کو ہر صورت ملے گی۔ اجارہ داری کے سبب کھاد مارکیٹ سے غائب ہو کر بلیک میں منہ مانگی قیمت پر بکتی ہے۔ اس کمپنی کے مالیاتی سکینڈلز بھی منظر عام پر آ چکے ہیں کہ کیسے کمپنی کے منافع کو نامعلوم جگہ پر ڈونیشنز کے نام پر غائب کیا گیا۔ اگر یہ کمپنی پاکستان کی ایئرلائنز انڈسٹری میں مذکورہ ہتھکنڈوں کے زور پر اجارہ داری حاصل کرتی ہے تو اس کے کیا نتائج ہوں گے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

حکومت کا ایف بی آر میں ریٹائرڈ فوجی افسران کو تعینات کرنے کا فیصلہ

وفاقی بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) اب کسٹمز کے خالی عہدوں پر کنٹریکٹ کی بنیاد پر ریٹائرڈ جونیئر کمیشنڈ افسران اور سپاہیوں کو بھرتی کر سکے گا۔

مالیاتی بل کے مطابق ایف بی آر کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ ملک کے مختلف مقامات کو ڈیجیٹل انفورسمنٹ اسٹیشن قرار دے، تاکہ اسمگلنگ اور غیر قانونی تجارت کی روک تھام کی جا سکے۔ ایف بی آر کسی بھی موجودہ کسٹمز چیک پوسٹ کو بھی ڈیجیٹل انفورسمنٹ اسٹیشن کا درجہ دے سکتا ہے۔

بل میں واضح کیا گیا ہے کہ بورڈ ان اسٹیشنز کے لیے عملے کی بھرتی، طریقہ کار اور ٹیکنالوجی سے متعلق ضابطے بھی خود وضع کرے گا۔ مالیاتی بل میں شامل دفعات کے مطابق بورڈ قواعد کے

تحت کسٹمز کے خالی عہدوں پر مسلح افواج کے ریٹائرڈ جونیئر کمیشنڈ افسران اور سپاہیوں کو کنٹریکٹ پر بھرتی کر سکتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ دوسرے سرکاری محکموں کی طرح ایف بی آر بھی ایک کرپٹ ترین ادارہ ہے لیکن کیا فوجی افسران کی اس محکمے میں تعیناتیوں سے ٹیکس کلیکشن اور شفافیت میں بہتری آئے گی؟

پاکستان کا بزنس سیکٹر فوجی کاروبار کی وجہ سے پہلے ہی مفلوج ہے۔ ایسے میں فوجی افسران کو ہی ٹیکس کلیکشن کے پراسیس کا حصہ بنانا مزید خرابیوں کا سبب بنے گا۔ یوں لگتا ہے مذکورہ منصوبے کی راہ ہموار کرنے کے لیے باقاعدہ ذہن سازی بھی کی جا رہی ہے۔ سینیٹر افنان اللہ لکھتے ہیں:

”ایف بی آر کی سینئر مینجمنٹ کے پاس اربوں روپے کے اثاثے ہیں۔ اسی لیے یہ کبھی بھی اپنے اثاثے قوم کے سامنے نہیں رکھیں گے۔ سالانہ ایف بی آر میں ایک ہزار ارب سے زیادہ کی کرپشن ہوتی ہے۔ کیا یہ لوگ اہل ہیں کہ یہ پاکستانیوں کے ٹیکس کا پیسہ اکٹھا کر سکیں؟“

افغان اور ایران دونوں بارڈرز پر تجارت کو قانونی حیثیت نہ دے کر سمگلنگ کو فروغ دینے میں سب سے بڑا حصہ بارڈر پر تعینات فوجی افسران ہی حاصل کرتے ہیں اور یہ حقیقت تو کئی ریٹائرڈ فوجی افسران بتا چکے ہیں کہ ان جگہوں پر پوسٹنگ کے لیے بھاری رشوت دی جاتی ہے۔ ان بارڈرز پر اگر قانونی تجارت ہو تو اس سے نہ صرف صوبائی و وفاقی حکومت کو آمدن ہو گی بلکہ مقامی افراد کو بھی باعزت روزگار ملے گا۔ لیکن کرپٹ جرنیل کیونکر ایسا چاہیں گے؟ صرف یہی نہیں بلکہ کراچی پورٹ سے ہونے والی امپورٹس میں بھی امپورٹرز ڈیوٹی بچانے کے لیے کرپٹ فوجی و کسٹم افسران کو رشوت کھلاتے ہیں اور ڈیوٹی بچاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک بہت بڑا اسکینڈل بے نقاب کرنے کے جرم میں کسٹم آفیسر عاشر عظیم کو سی آئی اے ایجنٹ قرار دے کر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا۔

آڈٹ رپورٹ میں پنجاب میں ۱۰ار کھرب روپے کی بے ضابطگیوں کا انکشاف

آڈیٹر جنرل آف پاکستان نے آڈٹ سال ۲۰۲۴-۲۵ء کی رپورٹ میں پنجاب حکومت کے اخراجاتی کھاتوں میں دس کھرب روپے سے زائد کی سنگین بے ضابطگیوں کا انکشاف کیا ہے، جن میں فراڈ، رقم کا غلط استعمال، زائد ادائیگیاں، مالی بد انتظامی، غلط خریداری، اور کنسولیڈیٹڈ فنڈ کی وصولیوں کا کمرشل بینکوں میں غیر مجاز طور پر رکھنا شامل ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق، آڈٹ کی اہم دریافتوں میں ۱۴ کیسز شامل ہیں جن میں فراڈ اور رقم کا غلط استعمال شامل ہے، جن کی مالیت ۳ء۱ ارب روپے بنتی ہے۔ ۵۰ کیسز زائد ادائیگیوں، ریکوریز اور غیر مجاز ادائیگیوں کے ہیں جن کی مالیت ۲۵ء۴ ارب روپے ہے۔ ۲۱ کیسز مالی بد انتظامی کے ہیں جن کی مالیت ۱۰ء۶ ارب روپے ہے، جب کہ ۴۵ کیسز غلط خریداری (mis-procurement) سے متعلق ہیں جن کی مالیت ۴۳ ارب روپے ہے۔ ۱۲ کیسز کنسولیڈیٹڈ فنڈ کی وصولیوں کو کمرشل بینکوں میں غیر مجاز طور پر رکھنے اور خود مختار اداروں کی جانب سے عوامی رقوم کو بغیر منافع والے اکاؤنٹس میں رکھنے سے متعلق ہیں، جن کی مجموعی مالیت ۹۸۸ ارب روپے ہے۔ اس کے علاوہ، ہیومن ریسورس سے متعلق بے ضابطگیوں کے ۲۴ کیسز کی مالیت ۸ء۲ ارب روپے اور کارکردگی سے متعلق خامیوں کے ۷ کیسز کی مالیت ۱۳ء۶ ارب روپے ہے۔

رواں سال کسانوں کو مختلف فصلوں میں ہونے والا نقصان

پاکستان ایک زرعی ملک ہے جس کی زرعی آمدنی ملکی معیشت کا ایک اہم جز سمجھی جاتی ہے، دنیا بھر میں زرعی شعبے میں ترقی ہو رہی ہے اور کم سے کم قابل کاشت زمین کے استعمال سے زیادہ سے زیادہ فصل حاصل کی جا رہی ہے۔ لیکن حالیہ اقتصادی سروے رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں اہم فصلوں کی پیداوار میں بڑی کمی ہوئی ہے۔ کپاس کی فصل کی پیداوار میں ۳۰ فیصد، مکئی میں ۱۵ء۴ فیصد، گندم کی فصل میں ۸ء۹ فیصد، چاول کی فصل میں ۱ء۴ فیصد کمی ریکارڈ کی گئی ہے۔ تواتر سے ایسی ویڈیوز بھی وائرل ہو رہی ہیں جس میں کسان کہیں احتجاجاً اپنی اجناس ضائع کر رہے ہیں یا جانوروں کو کھلا رہے ہیں۔ ملک میں ہر سال فصلوں کی قیمت میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا ہے، تاہم گزشتہ سال گندم کی فصل میں کسانوں کو بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ گندم کی فی من قیمت ۵ ہزار روپے سے ۲۳۰۰ روپے تک گر گئی جس سے کسانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ چیئرمین کسان اتحاد خالد حسین بتھ کے مطابق صرف گندم کے ریٹ میں کمی سے کسانوں کا ۲۰۰۰ ارب روپے کا نقصان ہوا ہے، کسانوں نے مہنگے داموں بیج اور کھاد خریدے، پھر فصل کو پانی لگانے کے لیے ڈیزل کی مد میں اخراجات اور پھر فصل کی تیاری کے بعد فی من ریٹ میں ۵۰ فیصد سے زائد کمی ہو گئی۔ اس سال بھی گندم کی پیداوار میں ۸ء۹ فیصد کمی ریکارڈ کی گئی ہے اور آئندہ سال تو اس سے بھی زیادہ کمی ہو گی۔ کسانوں کے فصل پر تیاری کے دوران آنے والے اخراجات بھی موجودہ ریٹس میں پورے نہیں ہوتے۔ راولپنڈی کے معروف راجہ بازار میں اشیائے خورد و نوش کے کاروبار سے منسلک سردار عمیر حیدر نے بتایا کہ گندم کے کاشتکاروں کا تو انتہائی زیادہ نقصان ہوا ہے۔ سبزیاں کاشت کرنے والوں کو ابھی بھی نقصان ہو رہا ہے اور مستقبل میں بھی نقصان کے بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ میڈیا میں اصل وجہ پر کم ہی بات ہوتی ہے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے پاکستانی سبزیاں، اجناس اور پھل افغانستان بھیجی جاتی تھیں جہاں ریٹ بھی زیادہ ملتا تھا۔ وہاں سے بھی بہت سے پھل پاکستان آتے تھے۔ پاکستان کی جانب سے افغانستان سے تجارت کو حتی الامکان ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ سب ہی کے سامنے ہے۔ لیکن یہ صورتحال دیکھتے ہوئے بھی حکومت بے حسی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس پورے معاملے میں ایک اہم زاویہ سمجھنے کا اور بھی ہے۔ بحیثیت قوم یہ ہمارا عمومی مزاج ہے کہ چونکہ اپنی نوکری، کاروبار، منافع پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتے کہ ہماری زندگیاں متاثر نہ ہوں اس لیے ہم ظالم حکمرانوں کے تمام معاملات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر 32 پر)

ایک ترانہ مجاہدینِ فلسطین کے لیے

ہم جیتیں گے
حقاً ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
کیا خوف از یلغار اعداء
ہے سینہ سپر ہر غازی کا
کیا خوف از یورش جیش قضا
صف بستہ ہیں ارواح الشہداء
ڈر کاہے کا
ہم جیتیں گے
حقاً ہم اک دن جیتیں گے
قد جاء الحق وزھق الباطل
فرمودۂ ربِ اکبر
ہے جنت اپنے پاؤں تلے
اور سایۂ رحمت سر پر ہے
پھر کیا ڈر ہے
ہم جیتیں گے
حقاً ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے

میں سب مسلمانوں سے بالعموم اور (فلسطین کے) اردگرد کے ممالک مصر، اردن، شام اور لبنان میں بسنے والے مسلمانوں سے بالخصوص کہتا ہوں! اگر رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو صحابہ سے صرف ایک مسلمان کے قتل ہو جانے کی اس افواہ کی بنیاد پر موت کی بیعت لے لی، جو تحقیق شدہ بھی نہ تھی، تو تم اپنے رب کو کیا جواب دو گے جب وہ تم سے اہل غزہ کی نصرت کے بارے میں پوچھے گا؟ تم کیا عذر بنا سکو گے جبکہ تم لوگ براہ راست دیکھتے ہو کہ بندروں اور خنزیروں کی اولاد نے غزہ میں 20 لاکھ سے زائد تمہارے مسلمان بھائیوں میں قتل و غارت کا ایک بھیانک بازار گرم کر رکھا ہے، حالانکہ یہودی تو تم سے ایک پتھر پھینکنے کی دوری پر ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! غزہ نے کسی کے لیے کوئی دلیل یا عذر باقی نہیں چھوڑا، جبکہ غزہ کے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں اور خواتین نے اپنے جگر گوشوں، بہترین اموال، گھر بار اور امن جیسی قیمتی ترین چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کے مسریٰ (سفرِ معراج پر روانہ ہونے کے مقام) پر قربان کر کے ہمیں ایمان، طلبِ اجر اور قربانی کے عملی اسباق سکھا دیے۔

فضیلة الشیخ

اِبراهیم القوصی

(خبیب سوڈانی)